انتخابِ نظیر اکبر آبادی

رشید حسن خاں

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ دہلی

اشتراک

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، دہلی

Intikhab Nazeer Akbar Aabadi
by
Rasheed Hasan Khan
Rs.77/-

صدر دفتر

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، جامعہ نگر، نئی دہلی۔ 110025 ☎ 011-26987295
Email: monthlykitabnuma@gmail.com

شاخیں

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، اردو بازار، جامع مسجد دہلی۔ 110006 ☎ 011-23260668
مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، پرنس بلڈنگ، ممبئی۔ 400003 ☎ 022-23774857
مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، یونیورسٹی مارکیٹ، علی گڑھ۔ 202002 ☎ 0571-2706142
مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، بھوپال گراؤنڈ، جامعہ نگر، نئی دہلی۔ 110025 ☎ 011-26987295

قومی اردو کونسل کی کتابیں مذکورہ شاخوں پر دستیاب ہیں

سنہ اشاعت: 2011 تعداد: 1100 قیمت: -/77 روپے
ISBN:978-81-7587-552-4 سلسلۂ مطبوعات: 1458

ناشر: ڈائرکٹر، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، فروغ اردو بھون FC-33/9، انسٹی ٹیوشنل ایریا، جسولہ، نئی دہلی۔ 110025
فون نمبر: 49539000 فیکس: 49539099
ای میل: urducouncil@gmil.com ویب سائٹ: www.urducouncil.nic.in
طابع: جے۔ کے۔ آفسیٹ پرنٹرز، بازار مٹیا محل، جامع مسجد۔ 110006
اس کتاب کی چھپائی میں 70 GSM TNPL Maplitho کاغذ کا استعمال کیا گیا ہے۔

معروضات

قارئین کرام! آپ جانتے ہیں کہ مکتبہ جامعہ لمیٹڈ ایک قدیم اشاعتی ادارہ ہے، جو اپنے ماضی کی شاندار روایات کے ساتھ آج بھی سرگرم عمل ہے۔ 1922ء میں اس کے قیام کے ساتھ ہی کتابوں کی اشاعت کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا جو زمانے کے سرد و گرم سے گزرتا ہوا آگے کی جانب گامزن رہا۔ درمیان میں کئی دشواریاں حائل ہوئیں، نامساعد حالات سے بھی سابقہ پڑا مگر سفر جاری رہا اور اشاعتوں کا سلسلہ کلّی طور پر کبھی منقطع نہیں ہوا۔

اس ادارے نے اردو زبان و ادب کے معتبر و مستند مصنّفین کی سیکڑوں کتابیں شائع کی ہیں۔ بچوں کے لیے کم قیمت کتابوں کی اشاعت اور طلبا کے لیے ''درسی کتب'' اور ''معیاری سیریز'' کے عنوان سے مختصر مگر جامع کتابوں کی تیاری بھی اس ادارے کے مفید اور مقبول منصوبے رہے ہیں۔ ادھر چند برسوں سے اشاعتی پروگرام میں کچھ تعطّل پیدا ہو گیا تھا جس کی وجہ سے فہرست کتب کی اشاعت بھی ملتوی ہوتی رہی مگر اب برف پگھلی ہے اور مکتبہ کی جو کتابیں کمیاب بلکہ نایاب ہوتی جا رہی تھیں شائع ہو چکی ہیں۔ زیر نظر کتاب اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ اب تمام کتابیں مکتبہ کی دلّی، ممبئی اور علی گڑھ شاخوں پر دستیاب ہیں اور آپ کے مطالبہ پر بھی روانہ کی جائیں گی۔

اشاعتی پروگرام کے جمود کو توڑنے اور مکتبہ کی ناؤ کو بھنور سے نکالنے میں مکتبہ جامعہ بورڈ آف ڈائرکٹرس کے چیئرمین اور جامعہ ملیہ اسلامیہ کے وائس چانسلر جناب نجیب جنگ (آئی اے ایس) کی خصوصی دلچسپی کا ذکر ناگزیر ہے۔ موصوف نے قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کے فعّال ڈائرکٹر جناب حمید اللہ بھٹ کے ساتھ (مکتبہ جامعہ لمیٹڈ اور قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کے درمیان) ایک معاہدے کے تحت کتابوں کی اشاعت کے معطّل شدہ عمل کو نئی زندگی بخشی ہے۔ اس سرگرم عملی اقدام کے لیے مکتبہ جامعہ کی جانب سے میں ان صاحبان کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ امید ہے کہ یہ تعاون آئندہ بھی شاملِ حال رہے گا۔

خالد محمود

مینجنگ ڈائرکٹر، مکتبہ جامعہ لمیٹڈ

مجلسِ ادارت

حرفِ آغاز

پُرانی کتابیں کم یاب ہوتی جارہی ہیں۔ جو کتابیں ملتی ہیں، اُن میں سے بیش تر قابلِ اعتبار نہیں۔ عام طور سے اُن کی قیمتیں بھی زیادہ ہوتی ہیں اور بہت سے لوگ جو اچھّی کتابوں کو خریدنا چاہتے ہیں، قیمتوں کی زیادتی کی وجہ سے نہیں خرید پاتے۔

اِن امور کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے، مکتبہ جامعہ نے، حکومتِ جموّں وکشمیر کے تعاون سے ایک نیا سلسلہ شروع کیا ہے جس کے تحت قدیم معیاری کتابیں، صحتِ متن اور حُسنِ طباعت کے ساتھ پیش کی جائیں گی۔ اِن کتابوں کا متن بہت اہتمام کے ساتھ تیار کیا جائے گا جو اُس کتاب کے معتبر ترین نسخے پر مبنی ہوگا۔ صحتِ متن کے ساتھ ساتھ صحتِ املا کا بھی بہ طورِ خاص لحاظ رکھا جائے گا۔ اور یہ ساری کتابیں آفسٹ پر نہایت خوب صورتی کے ساتھ چھاپی جائیں گی۔ اس کے باوجود ان کتابوں کی قیمتیں کم سے کم ہوں گی اور اس کے لیے مکتبہ جامعہ حکومتِ جموّں وکشمیر کا ممنون ہے جس کی مالی امداد نے اِس بات کو ممکن بنایا۔

ہمیں اُمید ہے کہ حکومتِ جموّں وکشمیر کی مالی امداد سے مرتّب کیا ہوا کتابوں کا یہ سلسلہ اُردو زبان وادب کے فروغ میں اور اچھّی کتابوں کی زیادہ سے زیادہ اشاعت میں بے حد معاون ثابت ہوگا۔

شاہد علی خاں

(جنرل منیجر)

تعارف

نظیر اکبر آبادی، شاعر کی حیثیت سے، اپنے زمانے میں بھی مشہور تھے اور آج بھی مشہور ہیں۔ فرق بس یہ ہے کہ اُس زمانے میں اُن کا کلام عام لوگوں کی زبان پر تھا، مقبولیت بھی اُنھی لوگوں تک محدود تھی۔ خاص لوگوں کا طبقہ، جو اُس زمانے میں شعر و ادب کا پارکھ سمجھا جاتا تھا، اُن کے کلام کو کچھ اچھی نظر سے نہیں دیکھتا تھا۔ اُن لوگوں کا خیال تھا کہ نظیر کی باتیں اور بات کرنے کا انداز، دونوں بازاری سے ہیں۔ نہ خیالات میں پاکیزگی اور بلندی ہے، نہ بیان کا ڈھنگ ثقہ اور متین ہے۔ کچھ لوگوں نے دو ٹوک کہا، کچھ نے ذرا دبے لفظوں میں۔ اِس میں شیفتہ سے لے کر، حالی و آزاد تک سبھی شامل ہیں۔ آج صورت یہ ہے کہ عام لوگوں کی زبان پر تو شاید نظیر کا کلام اُس قدر نہ ہو، لیکن خواص کا گروہ، اُن کی شاعرانہ ہمہ گیریوں کا پوری طرح معترف ہے۔

بات یہ تھی کہ نظیر نے جن چیزوں اور باتوں کو اپنی شاعری کا خاص موضوع بنایا، وہ اُس وقت تک اُردو شاعری سے غیر متعلق سی تھیں۔ لیکن اِس سے بھی بڑی بات یہ تھی کہ نظیر نے جس اسلوب اور جس سادہ و صاف ڈھنگ سے اِن باتوں کو کہا، اُس کو زیادہ نامناسب سمجھا گیا۔ سماجی اور تہذیبی زندگی میں اُس وقت ایسی ہی تقسیمیں کار فرما تھیں۔ نظیر کی زبان پر، اُردو کے معیاری لب و لہجے سے زیادہ، بول چال کا اثر تھا اور بول چال بھی اوسط درجے کے عام آدمیوں کی۔ بول چال کا اثر اُن کے لہجے پر اِس قدر غالب تھا کہ اُن کی اکثر نظموں میں ایک خاص طرح کے چونچال پن، بلکہ کھلنڈرے پن کا رنگ چمک اُٹھا ہے، جس کو اُس وقت کے متعیّن مہذّب اسلوب سے ذرا دور کی نسبت تھی۔

ایک بات اور: کچھ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ نظیر کی سماجی حیثیت بھی، اُن کے راستے کا پتھر

بن گئی۔ وہ ایک معلّم تھے جس کی پشت پر نہ تو کسی معروف خاندان کی درویشی، سیادت، یا سپہ گری کا پُشتارہ تھا، اور نہ کوئی ایسی ذاتی وجاہت حاصل تھی، جس کو اُس زمانے میں قابل لحاظ سمجھا جاتا ہو۔ باتیں کرتے تھے سو فی صدی عام لوگوں کی زبان میں اور کہتے تھے وہ باتیں جن کو گفتگو کا موضوع تو سمجھا جاتا تھا، شاعری کا موضوع نہیں بنایا جاتا تھا۔ اُس عہد کے معروف شاعروں کا جائزہ لیجیے تو اندازہ ہوگا کہ ہر ایک کے ساتھ کوئی نہ کوئی ایسی نسبت ضرور شامل تھی جس کو سماجی سطح پر قابلِ توجہ سمجھا جاتا تھا اور ایسی نسبتوں نے شخصیت کے نقش کو اُبھارنے میں بہت مدد دی ہے۔ شاعری اور شخصیت کی ثنویت پر جس طرح آج ہم ایمان رکھتے ہیں، کل یہ صورت نہیں تھی۔

کبھی کبھی یہ بھی ہوتا ہے کہ کسی شاعر کے کلام کے ایک حصّے کو دیکھ کر، ایک رائے قائم کرلی جاتی ہے اور کچھ ایسے حالات میں اور کچھ ایسے انداز سے بات دل میں بیٹھ جاتی ہے کہ پھر اس کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی کہ اُس کے کلام کے باقی حصّوں کو بھی دیکھا جائے۔ نظیر کے یہاں پست اور فحش شاعری بھی ہے۔ وہ کل بھی پست اور فحش تھی اور آج بھی ہے۔ یہ اُن کے کلام کا مشکل سے آٹھواں حصّہ ہوگا۔ لیکن فرض یہ کرلیا گیا کہ اُن کے یہاں فحاشی بھری ہوئی ہے۔

تنوّع اور رنگا رنگی کے لحاظ سے، نظیر کا کلام آج بھی بے مثال ہے۔ کوئی شاعر اِس باب میں اُن کا حریف نہیں۔ زندگی اپنی پوری تفصیل کے ساتھ اُن کے کلّیات میں جلوہ گر ہے۔ اُنھوں نے زندگی کے اُن خالص مادّی پہلوؤں کو اور اُن کے اثرات کو بے حد سادگی و صفائی کے ساتھ پیش کیا، جن کے کرشمے ہر طرف نظر آتے تھے، لیکن جن کو شاعر کی نظر اور مصوّر کی آنکھ نے اپنے مرقعوں میں جگہ نہیں دی تھی۔ توا، چولھا، دال روٹی، ادرک، منقّا، موٹھ، مٹر کو بھلا شاعری سے کیا تعلّق تھا اور اُس زمانے میں یہ کس نے کہا تھا کہ جہاں چولھے کی آنچ ہے، وہیں خالق کی نعمتوں کا ظہور ہے بلکہ اصل میں یہی نور ہے۔ اور اگر پیٹ بھرا ہوا نہ ہو تو چودہ طبق کیا، ایک طبق بھی روشن نظر نہیں آسکتا۔

ایک طرف تو مادّی زندگی کا ایسا سادہ و صاف بیان، دوسری طرف اِس قلندری و آزادگی کی تلقین ہے کہ ع گر مرد ہے تو عاشق، کوڑی نہ رکھ کفن کو۔ اِس کے ساتھ ساتھ ترکِ دنیا اور تسلیم و رضا کا

درس بھی ہے اور تاثیر سے بھری ہوئی آواز میں، یہ دنیا رہنے والی چیز نہیں، پاس کچھ بھی ہو، آخرکار سب ٹھاٹھ پڑا رہ جائے گا۔ میلوں ٹھیلوں اور عرس تہواروں سے متعلق بھی نظیرؔ نے بہت کچھ کہا ہے، جس میں عقیدت کا جذبہ بھرا ہوا ہے۔ لیکن ہر منظر کو دیکھا ہے شاعر کی آنکھ سے، چھوٹی سے چھوٹی تفصیل بھی چھوٹنے نہیں پاتی۔ مندر میں "لالن" کے ہر گھڑی برن بدلنے اور عرس میں حال آنے کا بھی بیان ہے، اور اُسی تفصیل کے ساتھ اس کا بھی ذکر ہے کہ ہر طرف خوب رُو گُل بدن نکیلے گھوم رہے ہیں اور ملاقات کے بہت سے وعدے پورے ہو رہے ہیں۔ لوگ گنواریوں کو دھکے مارتے ہوئے چلتے ہیں اور کُمھارن کے کھلونے چُرائے جا رہے ہیں۔

بلاتکلّف کہا جا سکتا ہے کہ ایسی آزادہ منشی، ایسی قلندرانہ روش، ایسی بے تعصبی، ایسی انسان دوستی اور مادّی حقائق کا ایسا دوٹوک بیان؛ اُس عہد میں تو کیا ملتا، اِس زمانے میں کم یاب ہے۔ مناسب لفظوں کے انتخاب کا جیسا سلیقہ نظیرؔ کو حاصل تھا، وہ بھی کم دیکھنے میں آتا ہے۔ اور لفظوں کی ترتیب سے موسیقی کی جھنکاریں پیدا کرنے میں تو اُن کے حریف کم تر ملیں گے۔ اُن کی متعدّد نظموں کے شعر اور بند، بولتے ہوئے ہی نہیں، بجتے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔ میلے، تہوار، موسم اور اسی طرح کے اور موضوعات کے بیان میں نظیرؔ کے یہاں لہجے کی جو سرشاری اور جزئیات کی جو عکاسی ملتی ہے، اُردو شاعری کے لیے وہ کل نئی چیز تھی اور آج قابلِ قدر سرمایہ ہے۔

اُن کی عشقیہ شاعری میں دل دوزی، کسک اور لہجے کی گرمی نہیں ملتی، بالکل نہیں ملتی۔ یہ اُن کا مزاج ہی نہیں تھا۔ صاف معلوم ہوتا ہے کہ اِس شخص کی رسائی بہت دور تک نہیں تھی۔ منظورِ نظر قطعاً جنسِ بازار سے متعلق تھا اور اس کوچے کی سیر خاصی تفصیل کے ساتھ کی گئی ہے۔ ع ٹک دیکھ لیا، دل شاد کیا، خوش وقت ہوئے اور چل نکلے؛ اُن کے عشق کا حاصل تھا اور اس سے شاید ہی اختلاف کیا جا سکے کہ اِس منزل پر آدمی بہت سے پھیر کھانے کے بعد پہنچتا ہے، بہت تجربے اور بہت ریاض کے بعد۔ نظیرؔ کی عشقیہ شاعری میں اِن تجربوں اور اِس ریاض کی پوری پوری آئینہ داری ملتی ہے — نظیرؔ جیسے ہمہ جہتی شاعر بہت کم پیدا ہوتے ہیں۔ جب آگرے کی خلق کا کاروبار بند ہوتا ہے تو وہ شہر آشوب لکھتا ہے۔

ہولی، دوالی، عید، شب برات اور میلوں ٹھیلوں کے روشن اور رقصاں مرقع پیش کرتا ہے جیسے سرشاری و مستی کے سوا اور کسی جذبے سے آشنا ہی نہ ہو اور جب موت و فنا کی بات کرتا ہے تو یہ ساری دنیا ناقابلِ اعتبار معلوم ہونے لگتی ہے۔

اِس اہمیت اور شہرت کے باوجود، اُن کے حالاتِ زندگی آج ہماری نگاہوں سے اوجھل سے ہیں۔ بس اتنا معلوم ہے کہ ولی محمد نام تھا۔ پیدا دہلی میں ہوئے، غالباً عین عالمِ شباب ہی میں دہلی سے آگرے چلے گئے اور پھر ساری عمر وہیں گزاری۔ زندگی بھر معلمی کرتے رہے اور ۱۲۴۶ھ (۱۸۳۰ء) میں وہیں انتقال ہوا۔ عبدالغفور شہباز نے زندگانیِ بے نظیر کے نام سے اُن کی سوانح عمری لکھی ہے لیکن اُس میں عقیدت مندی، قیاس آرائی اور انشا پردازی کی اِس قدر بہتات ہے کہ نگاہِ تحقیق کی تسکین نہیں ہوتی۔ نظیر نے ایک غزل نما نظم میں اپنی تصویر خود پیش کی ہے، جس کو اِس انتخاب کے شروع ہی میں درج کیا گیا ہے، اُس سے بھی بعض اہم تفصیلات معلوم ہو سکتی ہیں۔

نظیر کے کلام کا یہ انتخاب اِس انداز سے مرتّب کیا گیا ہے کہ اُن کی قریب قریب ساری اہم نظمیں، مکمل یا ضروری انتخاب کے ساتھ یکجا ہو جائیں۔ آخر میں غزلوں کا انتخاب ہے۔ اور ضروری الفاظ کی فرہنگ بھی شامل کی گئی ہے۔ نظیر کا کلّیات بارہا چھپا ہے۔ سب سے اچھا نسخہ وہ ہے جسے مولوی عبدالغفور شہباز نے مرتّب کیا تھا اور ۱۹۰۰ء میں مطبع نولکشور سے شائع ہوا تھا۔ مخمور اکبر آبادی کا مرتّبہ انتخاب روحِ نظیر اور سلیم جعفر کا انتخاب گلزارِ نظیر (شائع کردہ ہندوستانی اکیڈمی) بھی قابلِ لحاظ ہیں۔ ان دونوں میں کچھ نہ کچھ اضافے اور تصحیحات ہیں۔ نولکشور پریس سے ہی نظیر کا ضخیم کلّیات شائع ہوا ہے۔ جس کا تیسرا اڈیشن (سالِ طبع ۱۹۵۱ء) میرے سامنے ہے۔ یہ نظیر کے کلام کا جامع ترین مجموعہ ہے۔

اس انتخاب کے متن کی بنیاد، کلّیاتِ نظیر مرتّبہ شہباز پر رکھی گئی ہے۔ اور مذکورہ بالا نسخوں سے بھی استفادہ کیا گیا ہے، گلزارِ نظیر سے خاص طور پر مدد لی گئی ہے۔ مجھے توقع ہے کہ اس انتخاب کو کلامِ نظیر کے ایک اچھے نمائندہ انتخاب کی حیثیت سے، پسندیدگی کی نظر سے دیکھا جائے گا۔

رشید حسن خاں

فہرست

کہتے ہیں جس کو نظیر، سُنیئے ٹک اُس کا بیاں
تھا وہ مُعلّم غریب، بُزدل و ترسندہ جاں
کوئی کتاب، اُس کے تئیں، صاف نہ تھی درس کی
آئے تو معنی کہے، ورنہ پڑھائی رواں
فہم نہ تھا عِلم سے کچھ عربی کے اُسے
فارسی میں ہاں مگر سمجھے تھا کچھ این و آں
لکھنے کی یہ طرز تھی، کچھ جو لکھے تھا کبھی
پُختگی و خامی کے، اُس کا تھا خط، درمیاں
شعر و غزل کے سوا، شوق نہ تھا کچھ اُسے
اپنے اِسی شغل میں رہتا تھا خوش ہر زماں
سُست روِش، پستہ قد، سانولا، ہندی نژاد
تن بھی کچھ ایسا ہی تھا قد کے موافق عیاں
ماتھے پہ اک خال تھا چھوٹا سا، مَسّے کے طور
تھا وہ پڑا آن کر ابروؤں کے درمیاں

وضع سبک اُس کی تھی، تس پہ نہ رکھتا تھا ریش
مونچھیں تھیں، اور کانوں پر پٹے بھی تھے پنبہ ساں
پیری میں جیسی کہ تھی کہ اُس کو دل افسردگی
ویسی ہی تھی اُن دنوں، جن دنوں میں تھا جواں
جتنے غرض کام ہیں اور، پڑھانے سوا
چاہیے کچھ اُس سے ہوں، اتنی لیاقت کہاں
فضل سے اللہ نے اُس کو دیا عمر بھر
عزّت و حُرمت کے ساتھ، پارچہ وآب ونان

حمد

یارب! ہے تیری ذات کو دونوں جہاں میں برتری
ہے یاد تیرے فضل کو، رسمِ خلائق پروری
دائم ہے خاص و عام پر لطف و عطا، حفظ آوری
کیا اِنسیاں، کیا طائراں، کیا وحش، کیا جنّ و پری
پالے ہے سب کو ہر زماں تیرا اکرم اور یاوری

قدرت نے تیری ہر زماں، لے کر زمیں تا آسماں
کیا کیا بہاریں کیں عیاں، کیا کیا دکھائیں خوبیاں
مرغوب رنگ آمیزیاں، مجبوب حُسن آرائیاں
حقّا، تری صنعت پہ ہاں، ہیں ختم لاریب و گماں
رنگینی و طرّاحی و نقّاشی و صورت گری

تو نے بنائے سب فلک، پیدا کیے حور و ملک
انساں صبیح و پُر نمک، حیواں عجائب یک بہ یک
ہر جا تجلّی اور جھمک، بے انتہا نور اور چمک
کہتی ہے دانش اُن کو تک، ہے یہ بھی قدرت کی جھلک
چمکے ہیں جس سے اِس قدر خورشید و ماہ و مشتری

حمد

(بہ طرزِ مناجات)

اِس ارض و سَما کے عرصے میں یہ جتنا کچھ سَم کچّا ہے
یہ ٹھاٹھ تجھی نے باندھا ہے، یہ رنگ تجھی نے رچّا ہے
حیوان، پکھیرو، نر، ناری، کیا بوڑھا، بالک، بچّا ہے
کیا دانا، بینا، ہوش بھرا، کیا بھولا، ناداں، کچّا ہے
کُل عالم تیری یاد کرے، تو صاحب سب کا سچّا ہے

کوئی خالق، باری، رب، مولا، رحمان، رحیم، اللہ، تنگری
کوئی الکھ روپ، کرتار کہے، نرکال، نرنجن، گردھاری
کوئی رام رام کہہ کر سُمرے، کوئی بولے شیو شیو، ہری ہری
کوئی دانو، ڈنیت، دلیوا ٹل، کوئی راچھس، دیوت، جن، پری
کُل عالم تیری یاد کرے، تو صاحب سب کا سچّا ہے

پُھلواری، باڑی، باغ، چمن، ہے سب کو یاد تری ہی بھلی
تو مالی، والی، رکھوالی، کیا برچھ بھلی، کیا پیڑ بلی
کوئی مالا پھیرے، کوئی سُمرن، ہے سب کے دل میں یاد ڈلی
کیا چوٹی، جڑ، کیا پھل، کونپل، کیا ٹہنی، پتّا، کلی کلی
کُل عالم تیری یاد کرے، تو صاحب سب کا سچّا ہے

ہشیار و دانا، مست، بِسرا، عیّار نظر، ناقص، کامل
سردار، غریب، ادنا، اعلا، زیرک، سیانا، ناداں، غافل

رمّال، نجُومی، گھڑیالی، مُلّا، بہمن، پنڈت، عاقل
کیا بَیدِ مُہندِس، ابجد داں، کیا عالم فاضل، کیا جاہل
کُل عالم تیری یاد کرے، تو صاحب سب کا سچّا ہے

اَبدال، قُطب اور غَوث، ولی، ہے دھیان میں تیرے دل سب کا
کیا گیانی دھیانی، نارد مُنی، کیا جوگی و جنگم، گرُو، چیلا
تو پالنے والا ہے سب کا، اور سب کا تجھ سے دھیان لگا
کیا شاہ نظیرؔ اور کیا راجا، کیا مفلس، کیا کنگال گدا
کل عالم تیری یاد کرے، تو صاحب سب کا سچّا ہے

عشقَ اللہ

پہلے اُس ختم رسالت سے کہو عشقَ اللہ
صاحبِ خُلق وکرامت سے کہو عشق اللہ
گلشنِ دیں کی طراوت سے کہو عشق اللہ
نورِ حق، شافعِ اُمّت سے کہو عشق اللہ
یعنی اُس ختم رسالت سے کہو عشق اللہ

ہے جو وہ نورِ نبی، شیرِ خدا، شیرِ الٰہ
صاحبِ دُلدُل وقنبرؔ، شرفِ بیت اللہ
زورِ دیں، قاتلِ کفّار، محبّوں کی پناہ
یعنی وہ حیدرِ کرّار، علی، اعلا جاہ
ہر دم اُس شاہِ ولایت سے کہو عشق اللہ

اور وہ، ہے جس سے ہرا، باغِ امامت کا چمن
سبز پوشِ چمنِ جنّتِ فردوس، حَسَن
زہر نے جس کا زمرّد سا کیا سبز بدن
یاد کر مومنو، اُس کا وہ ہرا پیراہن
سبزۂ باغِ امامت سے کہو عشق اللہ

اور وہ گُل، جس سے ہے گُل زارِ شہادت کا کھلا
لے گئے دشتِ بلا میں جو اُسے اہلِ جفا
تین دن رات کا پیاسا وہ بہادر یکتا
لشکرِ شام کو للکار کے، تنہا وہ لڑا
گوہرِ دُرجِ شجاعت سے کہو عشق اللہ

اور وہ جس مرد کا ہے نام شہِ زینُ العبا
کربلا میں وہ اگر آہ کا شعلہ کرتا
جل کے لشکر وہ سبھی خاک سیہ ہو جاتا
پر، سوا حق کی رضا، اُس نے نہ کچھ دم مارا
اُس جواں مرد کی ہمت سے کہو عشق اللہ

باقر و جعفر و کاظم و رضا شاہِ شہاں
اور تقی نورِ نبی اور وہ نقی قبلۂ جاں
عسکری، مہدیِ ہادی، وہ امامِ دوراں
ہیں زمانے میں یہی بارہ امام، اے یاراں
سب ہر اک صاحبِ عزّت سے کہو عشق اللہ

ہیں جہاں تک یہ سبھی طالب و مرشد، فُقَرا
ہر دم اُن سب کے دلوں میں ہے بھرا عشق اللہ
اور جس مرد نے خوش ہو کے بہ راہِ مولا
مال و جاں، دولت و گھر بار تلک بخش دیا
اُس سخی دل کی سخاوت سے کہو عشق اللہ

جتنے اللہ نے بھیجے ہیں، ولی، پیغمبر
عارف و کامل و درویش و مشائخ، رہ بر
اور جنھوں نے ہو فدا، حق کے اُپر کر کے نظر
راہِ مولا میں خوشی ہو کے دیا اپنا سر
اُن شہیدوں کی شہادت سے کہو عشق اللہ

ہیں جو وہ صابر و شاکر بہ رضائے اللہ
راہِ مولا میں چلے لے کے توکّل ہم راہ
جا کے جنگل میں، پہاڑوں میں، لگا حق پہ نگاہ
دل میں خوش، بیٹھے ہوئے کرتے ہیں اللہ اللہ
اُن جوانوں کی قناعت سے کہو عشق اللہ

وہ جو کہلاتے ہیں دنیا میں خدا کے بندے
بندگی کرتے ہی کرتے وہ سبھی خاک ہوئے
خاک بھی ہو گئے، پر کرتے ہیں ہر دم سجدے
کہے ہیں بات نہ، لُوٹے ہیں عبادت کے مزے
دوستو! اُن کی عبادت سے کہو عشق اللہ

اور جو وہ عابد و زاہد ہیں خدا کی رہ کے — یاں کے سب عیش و مزے چھوڑ دیے رہ رہ کے
چلّے کھینچے ہیں محبت کی کماں گہ گہ کے — سوکھ کانٹا ہوئے ہر رنج و ستم سہہ سہہ کے
یارو، سب اُن کی ریاضت سے کہو عشق اللہ

اور جو وہ عاشق صادق ہیں جہاں ہیں یکتا — عشق بازی کا لیا نام پر اپنے سِکّا
گرچہ معشوق کی جانب سے ہوئے جور و جفا — مر گئے تو بھی نہ مُنہ اپنا وفا سے موڑا
اُن کی جاں بازی و جرأت سے کہو عشق اللہ

اور وہ معشوق جو ہیں ناز و ادا میں مغرور — حُسن رکھتے ہیں بھبھوکا سا جہاں میں پُرنور
گرچہ ظاہر میں وہ آتے نہیں عاشق کے حضور — پر وہ باطن میں نہیں اپنے خریدار سے دور
اُن کی اُس دل کی محبّت سے کہو عشق اللہ

اور وہ، جن پہ ہیں احوال دو عالم کے کھُلے — چلتے دریا میں ہیں، اور روے ہوا پر اُڑتے
چاہیں، پتھّر کے تیئں لعل کریں نظروں سے — چاہیں اکسیر کریں خاک کو ہر دم لے لے
اُن کے سب کشف و کرامت سے کہو عشق اللہ

اور وہ جو عشق کا گل زار کھلاتا ہے نظیرؔ — پنج تن پاک کا عالم میں کہاتا ہے نظیرؔ
ریختہ، فرد، رباعی بھی بناتا ہے نظیرؔ — کہ سخن عشق کا، پھر سب کو سناتا ہے نظیرؔ
اُس کے سب حرف و حکایت سے کہو عشق اللہ

حضرت سلیم چشتی

ہیں دو جہاں کے سلطاں، حضرت سلیم چشتی
عالم کے دین وایماں، حضرت سلیم چشتی
سردفترِ مسلماں، حضرت سلیم چشتی
مقبولِ خاصِ یزداں، حضرت سلیم چشتی
سردارِ ملکِ عرفاں، حضرت سلیم چشتی

بُرجِ اسد کی رونق، عرشِ بریں کے تارے
گلزارِ دیں کے گُل بُن، اللہ کے سنوارے
یہ بات جان و دل سے کہتے ہیں سب پکارے
تم وہ ولی ہو برحق، جو فیض ہے تمہارے
عالم ہے باغ و بستاں، حضرت سلیم چشتی

پُشت و پناہ ہو تم ہر اک شہ و گدا کے
محتاج ہیں تمہاری اک لطف کی نگہ کے
منزل پہ آکے پہنچے سالک تمہاری رہ کے
خاکِ قدم تمہاری در چشم مہر و مہ کے
ہو روشنی کے ساماں، حضرت سلیم چشتی

عالم ہے سب معطّر تیرے کرم کی بُو سے
حرمت ہے دوستوں کو حضرت، تمہارے رو سے
یہ چاہتا ہوں اب میں تو دل کی آرزو سے
رکھیو نظیر کو تم دو جگ میں آبرو سے
اے موجدِ ہر احساں، حضرت سلیم چشتی

گُرو نانک شاہ

ہیں کہتے نانک شاہ جنھیں، وہ پورے ہیں آگاہ گُرو
وہ کامل رہ ہر جگ میں ہیں، یوں روشن، جیسے ماہ گُرو
مقصود، مراد، امیّد، سبھی بر لاتے ہیں دل خواہ گُرو
نِت لطف وکرم سے کرتے ہیں ہم لوگوں کا نِر باہ گُرو
اِس بخشش کے، اِس عظمت کے، ہیں بابا نانک شاہ گُرو
سب سیس نوا اَر داس کرو، اور ہر دم بولو، واہ گُرو

ہر آن دلوں وِچ یاں اپنے جو دھیان گُرو کا لاتے ہیں
اور سیوک ہو کر اُن کے ہی ہر صورت بیچ کہاتے ہیں
گر اپنی لطف و عنایت سے سُکھ چین اُنھیں دکھلاتے ہیں
خوش رکھتے ہیں ہر حال اُنھیں، سب تن کا کاج بناتے ہیں
اِس بخشش کے، اِس عظمت کے، ہیں بابا نانک شاہ گُرو
سب سیس نوا اَر داس کرو، اور ہر دم بولو، واہ گُرو

دن رات جنھوں نے یاں دل وِچ ہے یادِ گرو سے کام لیا
سب من کے مقصد بھر پائے، خوش وقتی کا ہنگام لیا
دُکھ درد میں اپنے دھیان لگا، جس وقت گرو کا نام لیا
پل بیچ گرو نے آن اُنھیں خوش حال کیا اور تھام لیا

اِس بخشش کے، اِس عظمت کے، ہیں بابا نانک شاہ گرُو
سب سیس نوا اَرداس کرو، اور ہر دم بولو، واہ گرُو

یاں جو جو دل کی خواہش کی کچھ بات گرو سے کہتے ہیں
وہ اپنے لطف و شفقت سے نت ہاتھ اُنھوں کے گہتے ہیں
دُکھ دور اُنھوں کے ہوتے ہیں، ہر سُکھ سے جگ میں رہتے ہیں
الطاف سے اُن کے خوش ہو کر، سب خوبی سے یہ کہتے ہیں
اِس بخشش کے، اِس عظمت کے، ہیں بابا نانک شاہ گرُو
سب سیس نوا اَرداس کرو، اور ہر دم بولو، واہ گرُو

جو ہر دم اُن سے دھیان لگا، اُمید کرم کی دھرتے ہیں
وہ اُن پر لطف و عنایت سے ہر آن توجّہ کرتے ہیں
اسباب خوشی اور خوبی کے گھر بیچ اُنھوں کے بھرتے ہیں
آنند، عنایت کرتے ہیں، سب من کی چنتا ہرتے ہیں
اِس بخشش کے، اِس عظمت کے، ہیں بابا نانک شاہ گرُو
سب سیس نوا اَرداس کرو، اور ہر دم بولو، واہ گرُو

حضرت سلیم چشتی کا عُرس

ذکر کیا یاں گُنہ کی زشتی کا
ہے یہ مجمع نکو سرشتی کا
فخر ہے حرفِ سرنوشتی کا
بحر ہے عارفوں کی کشتی کا
رشک ہے گلشنِ بہشتی کا
عرس حضرت سلیم چشتی کا

پھول پھولے ہیں فیض کے دل خواہ
باغِ جنّت ہے آج یہ درگاہ
دل میں کہتا ہے دم بہ دم واللہ
دیکھ رضواں، بہاریاں کی، واہ
رشک ہے گلشنِ بہشتی کا
عرس حضرت سلیم چشتی کا

ابرِ رحمت کا نور برسے ہے
یہ تجلّی نہ سیم و زر سے ہے
اور اشارہ یہی نظر سے ہے
حُور و غلماں کی روح ترسے ہے
رشک ہے گلشنِ بہشتی کا
عرس حضرت سلیم چشتی کا

گھر مکاں ہے گُلوں سے مالا مال
بس کہ خلقت بھری ہے لالوں لال
بھیڑ، غل، شور، اور یہ قال مقال
حُسن، راگ اور مشائخوں کے حال
رشک ہے گلشنِ بہشتی کا
عرس حضرت سلیم چشتی کا

کتنے جھرمٹ میں جا نہاتے ہیں
کتنے درگہ میں فیض اُٹھاتے ہیں

کتنے نذر و نیاز لاتے ہیں کتنے خوش ہو یہی سُناتے ہیں
رشک ہے گلشنِ بہشتی کا
عُرس حضرت سلیم چشتی کا

بھیڑ، انبوہ، خلق کی تکثیر بادشاہ و گدا و میر و وزیر
طفل و پیر و جواں، غریب و فقیر پر سبھوں کی زباں پہ یہ تقریر
رشک ہے گلشنِ بہشتی کا
عُرس حضرت سلیم چشتی کا

کتنے واں سیم تن بھی پھرتے ہیں غنچہ لب، گُل بدن بھی پھرتے ہیں
شوخ گُل پیرہن بھی پھرتے ہیں دل رُبا، دل شکن بھی پھرتے ہیں
رشک ہے گلشنِ بہشتی کا
عُرس حضرت سلیم چشتی کا

کتنے نظروں سے زخمی ہوتے ہیں کتنے دل اپنا مفت کھوتے ہیں
کتنے اُلفت کے تخم بوتے ہیں کتنے موتی کھڑے پروتے ہیں
رشک ہے گلشنِ بہشتی کا
عُرس حضرت سلیم چشتی کا

بلدیو جی کا میلا

رنگ ہے، روپ ہے، جھمیلا ہے
زور بلدیو جی کا میلا ہے
ہے کہیں یار اور کہیں اغیار کہیں عاشق ہے، اور کہیں دل دار

کہیں بستی ہے اور کہیں گُل زار — کہیں جنگل ہے، اور کہیں بازار
وہی بھگتی ہے اور وہی اوتار — اُس کی لیلائیں کس سے ہوں اظہار
آپ آتا ہے دیکھنے کو بہار — آپ کہتا ہے یوں پُکار پُکار

رنگ ہے، روپ ہے، جھمیلا ہے
زور بلدیو جی کا میلا ہے

آج میلے کا یاں جو ہے سامان — آئے ہیں دُور دُور سے انسان
کوئی درشن، کوئی دعائیں مان — سب کی ہوتی ہیں مشکلیں آسان
ہر طرف کھِل رہے گل و ریحان — ہار، بدھی، مٹھائی اور پکوان
بھیڑ، انبوہ، غل، دُکان دُکان — اور یہی شور ہر گھڑی، ہر آن

رنگ ہے، روپ ہے، جھمیلا ہے
زور بلدیو جی کا میلا ہے

اِتنے لوگوں کے ٹھٹھ لگے ہیں آ — جو کہ تِل دھرنے کی نہیں ہے جا
لے کے مندر سے، دو دو کوس لگا — باغ و بَن بھر رہے ہیں سب ہر جا
ہیں ہزاروں بساطی اور سودا — لاکھوں بکتے ہیں گہنے اور مالا
بھیڑ، انبوہ اور دھرم دھکا — جس طرف دیکھیے آہا ہا ہا

رنگ ہے، روپ ہے، جھمیلا ہے
زور بلدیو جی کا میلا ہے

ہیں ہزاروں ہی جنس کے ہٹّے — موتی، مونگا، اور آرسی، بٹّے
پیڑے، لڈّو، جلیبی اور گٹّے — کولے، نارنگی، سنگترے، کھٹّے
کوئی تو کر رہا ہے چھل بٹّے — کوئی چڑھاتا ہے کھیر کے چھٹّے
پُر ہیں مندر کے کوٹھے اور اٹّے — بوڑھے، لڑکے، جوان اور کٹّے

رنگ ہے، روپ ہے، جھمیلا ہے
زور بلدیو جی کا میلا ہے

لوگ چاروں طرف کے آتے ہیں　　آ کے عیش و طرب مناتے ہیں
دل سے سب درشنوں کو جاتے ہیں　　اپنے دل کی مراد پاتے ہیں
جھانجھ، مردنگ، دف بجاتے ہیں　　راس منڈل بھجن سُناتے ہیں
دل میں پھولے نہیں سماتے ہیں　　سب یہ ہنس ہنس کے کہتے جاتے ہیں

رنگ ہے، روپ ہے، جھمیلا ہے
زور بلدیو جی کا میلا ہے

ہر طرف گُل بدن رنگیلے ہیں　　تنک پلک، غنچہ لب، سجیلے ہیں
بات کے ترچھے اور کٹیلے ہیں　　دل کے لینے کو سب ہٹیلے ہیں
خشک، تر، نرم، سوکھے، گیلے ہیں　　ٹیڑھے، بَل دار، اور نکیلے ہیں
جوڑے بھی سُرخ، سبز، پیلے ہیں　　پیار، الفت، بہانے، حیلے ہیں

رنگ ہے، روپ ہے، جھمیلا ہے
زور بلدیو جی کا میلا ہے

ناچ اور راگ کے کھڑاکے ہیں　　گھنگرو اور تال کے جھناکے ہیں
نقلیں، قصّے، کہانی، ساکے ہیں　　کھنڈ، دُہرے، کبت، کتھا کے ہیں
کہیں آغوش کے لپاکے ہیں　　کہیں بوسوں کے شوجھپاکے ہیں
تھرتھری، دانت پر کڑاکے ہیں　　تِس پہ جاڑے کے شوجھڑاکے ہیں

رنگ ہے، روپ ہے، جھمیلا ہے
زور بلدیو جی کا میلا ہے

صحن مندر کا سب سے ہے اعلا　　اُس کا گنبد ہے عالمِ بالا

ہو رہا جھانکیوں کا اُجیالا | پردے جیسے ہیں چاند پر ہالا
ہے کوئی درشنوں کا متوالا | کوئی جپتا ہے دھیان میں مالا
کوئی ڈنڈوتیں کر رہا لالا | کوئی تجے تجے کرے ہمدھن والا

رنگ ہے، روپ ہے، جھمیلا ہے
زور بلدیو جی کا میلا ہے

ہے جو مندر میں آپ وہ لالن | ہر گھڑی میں بدل رہے ہیں برن
نئی پوشاک اور نئے بھوجن | نئی جھانکی ہے اور نئے درشن
آرتی کی کہیں مچی ٹھن ٹھن | کہیں گھنٹوں کی ہو رہی چھن چھن
تال، مردنگ، جھانجھ کی جھن جھن | خاص پرشاد، مصری اور ماکھن

رنگ ہے، روپ ہے، جھمیلا ہے
زور بلدیو جی کا میلا ہے

کوئی چنچل چلے ہے ٹھمکی چال | کچھ وہ پتلی کمر، وہ لمبے بال
آنکھوں میں حُسن کے نشے، رنگ لال | مصری ماکھن کے ہاتھوں اوپر تھال
کچھ وہ پوشاک، کچھ وہ حسن و جمال | مالنوں کا زیادہ اُن سے کمال
ڈال دیں ہار کا گلے میں جال | بدھی ہو کر، لیں صاف دل کو نکال

رنگ ہے، روپ ہے، جھمیلا ہے
زور بلدیو جی کا میلا ہے

لاکھوں بیٹھے بساطی اور منہار | اپنا سب گرم کر رہے بازار
چوڑی، بنگڑی کی اک طرف جھنکار | نوگرھی، پوتھ، انگوٹھی، چھلّے، ہار
ٹوٹے پڑتے گنواری اور گنوار | جس گنواری کو چلیے دھکّا مار
گر کے دے گالی، یوں کہے ہے پکار | "کیسو اٹھلا چلے ہے داڑھی جار"

رنگ ہے، روپ ہے، جھمیلا ہے
زور بلدیو جی کا میلا ہے

سیکڑوں رنگ رنگ کی چھڑیاں — پھول گیندوں کے، ہار کی لڑیاں
کہیں چھوٹیں انار، پھل جھڑیاں — کہیں کھلتی ہیں دل کی گل جھڑیاں
کہیں الفت سے انکھڑیاں لڑیاں — کہیں باہیں گلے میں ہیں پڑیاں
عیش و عشرت کی لُٹ رہی دھڑیاں — دال موٹھیں، منگوچھی اور بڑیاں

رنگ ہے، روپ ہے، جھمیلا ہے
زور بلدیو جی کا میلا ہے

لگ رہی بھیڑ اس قدر ٹھٹھ ہو — راہ آگے کو اور نہ پیچھے کو
جو جہاں تھا، وہیں پھنسا پھر وہ — جس کو کھینچے ہیں، گر پڑے ہے سو
بیٹھے کہتے ہیں کھا کے دھکوں کو: — "جے مہاراج، رام رام بھجو"
اور گنوار دل پکار کر ہو ہو! — اب تو لٹھ وار دے ہے لگانے کو

رنگ ہے، روپ ہے، جھمیلا ہے
زور بلدیو جی کا میلا ہے

کیا مچی ہے بہار، جے بلدیو — عیش کے کاروبار، جے بلدیو
دھوم لیل و نہار، جے بلدیو — ہر کہیں آشکار، جے بلدیو
ہر زباں پر ہزار، جے بلدیو — دم بہ دم یادگار، جے بلدیو
کہ نظیر اب پکار، جے بلدیو — سب کہو ایک بار، جے بلدیو

رنگ ہے، روپ ہے، جھمیلا ہے
زور بلدیو جی کا میلا ہے

شب برات

کیوں کر کرے نہ اپنی نموداری شب برات   چلپک، چپاتی، حلوے سے ہے بھاری شب برات
زندوں کی ہے زباں کی مزے داری شب برات   مُردوں کی رُوح کی ہے مددگاری شب برات
لگتی ہے سب کے دل کو غرض پیاری شب برات

شکّر کا جن کے حلوا ہوا، وہ تو پورے ہیں   گُڑ کا ہوا ہے جن کے، وہ اُن سے ادھورے ہیں
شکّر نہ گُڑ کا جن کے، وہ پرکٹ لنڈورے ہیں   اوروں کے میٹھے حلوے چپاتی کو گھورے ہیں
اُن کی نہ آدھی یاد، نہ کچھ ساری شب برات

دنیا کی دولتوں میں جو زردار ہیں بڑے   قندوں کے حلوے، روغنی نانیں لیے کھڑے
پہنچاتے خوان پھرتے ہیں نوکر کئی پڑے   زندے بھی راہ تکتے ہیں، مُردے بھی ہیں کھڑے
اِن خوبیوں کی رکھتی ہے تیّاری شب برات

اور مفلسوں کی ہے یہ، تمنّا کی فاتحہ   دریا پہ جا کے دیتے ہیں بابا کی فاتحہ
بھٹیاری کے تنور پہ، نانا کی فاتحہ   حلوائی کی دُکان پہ، دادا کی فاتحہ
یاں تک تو اُن پہ لاتی ہے ناچاری شب برات

مُلّا جو دینے فاتحہ گھر گھر میں جاتے ہیں   حلوا کہیں، کہیں وہ چپاتی اُڑاتے ہیں
مفلس کوئی بُلاوے تو مُنہ کو چھپاتے ہیں   شکّر کا حلوا سنتے ہی، بس دوڑے جاتے ہیں
کہتے ہوئے یہ دل میں، آہا ہاری شب برات

گھن چکّر اپنے دم میں کہیں چرخ کھاتے ہیں   ٹوٹنے، ہوائی سنگ کہیں قہقہاتے ہیں

زینبیٹ زپٹ ، پٹاخے کہیں غل مچاتے ہیں — لڑکوں کے باندھ غول، کہیں لڑنے جاتے ہیں

کرتی ہے پھر تو ایسی دھواں دھاری شب برات

اگر کسی کے سر پہ چھچھوندر لگی کڑی — اوپر سے اور ہوائی کی آکر پڑی چھڑی

ہو گئی گلے کا ہار، پٹاخے کی ہر لڑی — پاؤں سے لپٹی شور مچا کر قلم تڑی

کرتی ہے پھر تو ایسی ستم گاری شب برات

چہرہ کسی کا جل گیا، آنکھیں جھلس گئیں — چھاتی کسی کی جل گئی، باہیں جھلس گئیں

ٹانگیں بچیں کسی کی، تو رانیں جھلس گئیں — مونچھیں کسی کی پھنک گئیں، پلکیں جھلس گئیں

رکھے کسی کی داڑھی پہ چنگاری شب برات

کوئی دوستوں کو دل میں سمجھتا ہے اپنے غیر — کوئی دشمنوں سے دل کا نکالے ہے اپنا بیر

کہتا ہے واں نظیر بھی آتش کی دیکھ سیر — یارب! تو سب کی کیجیو برسا برس کی خیر

بے طرح کر رہی ہے نمو داری شب برات

عید الفطر

ہے عابدوں کو طاعت و تجرید کی خوشی — اور زاہدوں کو زہد کی تمہید کی خوشی

رند عاشقوں کو ہے کئی امید کی خوشی — کچھ دلبروں کے وصل کی، کچھ دید کی خوشی

ایسی نہ شب برات، نہ بقر بد کی خوشی

جیسی ہر ایک دل میں ہے اس عید کی خوشی

روزے کی خشکیوں سے جو ہیں زرد زرد گال — خوش ہو گئے وہ، دیکھتے ہی عید کا ہلال

پوشاکیں تن میں زرد، سنہری، سفید، لال — دل کیا کہ ہنس رہا ہے پڑا تن کا بال بال

ایسی نہ شب برات، نہ بقرید کی خوشی
جیسی ہر ایک دل میں ہے اِس عید کی خوشی

پچھلے پہر سے اُٹھ کے نہانے کی دھوم ہے — شیر و شکر سویّاں پکانے کی دھوم ہے
پیر و جواں کو نعمتیں کھانے کی دھوم ہے — لڑکوں کو عیدگاہ کے جانے کی دھوم ہے

ایسی نہ شب برات، نہ بقرید کی خوشی
جیسی ہر ایک دل میں ہے اِس عید کی خوشی

کوئی تو مست پھرتا ہے جامِ شراب سے — کوئی پکارتا ہے کہ چھوٹے عذاب سے
کلّا کسی کا پھولا ہے لڈو کی چاب سے — چٹکاریں جی میں بھرتے ہیں نان و کباب سے

ایسی نہ شب برات، نہ بقرید کی خوشی
جیسی ہر ایک دل میں ہے اِس عید کی خوشی

کیا ہی معانقے کی مچی ہے اُلٹ پلٹ — مِلتے ہیں دوڑ دوڑ کے باہم جھپٹ جھپٹ
پھرتے ہیں دل بروں کے بھی گلیوں میں غٹ کے غٹ — عاشق مزے اڑاتے ہیں ہر دم لپٹ لپٹ

ایسی نہ شب برات، نہ بقرید کی خوشی
جیسی ہر ایک دل میں ہے اِس عید کی خوشی

کاجل، حنا، غضب مسی و پان کی دھڑی — پشوازیں سُرخ، سوسنی، لاہی کی، پھُلجھڑی
کُرتی کبھی دکھا، کبھی انگیا کسی کڑی — کہ "عید عید" لُوٹے ہیں دل کو گھڑی گھڑی

ایسی نہ شب برات، نہ بقرید کی خوشی
جیسی ہر ایک دل میں ہے اس عید کی خوشی

جو جو کہ اُن کے حسن کی رکھتے ہیں دل سے چاہ — جاتے ہیں اُن کے ساتھ لگے تا بہ عیدگاہ
توپوں کے شور، اور دوگانوں کی رسم و راہ — میانے، کھلونے، سیر، مزے، عیش، واہ واہ

ایسی نہ شب برات، نہ بقرید کی خوشی
جیسی ہر ایک دل میں ہے اِس عید کی خوشی

روزوں کی سختیوں میں نہ ہوتے اگر اسیر
تو ایسی عید کی نہ خوشی ہوتی دل پذیر
سب شاد ہیں، گدا سے لگا شاہ تا وزیر
دیکھا جو ہم نے خوب تو سچ ہے میاں نظیرؔ
ایسی نہ شب برات، نہ بقرید کی خوشی
جیسی ہر ایک دل میں ہے اِس عید کی خوشی

بسنت

جب[۱] پھول کا سرسوں کے ہوا آ کے کھِلنتا
اور عیش کی نظروں سے نگاہوں کا لڑنتا
ہم نے بھی دل اپنے کے تئیں کر کے نچنتا
اور ہنس کے کہا یار سے، اے لُکڑ بھُونتا
سب کی تو بسنتیں ہیں، پہ یاروں کا بسنتا

اک پھول کا گیندوں کے منگا یار سے بجرا
دس من کا لیا ہار گندھا، آٹھ کا گجرا
جب آنکھ سے سورج کی ڈھلا رات کا کجرا
جا یار سے مل کر یہ کہا، اے مرے رجرا
سب کی تو بسنتیں ہیں، پہ یاروں کا بسنتا

تھے اپنے گلے میں تو کئی من کے پڑے ہار
اور یار کے گجرے بھی تھے اک دھون کی مقدار
آنکھوں میں نشے مے کے اُبلتے تھے دُھواں دھار
جو سامنے آتا تھا، یہی کہتے تھے للکار
سب کی تو بسنتیں ہیں، پہ یاروں کا بسنتا

---

[۱] یہ نظم آزادوں کے لہجے میں لکھی گئی ہے، اسی واسطے ہر جگہ کھڑی بولی ہے۔ کھِلنتا، لڑنتا، نچنتا، بسنتا، راجہ کی جگہ رجرا۔ (شہباز)

پگڑی میں ہماری تھے جو گیندوں کے کئی پیڑ
ہر جھونک میں لگتی تھی بسنتوں کے تئیں ایڑ
ساقی نے بھی مٹکے سے دیا منہ کے تئیں بھیڑ
ہر بات میں ہوتی تھی اِسی بات کی آچھیڑ
سب کی تو بسنتیں ہیں، پہ یاروں کا بسنتا

پھر راگ بسنتی کا ہوا آن کے کھٹکا
دھونسے کے برابر وہ لگا باجنے مٹکا
دل کھیت میں سرسوں کے ہر اک پھول سے اٹکا
ہر بات میں ہوتا تھا اِسی بات کا لٹکا
سب کی تو بسنتیں ہیں، پہ یاروں کا بسنتا

خوش بیٹھے ہیں سب شاہ و وزیر آج، اہاہا
دل شاد ہیں ادنا و فقیر آج، اہاہا
بُلبُل کی نکلتی ہے صفیر آج، اہاہا
کہتا یہی پھرتا ہے نظیر آج، اہاہا
سب کی تو بسنتیں ہیں، پہ یاروں کا بسنتا

بسنت

مل کر صنم سے اپنے ہنگام دل کشائی
ہنس کر کہا یہ ہم نے "اے جاں، بسنت آئی"
سنتے ہی اُس پری نے گُل گُل شگفتہ ہو کر
پوشاک زر فشانی اپنی وُہیں رنگائی
جب رنگ کے آئی اُس کی پوشاکِ پُر نزاکت
سرسوں کی شاخ پُر گُل پھر جلد اک منگائی
اک پنکھڑی اُٹھا کر نازک سی انگلیوں میں
رنگت پھر اُس کی اپنی پوشاک سے ملائی
جس دم کیا مقابل کسوت سے اپنی اس کو
دیکھا تو اُس کی رنگت اُس پر ہوئی سوائی
پھر تو بہ صد مسرت اور سو نزاکتوں سے
نازک بدن پر اپنے پوشاک وہ کھپائی
بن ٹھن کے اِس طرح سے پھر راہ لی چمن کی
دیکھی بہارِ گلشن بہرِ طرب فزائی
جس جس روش کے اوپر جا کر ہوا نمایاں
کس کس روِش سے اپنی آن و ادا دکھائی

کیا کیا بیاں ہو جیسے چمکی چمن چمن میں
وہ زرد پوشی اُس کی، وہ طرزِ دل رُبائی
صد برگ نے صفت کی، نرگس نے بے تامّل
لکھنے کو وصف اُس کا، اپنی قلم اُٹھائی
پھر صحن میں چمن کے آیا بہ حسن و خوبی
اور طُرفہ تر بسنتی ایک انجمن بنائی
اُس انجمن میں بیٹھا جب ناز و تمکنت سے
گُل دستہ اُس کے آگے ہنس ہنس بسنت لائی
کی مطربوں نے خوش خوش آغاز نغمہ سازی
ساقی نے جامِ زرّیں بھر بھر کے مے پلائی
دیکھ اُس کو اور محفل اُس کی، نظیرؔ، ہر دم
کیا کیا بسنت آ کر اُس وقت جگمگائی

ہولی

پھر آن کے عشرت کا مچا ڈھنگ زمیں پر
اور عیش نے عرصہ ہے کیا تنگ زمیں پر
ہر دل کو خوشی کا ہوا آہنگ زمیں پر
ہوتا ہے کہیں راگ، کہیں رنگ زمیں پر
بجتے ہیں کہیں تال، کہیں زنگ زمیں پر
ہولی نے مچایا ہے عجب رنگ زمین پر
گھنگرو کی پڑی آن کے پھر کان میں جھنکار
سارنگی ہوئی، بین، طنبوروں کی مددگار
طبلوں کے کھڑکے طبل، یہ سازوں کے بجے تار
راگوں کے کہیں غل، کہیں ناچوں کے بندھے تار
ڈھولک، کہیں جھنکارے ہے مردنگ زمیں پر
ہولی نے مچایا ہے عجب رنگ زمیں پر
مستی میں اُٹھا آنکھ جدھر دیکھو، اہاہا
ناچے ہے طوائف، کہیں مٹکے ہے بھوَیّا
چلتے ہیں کہیں جام، کہیں سوانگ کا چرچا
اور رنگ کو گلیوں میں جو دیکھو تو ہر اک جا

بہتی ہیں اُمنڈ کر جمن و گنگ زمیں پر
ہولی نے مچایا ہے عجب رنگ زمیں پر

معمور ہیں خوباں سے گلی، کوچۂ و بازار
اڑتا ہے اَبیر، اور کہیں پچکاری کی ہے مار
چھایا ہے گلالوں کا ہر اک جا پہ دھواں دھار
پڑتی ہے، جدھر دیکھو اُدھر، رنگ کی بوچھار
ہے رنگ چھڑکنے سے ہر اک دنگ زمیں پر
ہولی نے مچایا ہے عجب رنگ زمیں پر

بھاگے ہے کہیں، رنگ کسی پر جو کوئی ڈال
وہ پوٹلی مارے ہے اُسے دوڑ کے فی الحال
یہ ٹانگ گھسیٹے ہے، تو وہ کھینچے پکڑ بال
وہ ہاتھ مروڑے، تو یہ توڑے ہے کھڑا گال
اِس ڈھب کے ہر اک جا پہ مچے ڈھنگ زمیں پر
ہولی نے مچایا ہے عجب رنگ زمیں پر

بیٹھے ہیں سب آپس میں نہیں ایک بھی کڑوا
پچکاری اُٹھا کر کوئی جھمکا دے ہے کھڑوا
بھرتے ہیں کہیں عشق، کہیں رنگ کا گڑوا
کیا شاد وہ ہوتا ہے، جسے کہتے ہیں بھڑوا
سُننے میں یہاں تک نہیں اب ننگ زمیں پر
ہولی نے مچایا ہے عجب رنگ زمیں پر

ہولی کی نظیر اب جو بہاریں ہیں، اہا ہا
محبوب رنگیلوں کی قطاریں ہیں، اہا ہا
کپڑوں پہ جمی رنگ کی دھاریں ہیں، اہا ہا
سب "ہولی ہے ہولی" ہی پکارے ہیں، اہا ہا
کیا عیش ہے، کیا رنگ ہے، کیا ڈھنگ، زمیں پر
ہولی نے مچایا ہے عجب رنگ زمیں پر

ہولی

آ جھمکے عیش و طرب کیا کیا، جب حُسن دکھایا ہولی نے
ہر آن خوشی کی دھوم ہوئی، یوں لُطف جتایا ہولی نے
ہر خاطر کو خرُسند کیا، ہر دل کو لُبھایا ہولی نے
دَف رنگیں نقش سنہری کا جس وقت بجایا ہولی نے
بازار گلی اور کوچوں میں غل شور مچایا ہولی نے

یا سوانگ کہوں، یا رنگ کہوں، یا حُسن بتاؤں ہولی کا
سب ابَرن تن پر جھمک رہا، اور کیسر کا ماتھے ٹیکا
ہنس دینا ہر دم ناز بھرا، دکھلانا سج دھج شوخی کا
ہر گالی مصری، قند بھری، ہر ایک قدم اٹکھیلی کا
دل شاد کیا اور موہ لیا، یہ جوبن پایا ہولی نے

کچھ طبلے کھٹکے، تال بجے، کچھ ڈھولک اور مردنگ بجی
کچھ جھڑپیں بین، ربابوں کی، کچھ سارنگی اور چنگ بجی
کچھ تار طنبوروں کے جھنکے، کچھ ڈھمڈھمی اور منہ چنگ بجی
کچھ گھنگرو کھٹکے جھم جھم جھم، کچھ گت گت پر آہنگ بجی
ہے ہر دم ناچنے گانے کا یہ تار بندھایا ہولی نے

ہر جا گہ تھال گلالوں سے، خوش رنگت کی گل کاری ہے
اور ڈھیر ابیروں کے لاگے، سو عشرت کی تیاری ہے

ہیں راگ بہاریں دکھلاتے، اور رنگ بھری پچکاری ہے
مُنہ سرخی سے گُل نار ہوئے، تن کیسر کی سی کیاری ہے
یہ روپ جھمکتا دکھلایا، یہ رنگ دکھایا ہولی نے

ہر آن خوشی سے آپس میں سب ہنس ہنس رنگ چھڑکتے ہیں
رخسار، گُلالوں سے گُل گوں، کپڑوں سے رنگ ٹپکتے ہیں
کچھ راگ اور رنگ جھمکتے ہیں، کچھ مَے کے جام چھلکتے ہیں
کچھ کودے ہیں، کچھ اُچھلے ہیں، کچھ ہنستے ہیں، کچھ بکتے ہیں
یہ طور، یہ نقشا عشرت کا، ہر آن بنایا ہولی نے

ہولی کی بہاریں

جب پھاگن رنگ جھمکتے ہوں، تب دیکھ بہاریں ہولی کی
اور دَف کے شور کھڑکتے ہوں، تب دیکھ بہاریں ہولی کی
پریوں کے رنگ دمکتے ہوں، تب دیکھ بہاریں ہولی کی
خُم، شیشے، جام جھلکتے ہوں، تب دیکھ بہاریں ہولی کی
محبوب نشے میں چھکتے ہوں، تب دیکھ بہاریں ہولی کی

ہو ناچ رنگیلی پریوں کا، بیٹھے ہوں گُل رُو رنگ بھرے
کچھ بھیگی تانیں ہولی کی، کچھ ناز و ادا کے ڈھنگ بھرے
دل بھولے دیکھ بہاروں کو، اور کانوں میں آہنگ بھرے
کچھ طبلے کھڑکیں رنگ بھرے، کچھ عیش کے دم مُنہ چنگ بھرے
کچھ گھنگرو، تال چھنکتے ہوں، تب دیکھ بہاریں ہولی کی

سامان جہاں تک ہوتا ہے اِس عشرت کے مطلوبوں کا
وہ سب سامان مہیّا ہو، اور باغ کھِلا ہو خوبوں کا
ہر آن شرابیں ڈھلتی ہوں، اور ٹھٹھ ہو رنگ کے ڈوبوں کا
اِس عیش مزے کے عالم میں، ایک غول کھڑا محبوبوں کا
کپڑوں پر رنگ چھڑکتے ہوں، تب دیکھ بہاریں ہولی کی

گل زار کھِلے ہوں پریوں کے، اور مجلس کی تیّاری ہو
کپڑوں پر رنگ کے چھینٹوں سے خوش رنگ عجب گل کاری ہو
مُنہ لال، گلابی آنکھیں ہوں، اور ہاتھوں میں پچکاری ہو
اُس رنگ بھری پچکاری کو، انگیا پر تک کر ماری ہو
سینوں سے رنگ ڈھلکتے ہوں، تب دیکھ بہاریں ہولی کی

اُس رنگ رنگیلی مجلس میں، وہ رنڈی ناچنے والی ہو
مُنہ جس کا چاند کا ٹکڑا ہو، اور آنکھ بھی مَے کی پیالی ہو
بدمست بڑی متوالی ہو، ہر آن بجاتی تالی ہو
مَے نوشی ہو، بے ہوشی ہو، "بھڑوے" کی مُنہ میں گالی ہو
بھڑوے بھی، بھڑوا بکتے ہوں، تب دیکھ بہاریں ہولی کی

اور ایک طرف دل لینے کو محبوب بھَوَیّوں کے لڑکے
ہر آن گھڑی گت بھرتے ہوں، کچھ گھٹ گھٹ کے کچھ بڑھ بڑھ کے
کچھ ناز جتاویں لڑ لڑ کے، کچھ ہولی گاویں اَڑ اَڑ کے
کچھ لچکے شوخ کمر پتلی، کچھ ہاتھ چلے، کچھ تن پھڑکے
کچھ کافر نَین مٹکتے ہوں، تب دیکھ بہاریں ہولی کی

یہ دھوم مچی ہو ہولی کی، اور عیش مزے کا جھکڑ ہو

اُس کھینچا کھینچ گھسیٹی اُپر، بھڑوے رنڈی کا پھکڑّ ہو
معجون، شرابیں، ناپح، مزہ، اور ٹکیا، سُلفا، کگڑ ہو
لڑ بھڑ کے نظیرؔ بھی نکلا ہو، کیچڑ میں لتھڑّ پتھّڑ ہو
جب ایسے عیش مہکتے ہوں، تب دیکھ بہاریں ہولی کی

دوالی

ہر اک مکاں میں جلا پھر دِیا دوالی کا
ہر اک طرف کو اُجالا ہوا دوالی کا
سبھی کے دل میں سماں بھاگیا دوالی کا
کسی کے دل کو مزہ خوش لگا دوالی کا
عجب بہار کا ہے دن بنا دوالی کا

جہاں میں یارو عجب طرح کا ہے یہ تیوہار
کسی نے نقد لیا اور کوئی کرے ہے اُدھار
کھلونے، کھیلوں، بتاسوں کا گرم ہے بازار
ہر اک دُکاں میں چراغوں کی ہو رہی ہے بہار
سبھوں کو فکر ہے اب جا بہ جا دوالی کا

مٹھائیوں کی دُکانیں لگا کے حلوائی
پکارتے ہیں کہ "لالا! دوالی ہے آئی"
بتاسے لے کوئی، برفی کسی نے تُلوائی
کھلونے والوں کی اُن سے زیادہ بن آئی
گویا اُنھوں کے واں راج آگیا دوالی کا

سِرف حرام کی کوڑی کا جن کا ہے بیوپار
اُنھوں نے کھایا ہے اِس دن کے واسطے ہی اُدھار
کہے ہیں ہنس کے قرض خواہ سے ہر اک، اک بار
"دوالی آئی ہے، سب دے چلائیں گے اے یار
خدا کے فضل سے ہے آسرا دوالی کا"

مکان لیپ کے، ٹھلیا جو کوری رکھوائی
جلا چراغ کو، کوڑی وہ جلد جھنکائی

اُصل جواری تھے، اُن میں تو جان سی آئی — خوشی سے کود اُچھل کر پکارے "او بھائی!

شگون پہلے کرو تم ذرا دوالی کا"

کسی نے گھر کی حویلی گرو رکھا ہاری — جو کچھ تھی جنس میسّر، بنا بنا ہاری
کسی نے چیز کسی کی چُرا چھپا، ہاری — کسی نے گٹھری پڑوسن کی اپنی لا ہاری

یہ ہار جیت کا چرچا پڑا دوالی کا

جہاں میں یہ جو دوالی کی سیر ہوتی ہے — تو زر سے ہوتی ہے، اور زر بغیر ہوتی ہے
جو ہارے، اُن پہ خرابی کی فیر ہوتی ہے — اور اُن میں آن کے جن جن کی خیر ہوتی ہے

تو آڑے آتا ہے اُن کے دِیا دوالی کا

یہ باتیں سچ ہیں، نہ جھوٹ اِن کو جانیو یارو — نصیحتیں ہیں، اِنھیں دل میں ٹھانیو یارو
جہاں کو جاؤ، یہ قصہ بکھانیو یارو — جو جُواری ہو، نہ بُرا اُس کا مانیو یارو.

نظیرؔ آپ بھی ہے جُوار یا دوالی کا

راکھی

چلی آتی ہے اب تو ہر کہیں بازار کی راکھی
سُنہری، سبز ریشم، زرد اور گل نار کی راکھی
بنی ہے گو کہ نادر خوب، ہر سر دار کی راکھی
سلونوں میں عجب رنگیں ہے اُس دل دار کی راکھی

نہ پہنچے ایک گُل، لو یار جس گلزار کی راکھی

عیاں ہے اب تو راکھی بھی، چمن بھی، گُل بھی، شبنم بھی
جھمک جاتا ہے موتی، اور جھلک جاتا ہے ریشم بھی

تماشا ہے اہا ہا، غنیمت ہے یہ عالم بھی
اُٹھانا ہاتھ پیارے، واہ وا، ٹک دیکھ لیں ہم بھی
تمھاری موتیوں کی، اور زری کے تار کی راکھی

مچی ہے ہر طرف کیا کیا سلونوں کی بہار اب تو
ہر اک گُل رُو، پھرے ہے راکھی باندھے ہاتھ میں، خوش ہو
ہوس جو دل میں گزرے ہے، کہوں کیا آہ میں تم کو
یہی آتا ہے جی میں، بن کے باہمن، آج تو یارو
میں اپنے ہاتھ سے پیارے کے باندھوں پیار کی راکھی

ادا سے ہاتھ اُٹھنے میں گُلِ راکھی جو ہلتے ہیں
کلیجے دیکھنے والوں کے کیا کیا آہ چھلتے ہیں
کہاں نازک یہ پہنچے اور کہاں یہ رنگ ملتے ہیں
چمن میں شاخ پر کب اِس طرح کے پھول کھلتے ہیں
جو کچھ خوبی میں ہے اُس شوخِ گُل رخسار کی راکھی

پھرے ہیں راکھیاں باندھے جو ہر دم حُسن کے تارے
تو اُن کی راکھیوں کو دیکھ، اے جان، چاو کے مارے
پہن زُنّار، اور قشقہ لگا ماتھے اُپر بارے
نظیر آیا ہے، باہمن بن کے، راکھی باندھنے پیارے
بندھا لو اُس سے تم ہنس کر اب اِس تیوہار کی راکھی

اُمس

کیا ابر کی گرمی میں گھڑی، پہر ہے اُمس — گرمی کے بڑھانے کی عجب لہر ہے اُمس
پانی سے پسینوں کے، بڑی نہر ہے اُمس — ہر باغ میں، ہر دشت میں، ہر شہر، ہے اُمس
برسات کے موسم میں نپٹ زہر ہے اُمس
سب چیز تو اچھی ہے، پر اک قہر ہے اُمس

بدلی کے جو گھر آنے سے ہوتی ہے ہوا بند — پھر بند سی گرمی وہ غضب پڑتی ہے یک چند
پھینکے کوئی پگڑی، کوئی کھولے ہے کھڑا بند — دم رُک کے، گھُلا جاتا ہے گرمی سے ہر اک بند
برسات کے موسم میں نپٹ زہر ہے اُمس
سب چیز تو اچھی ہے، پر اک قہر ہے اُمس

رُکنے سے ہوا کے جو بُرا ہوتا ہے احوال — پنکھا، کوئی آنچل، کوئی دامن، کوئی رومال
دم دھونکنے لگتا ہے لُہاروں کی گویا کھال — کچھ روح کو بے تابیاں، کچھ جان کو جنجال
برسات کے موسم میں نپٹ زہر ہے اُمس
سب چیز تو اچھی ہے، پر اک قہر ہے اُمس

ہوتی ہے اُمس جو کبھی اک رات کو آکر — کر ڈالتی ہے پھر تو قیامت ہی مقرر
ادھر تو ہوا بند، اُدھر پسّو و مچھر — پانی کوئی پیوے تو اَدَھن سے بھی وہ بدتر
برسات کے موسم میں نپٹ زہر ہے اُمس
سب چیز تو اچھی ہے، پر اک قہر ہے اُمس

جس وقت ہوا بند ہو، اور آکے گھٹا چھائے — پھر کہیے، دل اُس گرمی میں کس طرح نہ گھبرائے

اور ہو تو پسینا، جو نہ اور ہو تو غضب آئے پسّو، کبھی مچھّر، کبھی کھٹمل ہی لپٹ جائے

برسات کے موسم میں نپٹ زہر ہے اُومس
سب چیز تو اچھّی ہے، پر اک قہر ہے اُومس

گر اس میں ہوا کھُل گئی، اور پانی بھی لائی تو جی میں جی، اور جان میں کچھ جان سی آئی
اور اس میں جو پھر ہو گئی اُومس کی چڑھائی تو پھر وہی رونا، وہی غل، شور، دُہائی

برسات کے موسم میں نپٹ زہر ہے اُومس
سب چیز تو اچھّی ہے، پر اک قہر ہے اُومس

اِس رُت میں تو واللہ عجب عیش ہے دل خواہ مینہ برسے ہے، اور سرد ہوا آتی ہے ہر گاہ
جنگل بھی ہرے، گل بھی کھلے، سبز چراگاہ اُومس ہی مگر دل کو ستاتی ہے نظیرؔ، آہ

برسات کے موسم میں نپٹ زہر ہے اُومس
سب چیز تو اچھّی ہے، پر اک زہر ہے اُومس

برسات کی بہاریں

ہیں اِس ہوا میں کیا کیا برسات کی بہاریں سبزوں کی لہلہاہٹ، باغات کی بہاریں
بوندوں کی جھمجھاوٹ، قطرات کی بہاریں ہر بات کے تماشے، ہر گھات کی بہاریں

کیا کیا مچی ہیں یارو، برسات کی بہاریں

بادل ہوا کے اوپر، ہو مست، چھا رہے ہیں جھڑیوں کی مستیوں سے دھومیں مچا رہے ہیں
پڑتے ہیں پانی ہر جا، جل تھل بنا رہے ہیں گُل زار بھیگتے ہیں، سبزے نہا رہے ہیں

کیا کیا مچی ہیں یارو، برسات کی بہاریں

جنگل سب اپنے تن پر ہریالی سج رہے ہیں
گُل پھول، جھاڑ بوٹے، کر اپنی دھج رہے ہیں
بجلی چمک رہی ہے، بادل گرج رہے ہیں
اللہ کے نقارے نوبت کے بج رہے ہیں
کیا کیا مچی ہیں یارو، برسات کی بہاریں

بادل لگا ٹکوریں، نوبت کی گت لگا دیں
جھینگر جھنگار، اپنی سُرنائیاں بجا دیں
کر شور مور، بگلے، جھڑیوں کا منہ بلا دیں
پی پی کریں پپیہے، مینڈک ملاریں گا دیں
کیا کیا مچی ہیں یارو، برسات کی بہاریں

کیا کیا رکھے ہے یارب، سامان تیری قدرت
بدلے ہے رنگ کیا کیا ہر آن تیری قدرت
سب مست ہو رہے ہیں، پہچان تیری قدرت
تیتر پکارتے ہیں "سبحان تیری قدرت"
کیا کیا مچی ہیں یارو، برسات کی بہاریں

بولیں بیے، بٹیریں، قمری پکارے گو گو
پی پی کرے پپیہا، بگلے پکاریں تُو تُو
کیا ہُدہُدوں کی حق حق، کیا فاختوں کی ہُو ہُو
سب رٹ رہے ہیں تجھ کو، کیا پنکھ، کیا پکھیرو
کیا کیا مچی ہیں یارو، برسات کی بہاریں

جو خوش ہیں، وہ خوشی میں کاٹے ہیں رات ساری
جو غم میں ہیں، اُنھوں پر گزرے ہے رات بھاری
سینوں سے لگ رہی ہیں، جو ہیں پیا کی پیاری
چھاتی پھٹے ہے اُن کی، جو ہیں برہ کی ماری
کیا کیا مچی ہیں یارو، برسات کی بہاریں

جو وصل میں ہیں، اُن کے جوڑے مہک رہے ہیں
جھولوں میں جھولتی ہیں، گہنے جھمک رہے ہیں
جو دُکھ میں ہیں، سو اُن کے سینے پھڑک رہے ہیں
آہیں نکل رہی ہیں، آنسو ٹپک رہے ہیں
کیا کیا مچی ہیں یارو، برسات کی بہاریں

اب برہنوں کے اوپر ہے سخت بے قراری
ہر بوند مارتی ہے سینے اُپر کٹاری
بدلی کی دیکھ صورت کہتی ہیں باری باری
"بے ہے! نہ لی پیا نے اب تک بھی سدھ ہماری"
کیا کیا مچی ہیں یارو، برسات کی بہاریں

جب کوئل اُن کو اپنی آواز ہے سُناتی — سنتے ہی، غم کے مارے چھاتی ہے اُمڈی آتی
پی پی کی دُھن کو سُن کر، بے کل ہیں کہتی جاتی — "مت بول اے پپیہے! پھٹتی ہے میری چھاتی"
کیا کیا مچی ہیں یارو، برسات کی بہاریں

گاتی ہے گیت کوئی، جھولے پہ کر کے پھیرا — "ماروجی، آج مجھے یاں رین کا بسیرا"
ہے خوش، کسی کو آ کر ہے درد و غم نے گھیرا — مُنہ زرد، بال بکھرے، اور آنکھوں میں اندھیرا
کیا کیا مچی ہیں یارو، برسات کی بہاریں

کتنوں کو محلوں اندر ہے عیش کا نظارا — یا سایبان ستھرا، یا بانس کا اُسارا
کرتا ہے سیر کوئی، کوٹھے کا لے سہارا — مفلس بھی کر رہا ہے پولے تلے گزارا
کیا کیا مچی ہیں یارو، برسات کی بہاریں

چھت گرنے کا کسی جا غل شور ہو رہا ہے — دیوار کا بھی دھڑکا کچھ ہوش کھو رہا ہے
در در حویلی والا ہر آن رو رہا ہے — مفلس، سو جھونپڑے میں دل شاد سو رہا ہے
کیا کیا مچی ہیں یارو، برسات کی بہاریں

کوئی پکارتا ہے، لو یہ مکان ٹپکا — گرتی ہے چھت کی مٹی، اور سایبان ٹپکا
چھلنی ہوئی اٹاری، کوٹھا اندان ٹپکا — باقی تھا ایک اُسارا، سو وہ بھی آن ٹپکا
کیا کیا مچی ہیں یارو، برسات کی بہاریں

بزوں پہ بیر بھوٹی، ٹیلوں اوپر دھتورے — پسّو سے، مچھّروں سے، روئے کوئی بسورے
چھو کسی کو کاٹے، کیڑا کسی کو گھورے — آنگن میں کن سلائی، کونوں میں کھن کھجورے
کیا کیا مچی ہیں یارو، برسات کی بہاریں

نوں میں کھب رہے ہیں خوبوں کے لال جوڑے — جھمکیں دکھا رہے ہیں پریوں کے لال جوڑے
ریں بنا رہے ہیں لڑکوں کے لال جوڑے — آنکھوں میں چُھب رہے ہیں پیاروں کے لال جوڑے
کیا کیا مچی ہیں یارو، برسات کی بہاریں

اور جس صنم کے تن میں جوڑا ہے زعفرانی — گل نار، یا گلابی، یا زرد، سُرخ، دھانی
کچھ حُسن کی چڑھائی، اور کچھ نئی جوانی — جھولوں میں جھولتی ہیں، اوپر پڑے ہے پانی
کیا کیا مچی ہیں یارو، برسات کی بہاریں

کوئی تو جھولنے میں جھولے کی ڈور چھوڑے — یا ساتھیوں میں اپنے پانو سے پانو جوڑے
بادل کھڑے ہیں سر پر، برسے ہیں تھوڑے تھوڑے — بوندوں سے بھیگتے ہیں لال اور گلابی جوڑے
کیا کیا مچی ہیں یارو، برسات کی بہاریں

کتنے شراب پی کر، ہو مست جھک رہے ہیں — مے کی گلابی آگے، پیالے چھلک رہے ہیں
ہوتا ہے ناچ گھر گھر، گھنگھرو جھنک رہے ہیں — پڑتا ہے مینہ جھڑا جھڑ، طبلے کھڑک رہے ہیں
کیا کیا مچی ہیں یارو، برسات کی بہاریں

ہیں جن کے تن ملائم، میدے کی جیسے لوئی — وہ اِس ہوا میں خاصی، اُوڑھے پھرے ہیں لوئی
اور جن کی مفلسی نے شرم و حیا ہے کھوئی — ہے اُن کے سر پہ سرکی، یا بوریے کی کھوئی
کیا کیا مچی ہیں یارو، برسات کی بہاریں

جو اس ہوا میں، یارو، دولت میں کچھ بڑے ہیں — ہے اُن کے سر پہ چھتری، ہاتھی اُپر چڑھے ہیں
ہم سے غریب غربا، کیچڑ میں گر پڑے ہیں — ہاتھوں میں جوتیاں ہیں، اور پائچے چڑھے ہیں
کیا کیا مچی ہیں یارو، برسات کی بہاریں

ہے جن کنے مہیا پکا پکایا کھانا — اُن کو پلنگ پہ بیٹھے جھڑیوں کا حظ اُڑانا
ہے جن کو اپنے گھر میں یاں لون تیل لانا — ہے سر پہ اُن کے پنکھا، یا چھاج ہے پُرانا
کیا کیا مچی ہیں یارو، برسات کی بہاریں

شیشہ، کہیں گلابی، بوتل جھمک رہی ہے — رابیل، موتیا کی خوشبو مہک رہی ہے
چھاتی سے چھاتی لگ کر عشرت چھلک رہی ہے — پایلے کھنک رہے ہیں، ہنسی چہک رہی ہے
کیا کیا مچی ہیں یارو، برسات کی بہاریں

کوئی پکارتی ہے، کیا کیا مجھے بھگویا — کوئی پکارتی ہے، کیسا مجھے بھگویا
ناحق قرار کر کے جھوٹا، مجھے بھگویا — یوں دور سے بلا کر، اچھا مجھے بھگویا
کیا کیا مچی ہیں یارو، برسات کی بہاریں

جن دلبروں کی خاطر بھیگے ہیں جن کے جوڑے — وہ دیکھ اُن کی الفت، ہوتے ہیں تھوڑے تھوڑے
لے اُن کے بھیگے کپڑے ہاتھوں میں دھر نچوڑے — چیرا کوئی سُکھا دے، جامہ کوئی نچوڑے
کیا کیا مچی ہیں یارو، برسات کی بہاریں

کیچڑ سے ہو رہی ہے جس جا زمیں پھسلنی — مشکل ہوئی ہے واں سے ہر اک کو راہ چلنی
پھسلا جو پانو، پگڑی مشکل ہے پھر سنبھلنی — جوتی گری، تو واں سے کیا تاب پھر نکلنی
کبا کیا مچی ہیں یارو، برسات کی بہاریں

کتنے تو کیچڑوں کی دَل دَل میں پھنس رہے ہیں — کپڑے تمام گندی دَل دَل میں لس رہے ہیں
کتنے اُٹھے ہیں مر مر، کتنے اُکس رہے ہیں — وہ دُکھ میں پھنس رہے ہیں، اور لوگ ہنس رہے ہیں
کیا کیا مچی ہیں یارو، برسات کی بہاریں

کہتا ہے کوئی گر کر یہ "اے خدا اے لیجو" — کوئی ڈگمگا کے ہر دم کہتا ہے "وائے لیجو"
کوئی ہاتھ اُٹھا پکارے "مجھ کو بھی ہائے لیجو" — کوئی شور کر پکارے "گرنے نہ پائے، لیجو"
کیا کیا مچی ہیں یارو، برسات کی بہاریں

یہ رُت وہ ہے کہ جس میں خُرد و کبیر خوش ہیں — ادنا، غریب، مفلس، شاہ و وزیر خوش ہیں
معشوق شاد و خُرّم، عاشق اسیر خوش ہیں — جتنے ہیں اب جہاں میں، سب اے نظیر خوش ہیں
کیا کیا مچی ہیں یارو، برسات کی بہاریں

برسات اور پھسلن

برسات کا جہان میں لشکر پھسل پڑا — بادل بھی ہر طرف سے ہَوا پر پھسل پڑا
جھڑیوں کا مینہ بھی آکے سراسر پھسل پڑا — چھتا کسی کا شور مچا کر پھسل پڑا
کوٹھا جھکا، اٹاری گری، در پھسل پڑا

جن کے نئے نئے تھے مکاں اور محل سرا — اُن کی چھتیں ٹپکتی ہیں، چھلنی ہو جا بہ جا
دیواریں بیٹھتی ہیں، چھلوں کا ہے غل مچا — لاٹھی کو ٹیک کر جو ستوں ہے کھڑا، تو کیا
چھجا گرا، منڈیری کا پتھر پھسل پڑا

جھڑیوں نے اِس طرح کا دیا آکے جھڑ لگا — سُنیے جدھر، اُدھر کو دھڑا کے کی ہے صدا
کوئی پکارے ہے "مرا دروازہ گر چلا" — کوئی کہے ہے، "ہائے کہوں اب میں تم سے کیا
تم در کو جھینکتے ہو، مرا گھر پھسل پڑا"

باراں جب آکے پختہ مکاں کے تئیں ہلائے — کچا مکاں پھر اُس کی بھلا کیونکے تاب لائے
ہر جھونپڑے میں شور ہے، ہر گھر میں وائے وائے — کہتے ہیں "یارو! دوڑیو جلدی سے ہائے ہائے
پاکھے پچھیت سو گئے، چھپر پھسل پڑا"

چکنی زمیں پہ یاں تئیں کیچڑ ہے بے شمار — کیسا ہی ہوشیار، پہ پھسلے ہے ایک بار
نوکر کا بس کچھ اس میں، نہ آقا کا اختیار — کوچے گلی میں ہم نے تو دیکھا ہے کتنی بار
آقا جو ڈگمگائے، تو نوکر پھسل پڑا

کوچے میں کوئی، اور کوئی بازار میں گرا — کوئی گلی میں گر کے، ہے کیچڑ میں لوٹتا
رستے کے بیچ پانو کسی کا رپٹ گیا — اس سب جگہ کے گرنے سے آیا جو بچ بچا
وہ اپنے گھر کے صحن میں آکر پھسل پڑا

دَل دَل جو ہو رہی ہے ہر اک جا پہ رسمسی
مر مر اُٹھا ہے مرد، تو عورت رہی پھنسی
کیا سخت مشکلات ہے، کیا سخت بے کسی
اُس کی بڑی خرابی ہوئی اور بڑی ہنسی
جو اپنے جا ضرور کے اندر پھسل پڑا

کیچڑ سے ہر مکاں کی تو بچتا بہت پھرا
پر جب دکھائی دی کُھلے بالوں کی اک گھٹا
بجلی بھی چمکی حُسن کی، مینہ برسا ناز کا
پھسلن جب ایسی آئی، تو پھر کچھ نہ بن پڑا
آخر کو واں نظیرؔ بھی آ کر پھسل پڑا

برسات کا تماشا

اہلِ سخن کو ہے گا اک بات کا تماشا
اور عارفوں کی خاطر ہے، ذات کا تماشا
دُنیا کے صاحبوں کو دن رات کا تماشا
ہم عاشقوں کو ہے گا سب گھات کا تماشا
آ یار، چل کے دیکھیں برسات کا تماشا

ساون کے بادلوں نے پھر آ، گھٹا جو چھائی
بجلی نے اپنی صورت پھر آن کر دکھائی
ہو مست، رعد گرجا، کوئل کی کوک آئی
بدلی نے کیا مزے کی رِم جِھم جھڑی لگائی
آ یار، چل کے دیکھیں برسات کا تماشا

ہر گُل بدن کے تن میں پوشاک ہے اکہری
پگڑی گُلابی ہلکی، یا گُل انار گہری
صحنِ چمن میں ہے جو بارہ دری سنہری
اُس میں سبھوں کی آ کر ہے بزم عیش ٹھہری
آ یار، چل کے دیکھیں برسات کا تماشا

معشوق، عاشقوں میں کیا بزم بانمک ہے
شیشہ، گُلابی، ساقی، اور جام اور گزک ہے
جھنکار تال کی ہے، اور طبلے کی کھڑک ہے
گوری، ملار کے ساتھ آواز کی گمک ہے
آ یار، چل کے دیکھیں برسات کا تماشا

آ کر کہیں مزے کی ننھی پھوار برسے
چہروں کا رنگ ٹپکے، حسن اور نکھار برسے
اک طرف اولتی کی باہم قطار برسے
چھاجوں امنڈ کے پانی، موسل کی دھار برسے
آ یار، چل کے دیکھیں برسات کا تماشا

ہر کوہ کی کمر تک سبزہ ہے لہلہاتا
برسے ہے مینہ جھڑا جھڑ، پانی بہا ہے جاتا
وحش و طیور، ہر اک مل مل کے ہے نہاتا
غوغا کرے ہیں مینڈک، جھینگر ہے غل مچاتا
آ یار، چل کے دیکھیں برسات کا تماشا

کالی گھٹا ہے ہر دم، برسے ہیں مینہ کی دھاریں
اور جس میں اُڑ رہی ہیں بگلوں کی سو قطاریں
کوئل، پپیہے کوکیں، اور کوک کر پکاریں
اور مور، مست ہو کر، جوں کو کلا چنگاریں
آ یار، چل کے دیکھیں برسات کا تماشا

کالی گھٹائیں آ کر، ہو مست تُل رہی ہیں
دستاریں سُرخ اُس میں کیا خوب کھل رہی ہیں
رُخساروں پر بہاریں ہر اک کے ڈھل رہی ہیں
شبنم کی بوندیں جیسے ہر گل پہ تُل رہی ہیں
آ یار، چل کے دیکھیں برسات کا تماشا

ساون کی کالی راتیں، اور برق کے اشارے
جگنو چمکتے پھرتے، جوں آسماں پہ تارے
لپٹے گلے سے سوتے معشوق ماہ پارے
گرتی ہے چھت کسی کی، کوئی کھڑا پکارے
آ یار، چل کے دیکھیں برسات کا تماشا

شہروں کے بیچ ہر جا، عمدوں کے جو مکاں ہیں
باراں کے دیکھنے کی بام و اٹاریاں ہیں
بیٹھے ہوئے بغل میں معشوق دل رُباں ہیں
ہر رنگ، ہر طرح کی مے کی گلابیاں ہیں
آ یار، چل کے دیکھیں برسات کا تماشا

آگے دُکاں کے نالا ہے موج مار چلتا
عالم طرح طرح کا آگے سے ہے نکلتا
کوئی چھپکتا پانی، اور کوئی ہے پھسلتا
ٹھٹھا ہے اور مزہ ہے، آبِ عنب ہے ڈھلتا
آ یار، چل کے دیکھیں برسات کا تماشا

ہے جو نظیرؔ، جی میں دھومیں اُکستیاں ہیں
سب سے زیادہ اُس کو اب عیش مستیاں ہیں
معشوق ہے بغل میں اور مے پرستیاں ہیں
شعروں سے موتیوں کی بوندیں برستیاں ہیں
آیار، چل کے دیکھیں برسات کا تماشا

موسمِ برسات

ساقیا، موسمِ برسات ہے کیا روح فزا
دیکھ کچھ تازگیِ صنعتِ بے چون و چرا

کھل رہے ہیں در و دیوار پہ ابوابِ بہشت
آ رہی ہے چمنِ خلد کی ہر گھر میں ہوا

برگِ اشجار وہ سرسبز ہیں اور نرم و لطیف
فی المثل حکّہٴ جنّت انھیں کہیے، تو بجا

کوہ و صحرا میں وہ سبزی ہے، کہوں کیا گویا
مخملِ تازہ کسی نے ابھی یاں دی ہے بچھا

الغرض، دشت تو ہیں کارگہِ مخملِ سبز
اور جو ہیں کوہ، تو اُن پر بھی زمرّد ہے فدا

ہے زمینِ چمن و باغ، جو پانی سے سفید
اُس میں اب عکس ہر اک گُل کا ہے یوں جلوہ نما

عقل کہتی ہے، تامّل سے جسے دیکھ، کہ یہ
تشتِ بلّور ہے اقسامِ جواہر سے بھرا

شاخ پر گُل سے یہ عالم ہے، کہ جیسے محبوب
سُرخ دستار بہ سر رکھتا ہے، اور سبز قبا

ہلتے اِس لُطف سے ہیں بھیگے ہوئے تازہ نہال
جیسی ہو نازنیں دل بر کے نہانے کی ادا

غُلغُلِ رعد خوش آتا ہے ہر اک گوش کو یوں
جیسے شادی میں پسند آتی ہے نوبت کی صدا

برق بھی چمکے ہے اور دمکے ہے ایسی ہر دم
جس سے کیا کیا اُمنڈ اور جھوم کے آئے ہے گھٹا

اِس سیہ ابر میں یوں اُڑتے ہیں بگلے جیسے
لبِ بالیدہ مِسی میں دُرِ دنداں کی صفا

بدلیاں بدلے ہیں وہ رنگ نئے ہر ساعت
جن کے ہر رنگ پہ ہوں مانی کے ارژنگ فدا

اب میں ساون کی اندھیری کی کہوں کیا تعریف
جعدِ شیریں کہوں، یا زلفِ سیاہِ لیلا

جگنو اس طرح چمکتے ہیں کہ جوں وقتِ سنگار
ماتھے پر ہاتھی کے شنگرف ہے گویا چھڑ کا

کہیں رقاص کا رقص، اور کہیں مطرب کا سرود
کہیں ساقی، مَے و ساغر، طرب و برگ و نوا

زہرہ واں ہو کے خوشی، گاتی ہے وہ میگھ ملھار
جس کو سُن سُن کے، فلک ناچے ہے بر روئے ہوا

مور کا شور، فغاں غوک کی، جھینگر کی جھنگار
پی پی ہر آن پپیہے کی ہے، کوئل کی صدا

اہلِ ظاہر تو ہیں سب مستِ مے عیش و سرور
اہلِ باطن بھی اچھلتے ہیں پڑے وجد میں آ

شہر اور دشت میں یاں چار مہینے تو نظیرؔ
ہر طرف ہوتے ہیں گل، حسن و طراوت ہر جا

بہار

چمن میں آج نسیم بہار آ پہنچی
نوید نکہتِ گل بے شمار آ پہنچی
صدائے قمری و صوتِ ہزار آ پہنچی
جنوں کی فوج کی دل پر پکار آ پہنچی
ہزار شکر کہ فصلِ بہار آ پہنچی

گئی نسیم کے ہاتھوں نکل کے بادِ سموم
گھٹائیں ابرِ بہاری کی تل رہی ہیں جھوم
تمام صحنِ چمن میں عجب مچی ہے دھوم
اُدھر گلوں کے اُپر بلبلیں کرے ہیں ہجوم
اِدھر سے مست صفِ گل عذار آ پہنچی

چمن کی سیر کو آئے ہیں مل کے مے نوشاں
ہوا ہے بادہ کشی کا بھی خوب سا ساماں
نکالتے ہیں نشے مے کے دل کا سب ارماں
ہوئی ہے گرم چمن بیچ مغبچوں کی شاں
شراب و شیشہ و ساغر کی بار آ پہنچی

کھلے ہیں چاروں طرف زور تختۂ گل زار
چلے ہے سر د صبا، اور نسیم عنبر بار
خبر سنی ہے کہ آتا ہے وہ گلِ مے خوار
گئی مصیبتِ روزِ فراق سب یک بار
کہ اب قریب شبِ وصلِ یار آ پہنچی

کوئی ہے وصف کرے گُل کی تاج داری کا　　کسی کو ذکر ہے بلبل کی بے قراری کا
نہیں یہ وقت مری جان انتظاری کا　　نہیں یہ وقت مری جان آہ وزاری کا
خوشی ہو اب کہ حدِ انتظار آ پہنچی

جاڑے کی بہاریں

جب ماہ اگھن کا ڈھلتا ہو، تب دیکھ بہاریں جاڑے کی
اور ہنس ہنس پوس سنبھلتا ہو، تب دیکھ بہاریں جاڑے کی
دن جلدی جلدی چلتا ہو، تب دیکھ بہاریں جاڑے کی
اور پالا، برف پگھلتا ہو، تب دیکھ بہاریں جاڑے کی
چلاّ خم ٹھونک، اچھلتا ہو، تب دیکھ بہاریں جاڑے کی

تن ٹھوکر مار پچھاڑا ہو، اور دل سے ہوتی ہو کُشتی سی
تھر تھر کا زور اکھاڑا ہو، بجتی ہو سب کی بتّیسی
ہو شور، پھپھو ہُو ہُو ہُو، کا اور دھوم ہو، سی سی سی کی
کلّے پر کلاّ لگ کر، چلتی ہو مُنہ میں چکّی سی
ہر دانت چنے سے دَلتا ہو، تب دیکھ بہاریں جاڑے کی

ہر ایک مکاں میں سردی نے آ باندھ دیا ہو یہ چکّر
جو ہر دم کپ کپ ہوتی ہو، ہر آن کڑا کڑ اور تھر تھر
پیٹھی ہو سردی رگ رگ میں، اور برف پگھلتا ہو پتھر

جھڑ باندھ مہاوٹ پڑتی ہو، اور تس پر لہریں لے کر
سناٹا باد کا چلتا ہو، تب دیکھ بہاریں جاڑے کی

ہر چار طرف سے سردی ہو، اور صحن کھلا ہو کوٹھے کا
اور تن میں نیمہ شبنم کا، ہو جس میں خس کا عطر لگا
چھڑکاؤ ہوا ہو پانی کا، اور خوب پلنگ بھی ہو بھیگا
ہاتھوں میں پیالہ شربت کا، ہو آگے اک فرّاش کھڑا
فرّاش بھی پنکھا جھلتا ہو، تب دیکھ بہاریں جاڑے کی

جب ایسی سردی ہو اے دل، اب زور مزے کی گھاتیں ہوں
کچھ نرم بچھونے مخمل کے، کچھ عیش کی لمبی راتیں ہوں
محبوب گلے سے لپٹا ہو اور کہنی، چٹکی، لاتیں ہوں
کچھ بوسے ملتے جاتے ہوں، کچھ میٹھی میٹھی باتیں ہوں
دل عیش و طرب میں پلتا ہو، تب دیکھ بہاریں جاڑے کی

ہو فرش بچھا غالیچوں کا، اور پردے چھوٹے ہوں آکر
اک گرم انگیٹھی جلتی ہو، اور شمع ہو روشن، اور تس پر
وہ دل بر، شوخ، پری، چنچل، ہے دھوم مچی جس کی گھر گھر
ریشم کی نرم نہالی پر، سو نازو ادا سے ہنس ہنس کر
پہلو کے بیچ مچلتا ہو، تب دیکھ بہاریں جاڑے کی

ترکیب بنی ہو مجلس کی، اور کافر ناچنے والے ہوں
مُنہ اُن کے چاند کے ٹکڑے ہوں، تن اُن کے روئی کے گالے ہوں
پوشاکیں نازک رنگوں کی، اور اوڑھے شال دوشالے ہوں

کچھ ناچ اور رنگ کی دھومیں ہوں، کچھ عیش میں ہم متوالے ہوں
پیالے پر پیالہ چلتا ہو ، تب دیکھ بہاریں جاڑے کی

ہر ایک مکاں ہو خلوت کا، اور عیش کی سب تیّاری ہو
وہ جان کہ جس سے جی غش ہو، سو ناز سے آ جھنکاری ہو
دل، دیکھ نظیر اُس کی چھب کو، ہر آن ادا پر واری ہو
سب عیش مُہیّا ہو آکر، جس جس ارمان کی باری ہو
جب سب ارمان نکلتا ہو، تب دیکھ بہاریں جاڑے کی

اندھیری

لاتی ہے جب اپنی یہ شروعات اندھیری
کرتی ہے اُجالے کے تئیں مات اندھیری
دیتی ہے غریبوں کو مکافات اندھیری
دکھلاتی ہے خوباں کی ملاقات اندھیری
ہر عیش کی کرتی ہے عنایات، اندھیری
کام آتی ہے عاشق کے بہت رات اندھیری

جس وقت ہوئی رات اندھیرے سے دھواں دھار
جو شوخ ملا، شوق سے جا بھڑ گئے للکار
گر اس میں کہیں شور و یا غُل ہوا اک بار
ادھر سے اُدھر ہو گئے دو چار قدم مار
بر لاتی ہے اِس ڈھب کی مہمات اندھیری
کام آتی ہے عاشق کے بہت رات اندھیری

بوسہ لیا، مُنہ موڑ، الگ ہو رہے چُپکے
چھاتی سے لگا، چھوڑ، الگ ہو رہے چُپکے
سینے کا وہ پھل توڑ، الگ ہو رہے چُپکے
اغیار کا سر پھوڑ، الگ ہو رہے چُپکے

اِس ڈھب کی تو رکھتی ہے عجب گھات اندھیری
کام آتی ہے عاشق کے بہت رات اندھیری

معمول ہے، جب چاند کا چھپتا ہے اُجالا
ہوتا ہے عجب کھیل پری رُوے دو بالا
محبوب پری شکل و صُراحی و پیالا
نہ روکنے والا، نہ کوئی ٹوکنے والا
اِس لُوٹ کی کرتی ہے مُدارات اندھیری
کام آتی ہے عاشق کے بہت رات اندھیری

جس کوچے میں چاہا، وہیں کرنے لگی پھیری
بیٹھے، کہیں اُٹھے، کہیں جلدی، کہیں دیری
اور اِس میں کہیں مل گئی گر حُسن کی ڈھیری
پھر جب تو نہ کہہ میری، نہ میں کچھ کہوں تیری
کام عیش کے لاتی ہے لگا ساتھ اندھیری
کام آتی ہے عاشق کے بہت رات اندھیری

تھی شب کو اندھیری تو عجب ڈھب کی نظیرؔ، آہ
سو عیش و طرب سے تھے ہم اُس یار کے ہم راہ
نکلے تھے ہمیں ڈھونڈنے اُس دم کئی بدخواہ
مل مل بھی گئے، تو بھی نہ دیکھا ہمیں واللہ
کیا عیش کے رکھتی ہے طلسمات اندھیری
کام آتی ہے عاشق کے بہت رات اندھیری

طفلی

کیا دن تھے یار وہ بھی، تھے جب کہ بھولے بھالے نکلے تھی دائی لے کر، پھرتی کبھی دَدا لے
چوٹی کوئی رکھالے، بدھی کوئی پنہالے ہنسلی گلے میں ڈالے، مِنّت کوئی بڑھالے
موٹے ہوں یا کہ دُبلے، گورے ہوں یا کہ کالے
کیا عیش لوٹتے ہیں معصوم بھولے بھالے

دل میں کسی کے ہرگز، نے شرم، نے حیا ہے آگا بھی کھُل رہا ہے، پیچھا بھی کھُل رہا ہے
پہنے پھرے تو کیا ہے، ننگے پھرے تو کیا ہے یاں یوں بھی واہ وا ہے، اور ووں بھی واہ وا ہے
کچھ کھالے اِس طرح سے، کچھ اُس طرح سے کھالے
کیا عیش لوٹتے ہیں معصوم بھولے بھالے

جو کوئی چیز دیوے، نت ہاتھ اوٹتے ہیں گُڑ، بیر، مولی، گاجر، لے مُنہ میں گھوٹتے ہیں
بابا کی مونچھ، ماں کی چوٹی کھسوٹتے ہیں گردوں میں اَٹ رہے ہیں، خاکوں میں لوٹتے ہیں
کچھ مل گیا سو پی لے، کچھ بن گیا سو کھالے
کیا عیش لوٹتے ہیں معصوم بھولے بھالے

جو اِن کو دو، سو کھالیں، پھیکا ہو یا سلونا ہیں بادشہ سے بہتر، جب مل گیا کھلونا
جس جا پہ نیند آئی، پھر واں ہی اُن کو سونا پروا نہ کچھ پلنگ کی، نے چاہیے بچھونا
بھونپو کوئی بجالے، پھرکی کوئی پھرالے
کیا عیش لوٹتے ہیں معصوم بھولے بھالے

یہ بالے پن کا، یارو، عالم عجب بنا ہے   یہ عمر وہ ہے، اس میں جو ہے، سو بادشا ہے
اور سچ اگر یہ پوچھو تو بادشہ بھی کیا ہے   اب تو نظیرؔ میری سب کو یہی دعا ہے
جیتے رہیں سبھوں کے آس و مراد والے
کیا عیش لوٹتے ہیں معصوم بھولے بھالے

جوانی

کیا عیش کے رکھتی ہے سب آہنگ جوانی   کرتی ہے بہاروں کے تئیں دنگ، جوانی
ہر آن پلاتی ہے مے اور بھنگ جوانی   کرتی ہے کہیں صلح، کہیں جنگ جوانی
اِس ڈھب کے مزے رکھتی ہے اور ڈھنگ جوانی
عاشق کو دکھاتی ہے عجب رنگ جوانی

اللہ نے جوانی کا وہ عالم ہے بنایا   جو، ہر کہیں عاشق، کہیں رسوا، کہیں شیدا
پھندے میں کہیں جی ہے، کہیں دل ہے تڑپتا   مرتے ہیں، سسکتے ہیں، بلکتے ہیں" آہا ہا
اِس ڈھب کے مزے رکھتی ہے اور ڈھنگ جوانی
عاشق کو دکھاتی ہے عجب رنگ جوانی

لڑتی ہے کہیں آنکھ، کہیں دست، کہیں نین   چھوٹا ہے کہیں پیار، کسی سے ہیں لگے نین
وعدہ، کہیں اقرار، کہیں سین، کہیں نین   نے جی کو فراغت ہے، نہ آنکھوں کے تئیں چین
اس ڈھب کے مزے رکھتی ہے اور ڈھنگ جوانی
عاشق کو دکھاتی ہے عجب رنگ جوانی

الفت ہے، کہیں مہر و محبت ہے، کہیں چاہ   کرتا ہے کوئی چاہ، کوئی دیکھ رہا راہ

ساقی ہے، صراحی ہے، پری زاد ہیں ہم راہ
کیا عیش ہیں، کیا عیش ہیں، کیا عیش ہیں واللہ
اِس ڈھب کے مزے رکھتی ہے اور ڈھنگ جوانی
عاشق کو دکھاتی ہے عجب رنگ جوانی

کیا تجھ سے نظیؔر اب میں جوانی کی کہوں بات
اِس پَن میں گزرتی ہے عجب عیش سے اوقات
محبوبِ پری زاد چلے آتے ہیں دن رات
سیریں ہیں، بہاریں ہیں، تواضع ہے، مدارات
اِس ڈھب کے مزے رکھتی ہے اور ڈھنگ جوانی
عاشق کو دکھاتی ہے عجب رنگ جوانی

بُڑھاپا

کیا قہر ہے یارو، جسے آجائے بڑھاپا
اور عیشِ جوانی کے تئیں کھائے بُڑھاپا
عشرت کو ملا خاک میں، غم لائے بُڑھاپا
ہر کام کو، ہر بات کو ترسائے بُڑھاپا
سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بُڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بُڑھاپا

جو لوگ خوشامد سے بٹھاتے تھے گھڑی، پہر
چھاتی سے لپٹتے تھے، محبت کی جتا لہر
اب آکے بُڑھاپے نے کیا ہائے یہ کچھ قہر
اب جن کے کنے جاتے ہیں، لگتے ہیں انھیں زہر
سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بُڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بُڑھاپا

آگے تھے جہاں گُل بدن و یوسفِ ثانی
دیتے تھے ہمیں پیار سے چھلّوں کی نشانی
مرجائیں، تو اب مُنہ میں نہ ڈالے کوئی پانی
کس دُکھ میں ہمیں چھوڑ گئی، ہائے جوانی

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بُڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بُڑھاپا

یاد آتے ہیں ہم کو جو جوانی کے وہ ہنگام
اور جام، دل آرام، مزے، عیش اور آرام
ان سب میں جو دیکھو تو نہیں ایک کا اب نام
کیا ہم پہ ستم کر گئی یہ گردشِ ایام
سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بُڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بُڑھاپا

مجلس میں جوانوں کی تو ساغر ہیں چھلکتے
چُہلیں ہیں، بہاریں ہیں، پری رو ہیں جھمکتے
ہم اُن کے تئیں دور سے ہیں رشک سے تکتے
وہ عیش و طرب کرتے ہیں، ہم سر ہیں پٹکتے
سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بُڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بُڑھاپا

جب عیش کے مہمان تھے، اب غم کے ہوئے ضیف
اب خونِ جگر کھاتے ہیں، جب پیتے تھے سو کیف
جب اینٹھ کے چلتے تھے، سپر باندھ، اُٹھا سیف
اب ٹیک کے لاٹھی کے تئیں چلتے ہیں، صد حیف
سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بُڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بُڑھاپا

پوچھیں جسے، کہتا ہے وہ، کیا پوچھے ہے بُڈھے
آویں، تو یہ غُل ہو کر، کہاں آوے ہے بُڈھے
بیٹھیں، تو یہ ہو دھوم، کہاں بیٹھے ہے بُڈھے
دیکھیں جسے، کہتا ہے وہ، کیا دیکھے ہے بُڈھے
سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بُڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

کیا یار کہیں، گو کہ بڑھاپا ہے ہمارا
پر، بوڑھے کہانے کا نہیں تو بھی سہارا
جب، بوڑھا، ہمیں، ہائے جہاں کہہ کے پکارا
کافر نے کلیجے میں گویا تیر سا مارا
سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بڑھاپا

عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بُڑھاپا

بوڑھوں میں اگر جاویں تو لگتا نہیں واں دل
واں کیونکے لگے، دل تو ہے محبوبوں کا مائل
محبوبوں میں جاویں، تو وہ سب چھیڑے ہیں ہل ہل
کیا سخت مصیبت کی پڑی آن کے مشکل

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بُڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بُڑھاپا

پنگھٹ کو ہماری اگر اسواری گئی ہے
تو واں بھی لگی ساتھ یہی خواری گئی ہے
سُنتے ہیں کہ کہتی ہوئی پنہاری گئی ہے
"لو دیکھو، بُڑھاپے میں یہ مت ماری گئی ہے"

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بُڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بُڑھاپا

پگڑی ہو اگر لال، گلابی، تو یہ آفت
کہتا ہے ہر اک دیکھ کے، کیا خوب ہے رنگت"
ٹھٹھے سے کوئی کہتا ہے، کر شکل پہ رحمت
"لاحول ولا، دیکھیے بوڑھے کی حماقت"

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بُڑھاپا

گر بیاہ میں جاویں، تو یہ ذلّت ہے اُٹھانا
چھُٹتے ہی بنے باپ نکاحی کا نشانا
رنڈوں میں اگر جاویں، تو مشکل ہے پھر آنا
افسوس، کسی جا نہیں بوڑھے کا ٹھکانا

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بُڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بُڑھاپا

دریا کے تماشے کو اگر جاویں، تو یارو
کہتا ہے ہر اک دیکھ کے، "جاتے ہو کہاں کو؟"
اور ہنس کے شرارت سے کوئی پوچھے ہے بدخُو
"کیوں خیر ہے، کیا خضر سے ملنے کو چلے ہو؟"

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بُڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بُڑھاپا

نقلیں کوئی ان پوپلے ہونٹھوں کی بنا دے　　چل کر کوئی کُبڑے کی طرح، قد کو جھکا دے
داڑھی کے کنے انگلی کو لا لا کے نچا دے　　یہ خواری تو اللہ کسی کو نہ دکھا دے

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بُڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بُڑھاپا

تھے جیسے جوانی میں کیے دھوم دھڑکے　　ویسے ہی بُڑھاپے میں چھٹے آن کے چھکے
سب اُڑ گئے کافور وہ نظارے، وہ جھمکے　　اب عیش جوانوں کو ہیں، اور بوڑھوں کو دھکے

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بُڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بُڑھاپا

گر حرص سے داڑھی کو خضاب اپنی لگا دیں　　جھُرّی جو پڑی مُنہ پہ، اُسے کیونکے مٹا دیں
گو مکر سے، ہنسنے کے تئیں، دانت بندھا دیں　　گردن تو پڑی ہلتی ہے، کیا خاک چھپا دیں

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بُڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بُڑھاپا

یہ ہونٹھ جو اب پوپلے یارو ہیں ہمارے　　اِن ہونٹھوں نے بوسوں کے بہت رنگ ہیں مارے
ہوتے تھے جوانی میں تو پریوں کے گزارے　　اور اب تو چڑیل آن کے، اک لات نہ مارے

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بُڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بُڑھاپا

تھے جیسے جوانی میں پیے جام سبو کے　　ویسے ہی بُڑھاپے میں پیے گھونٹ لہو کے
جب آ کے گلے لگتے تھے محبوب بھبھو کے　　اب کہیے، تو بُڑھیا بھی کوئی مُنہ پہ نہ تھوکے

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بُڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بُڑھاپا

محفل میں وہ مستی سے بگڑنا نہیں بھولے　　ساقی سے پیالوں پہ جھگڑنا نہیں بھولے

ہنس ہنس کے پری زادوں سے لڑنا نہیں بھولے
وہ گالیاں، وہ بوسوں پہ اَڑنا نہیں بھولے

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بُڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بُڑھاپا

کیا دَور تھا، سر دُکھنے کا ہوتا تھا جَد افسوس
ہر غنچہ دہن دیکھ کے کرتا تھا حد افسوس
اب مر بھی اگر جائیں، تو ہوتا ہے کد افسوس
افسوس، صد افسوس، صد افسوس، صد افسوس!

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بُڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بُڑھاپا

وہ جوش نہیں، جس کے کوئی خوف سے دہلے
وہ زعم نہیں، جس سے کوئی بات کو سہ لے
جب پھوس ہوئے ہاتھ، تھکے پانو بھی پہلے
پھر جس کے جو کچھ شوق میں آوے سو ہی کہہ لے

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بُڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بُڑھاپا

کرتے تھے جوانی میں تو سب آپ سے آ چاہ
اور حُسن دکھاتے تھے وہ سب آن کے دل خواہ
یہ قہر بُڑھاپے نے کیا، آہ نظیرؔ، آہ!
اب کوئی نہیں پوچھتا، اللہ ہی اللہ

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بُڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بُڑھاپا

تندرستی

ہیں مرد اب وہی کہ جنھوں کا ہے فن درست
حُرمت اُنھوں کے واسطے، جن کا چلن درست
رہتا نہیں کسی کا سدا مال، دھن درست
دولت رہی کسی کی، نہ باغ و چمن درست

جتنے سخن ہیں، سب میں یہی ہے سخن درست

اللہ آبرو سے رکھے، اور تندرست

دنیا میں اب اُنھوں کے تئیں کہیے بادشاہ
جن کے بدن درست ہیں، دن رات، سال و ماہ
جس پاس تندرستی و حرمت کی ہو سپاہ
ایسی پھر اور کون سی دولت ہے، واہ واہ
جتنے سخن ہیں، سب میں یہی ہے سخن درست
اللہ آبرو سے رکھے، اور تندرست

جو گھر میں اپنے میری و حشمت پناہی ہے
پر بن تندرستی، سب وہ خرابی، تباہی ہے
یہ تندرستی، یارو، بڑی بادشاہی ہے
سچ پوچھیے تو عین یہ فضلِ الٰہی ہے
جتنے سخن ہیں، سب میں یہی ہے سخن درست
اللہ آبرو سے رکھے، اور تندرست

گر دولتوں سے اُس کا بھرا ہے تمام گھر
بیمار ہے، تو خاک سے بدتر ہے سب وہ زر
ہو تندرست، گرچہ یہ مفلس ہے سر بسر
پھر نہ کسی کا خوف، نہ ہرگز کسی کا ڈر
جتنے سخن ہیں، سب میں یہی ہے سخن درست
اللہ آبرو سے رکھے، اور تندرست

عاجز ہو یا حقیر ہو، پر تندرست ہو
بے زر ہو یا امیر ہو، پر تندرست ہو
قیدی ہو یا اسیر ہو، پر تندرست ہو
مفلس ہو یا فقیر ہو، پر تندرست ہو
جتنے سخن ہیں، سب میں یہی ہے سخن درست
اللہ آبرو سے رکھے، اور تندرست

اس میں تمام ختم ہیں عالم کی خوبیاں
ہو تندرستی اور ملے حُرمت سے آب و ناں
قسمت سے جب یہ دونوں میسّر ہوں، پھر تو ہاں
پھر ایسی اور کون سی نعمت ہے میری جاں
جتنے سخن ہیں، سب میں یہی ہے سخن درست
اللہ آبرو سے رکھے، اور تندرست

پروا نہیں، اگرچہ لکھا یا پڑھا نہ ہو محتاج حق سوا، یہ کسی اور کا نہ ہو
حُسن وجمال وعلم وہنر گو ملا نہ ہو اک تندرستی چاہیے، کچھ ہووے یا نہ ہو

جتنے سخن ہیں، سب میں یہی ہے سخن درست
اللہ آبرو سے رکھے، اور تندرست

بیمار اگرچہ لاکھ طرح سے ہو بادشاہ تو اُس کو جانیے کہ گدا سے بھی ہے تباہ
ہم تو اُسی کو شاہ کہیں، اور جہاں پناہ اب جس کا تن، درست ہو حرمت سے ہو نباہ

جتنے سخن ہیں، سب میں یہی ہے سخن درست
اللہ آبرو سے رکھے، اور تندرست

ہوں گرچہ لاکھ دولتیں بیمار کے گنے اور نعمتوں کے ڈھیر لگے ہوں بنے ٹھنے
بہتر ہیں مفلسی کے میاں چابنے چنے جو تندرست ہیں، وہی دولہا ہیں، اور بنے

جتنے سخن ہیں، سب میں یہی ہے سخن درست
اللہ آبرو سے رکھے، اور تندرست

جب تندرستیوں کی رہیں دل میں بستیاں پھر سو طرح کے عیش ہیں اور ہے پر ستیاں
کھانے کو نعمتیں ہوں، ہو یا فاقہ مستیاں سب عیش اور مزے ہیں، جو ہوں تندرستیاں

جتنے سخن ہیں، سب میں یہی ہے سخن درست
اللہ آبرو سے رکھے، اور تندرست

چاہا جو دل نشے کو، تو دوں ہی منگا لیا محبوب دل بروں کو گلے سے لگا لیا
آیا جو عیش دل میں، خوشی سے اُڑا لیا جو مل گیا سو پی لیا، چاہا سو کھا لیا

جتنے سخن ہیں، سب میں یہی ہے سخن درست
اللہ آبرو سے رکھے، اور تندرست

آیا جو دل میں، سیرِ چمن کو چلے گئے بازار، چوک، سیر تماشے میں خوش ہوئے

بیٹھے، اُٹھے، خوشی سے ہر اک جا چلے پھرے　　جاگے مزے میں رات کو، یا خوش ہو سو رہے

جتنے سخن ہیں، سب میں یہی ہے سخن درست
اللہ آبرو سے رکھے، اور تندرست

قدرت سے یہ جو تن کی بنی ہے ہر ایک کل　　جب تک یہ کل بنی ہے، تو ہے آدمی کو کل
گر ہو خدانہ خواستہ اک کل بھی چل بچل　　پھر نہ خوشی، نہ عیش، نہ کچھ زندگی کا پھل

جتنے سخن ہیں، سب میں یہی ہے سخن درست
اللہ آبرو سے رکھے، اور تندرست

ادنا ہو یا غریب، تونگر ہو یا فقیر　　یا بادشاہ شہر کا، یا ملک کا وزیر
ہے سب کو تندرستی و حرمت ہی دل پذیر　　جو تونے اب کہا، سو یہی سچ ہے اے نظیرؔ

جتنے سخن ہیں، سب میں یہی ہے سخن درست
اللہ آبرو سے رکھے، اور تن درست

مُفلسی

جب آدمی کے حال پہ آتی ہے مُفلسی کس کس طرح سے اُس کو ستاتی ہے مُفلسی
پیاسا تمام روز بٹھاتی ہے مُفلسی بھوکا تمام رات سُلاتی ہے مُفلسی
یہ دکھ وہ جانے، جس پہ کہ آتی ہے مُفلسی

کہیے تو اب حکیم کی سب سے بڑی ہے شاں تعظیم جس کی کرتے ہیں نوّاب اور خاں
مُفلس ہوئے تو حضرتِ لقمان کیا ہیں یاں عیسیٰ بھی ہو، تو کوئی نہیں پوچھتا، میاں
حکمت حکیم کی بھی ڈُباتی ہے مُفلسی

جو اہلِ فضل، عالم و فاضل کہاتے ہیں مُفلس ہوئے، تو کلمہ تلک بھول جاتے ہیں
پوچھے کوئی اَلف، تو اُسے بے بتاتے ہیں وہ جو غریب غُربا کے لڑکے پڑھاتے ہیں
اُن کی تو عمر بھر نہیں جاتی ہے مُفلسی

مفلس کرے جو آن کے مجلس کے بیچ حال سب جانیں، روٹیوں کا یہ ڈالا ہے اِس نے جال
گر گر پڑے، تو کوئی نہ لیوے اُسے سنبھال مُفلس میں ہووے لاکھ اگر علم اور کمال
سب خاک بیچ آ کے مِلاتی ہے مُفلسی

مُفلس کی کچھ نظر نہیں رہتی ہے آن پر دیتا ہے اپنی جان وہ ایک ایک نان پر
ہر آن ٹوٹ پڑتا ہے روٹی کے خوان پر جس طرح کُتّے لڑتے ہیں ایک استخوان پر
ویسا ہی مُفلسوں کو لڑاتی ہے مُفلسی

کرتا نہیں حیا سے جو کوئی، وہ کام، آہ مُفلس کرے ہے اُس کے تئیں انصرام، آہ

سمجھے نہ کچھ حلال، نہ جانے حرام، آہ
کہتے ہیں جس کو شرم و حیا، ننگ و نام آہ
وہ سب حیا و شرم اُٹھاتی ہے مُفلسی

لازم ہے گر غمی میں کوئی شور و غل مچائے
مفلس، بغیر غم کے ہی کرتا ہے ہائے ہائے
مر جاوے گر کوئی، تو کہاں سے اُسے اٹھائے
اِس مفلسی کی خواریاں کیا کیا کہوں میں ہائے
مُردے کو بِن کفن کے گڑاتی ہے مُفلسی

بی بی کی نتھ، نہ لڑکوں کے ہاتھوں کڑے رہے
کپڑے میاں کے بنیے کے گھر میں پڑے رہے
جب کڑیاں بک گئیں، تو کھنڈر میں اڑے رہے
زنجیر، نہ کواڑ، نہ پتھر گڑے رہے
آخر کو اینٹ اینٹ کھُداتی ہے مُفلسی

نقاش پر بھی زور جب آ مفلسی کرے
سب رنگ، دم میں کر دے مصوّر کے کر کرے
صورت ہی اُس کی دیکھ کے، مُنہ کھنچ رہے پرے
تصویر اور نقش میں کیا رنگ وہ بھرے
اُس کے تو مُنہ کا رنگ اُڑاتی ہے مُفلسی

کیسی ہی دھوم دھام کی رنڈی ہو خوش جمال
جب مُفلسی کا آن پڑے سر پہ اُس کے جال
دیتے ہیں اُس کے ناچ کو ٹھٹھے کے بیچ ڈال
ناچے ہے وہ تو فرش کے اوپر قدم سنبھال
اور اُس کو اُنگلیوں پہ نچاتی ہے مُفلسی

جب مفلسی سے ہووے کلاونت کا دل اُداس
پھرتا ہے لے طنبورے کو ہر گھر کے آس پاس
اک پاو سیر آٹے کی دل میں لگا کے آس
گوری کا وقت ہووے، تو گاتا ہے وہ بھیاس
یاں تک حواس اُس کے اُڑاتی ہے مُفلسی

مُفلس، جو بیاہ بیٹی کا کرتا ہے بول بول
پیسا کہاں، جو جا کے وہ لاوے جہیز مول
جورو کا وہ گلا ہے، کہ پھوٹا ہو جیسے ڈھول
گھر کی حلال خوری تلک کرتی ہے ٹھٹھول
ہیبت تمام اُس کی اُٹھاتی ہے مُفلسی

بیٹے کا بیاہ ہووے، تو بیاہی، نہ ساتھی ہے
نے روشنی، نہ باجے کی آواز آتی ہے

ماں، پیچھے ایک میلی چدر اوڑھے جاتی ہے   بیٹا بنا ہے دولھا، تو باوا براتی ہے
مُفلس کی یہ برات چڑھاتی ہے مُفلسی

مُفلس کا درد، دل میں کوئی ٹھانتا نہیں   مُفلس کی بات کو بھی کوئی مانتا نہیں
ذات اور حسَب نسب کو کوئی جانتا نہیں   صورت بھی اُس کی پھر کوئی پہچانتا نہیں
یاں تک نظر سے اُس کو گراتی ہے مُفلسی

چولھے توا، نہ پانی کے مٹکے میں آبی ہے   پینے کو کچھ، نہ کھانے کو، اور نے رکابی ہے
مُفلس کے ساتھ سب کے تئیں بے حجابی ہے   مُفلس کی جورو، سچ ہے کہ ہاں، سب کی بھابی ہے
عزّت سب اُس کے دل کی گنواتی ہے مُفلسی

کیسا ہی آدمی ہو، پر افلاس کے طفیل   کوئی گدھا کہے اُسے، ٹھہرا دے کوئی بیل
کپڑے پھٹے تمام، بڑھے بال پھیل پھیل   مُنہ خشک، دانت زرد، بدن پر جما ہے میل
سب شکل قیدیوں کی بناتی ہے مُفلسی

ہر آن دوستوں کی محبّت گھٹاتی ہے   جو آشنا ہیں، اُن کی تو اُلفت گھٹاتی ہے
اپنوں کی مہر، غیر کی چاہت گھٹاتی ہے   شرم و حیا و عزّت و حُرمت گھٹاتی ہے
ہاں ناخن اور بال بڑھاتی ہے مُفلسی

جب مُفلسی ہوئی، تو شرافت کہاں رہی   وہ قدر ذات کی، وہ نجابت کہاں رہی
کپڑے پھٹے، تو لوگوں میں عزّت کہاں رہی   تعظیم اور تواضع کی بابت کہاں رہی
مجلس کی جوتیوں پہ بٹھاتی ہے مُفلسی

مُفلس، کسی کا لڑکا جو لے پیار سے اُٹھا   باپ اُس کا، دیکھے ہاتھ کا اور پانو کا کڑا
کہتا ہے کوئی، جوتی نہ لیوے کہیں چُرا   نٹ کھٹ، اُچکّا، چور، دغا باز، گٹھ کٹا
سو سو طرح کے عیب لگاتی ہے مُفلسی

رکھتی نہیں کسی کی یہ غیرت کی آن کو   سب خاک میں ملاتی ہے حُرمت کی شان کو

سو محنتوں میں اُس کی کھپاتی ہے جان کو
چوری پہ آ کے ڈالے ہے مُفلس کے دھیان کو
آخر، ندان بھیک منگاتی ہے مُفلسی

دُنیا میں لے کے شاہ سے لے یارو، تا فقیر
خالق، نہ مُفلسی میں کسی کو کرے اسیر
اشراف کو بناتی ہے اِک آن میں حقیر
کیا کیا میں مُفلسی کی خرابی کہوں نظیرؔ
وہ جانے جس کے دل کو جلاتی ہے مُفلسی

شہر آشوب

ہے اب تو کچھ سخن کا مرے کاروبار بند
رہتی ہے طبع سوچ میں لیل و نہار بند
دریا سخن کی فکر کا ہے موج دار، بند
ہو کس طرح نہ مُنہ میں زباں بار بار بند
جب آگرے کی خلق کا ہو روزگار بند

بے روزگاری نے یہ دکھائی ہے مُفلسی
کوٹھے کی چھت نہیں ہے، یہ چھائی ہے مُفلسی
دیوار و در کے بیچ سمائی ہے مُفلسی
ہر گھر میں اِس طرح سے بھر آئی ہے مُفلسی
پانی کا ٹوٹ جاوے ہے جوں ایک بار بند

دنیا میں اب قدیم سے ہے زر کا بندوبست
اور بے زری میں، گھر کا، نہ باہر کا بندوبست
آقا کا انتظام، نہ نوکر کا بندوبست
مفلس جو مفلسی میں کرے گھر کا بندوبست
مکڑی کے تار کا ہے وہ نا استوار بند

کپڑا نہ گٹھری بیچ، نہ تھیلی میں زر رہا
خطرہ نہ چور کا، نہ اُچکّے کا ڈر رہا
رہنے کو بِن کواڑ کا پھوٹا کھنڈر رہا
کھنکھار، جاگنے کا، نہ مطلق اثر رہا
آنے سے بھی جو ہو گئے چور و چکار بند

اب آگرے میں جتنے ہیں، سب لوگ ہیں تباہ — آتا نظر کسی کا نہیں ایک دم نباہ
مانگو عزیزو، ایسے بُرے وقت سے پناہ — وہ لوگ ایک کوڑی کے محتاج اب ہیں آہ
کسب و ہنر کے یاد ہیں جن کو ہزار بند

صرّاف، بنیے، جوہری، اور سیٹھ، ساہوکار — دیتے تھے سب کو نقد، سو کھاتے ہیں اب اُدھار
بازار میں اُڑے ہے پڑی خاک بے شمار — بیٹھے ہیں یوں دُکانوں میں اپنی دُکان دار
جیسے کہ چور بیٹھے ہوں قیدی، قطار بند

سوداگروں کو سود، نہ بیوپاری کو فلاح — بزّاز کو ہے نفع، نہ پنساری کو فلاح
دلاّل کو ہے یافت، نہ بازاری کو فلاح — دُکھیا کو فائدہ، نہ پنہاری کو فلاح
یاں تک ہوا ہے آن کے لوگوں کا کار بند

مارے ہیں ہاتھ ہاتھ پہ سب یاں کے دست کار — اور جتنے پیشے دار ہیں، روتے ہیں زار زار
کوٹے ہے تن لُہار، تو پیٹے ہے سر سُنار — کچھ ایک دو کے کام کا رونا نہیں ہے یار
چھتّیس پیشے والوں کا ہے کاروبار بند

بیٹھے بساطی راہ میں تنکے سے چُنتے ہیں — جلتے ہیں نان بائی، تو بھڑبھونجے بھُنتے ہیں
دُھنیے بھی ہاتھ ملتے ہیں اور سر کو دُھنتے ہیں — روتے ہیں وہ جو مشروع و دارائی بُنتے ہیں
اور وہ تو مر گئے جو بُنیں تھے اِزار بند

لُوٹے ہیں گرد و پیش جو قزّاق، راہ مار — بیوپاری آتے جاتے نہیں ڈر سے زینہار
کُتوال رو دیں، خاک اُڑاتے ہیں چوکیدار — ملاّحوں کا بھی کام نہیں چلتا، میرے یار
ناویں ہیں گھاٹ گھاٹ کی سب وار پار بند

ہر دم کمان گروں کے اُپر پیچ و تاب ہیں — صحّاف اپنے حال میں غم کی کتاب ہیں
مرتے ہیں مینا ساز، مصوّر کباب ہیں — نقّاش، اِن سبھوں سے زیادہ خراب ہیں
رنگ و قلم کے ہو گئے نقش و نگار بند

بیچیں تھے وہ جو گوندھ کے پھولوں کی بدّھی، ہار　　مرجھا رہی ہے دل کی کلی، جی ہے داغ دار
جب آدھی رات تک نہ بکی جنسِ آب دار　　لاچار پھر وہ ٹوکری اپنی زمین پہ مار
جاتے ہیں، کر دکان کو آخر وہ ہار، بند

ڈمرو بجا کے وہ جو اُتارے ہیں زہرِ مار　　آپ ہی وہ کھیلتے ہیں ہلا سر، زمین پہ مار
منتر تو جب چلے کہ جو ہو پیٹ کا ادھار　　جب مفلسی کا سانپ ہو اُن کے گلے کا ہار
کیا خاک پھر وہ باندھیں کہیں جا کے مار بند

پھرتے ہیں نوکری کو جو بن کر رسال دار　　گھوڑے کی ہے لگام، نہ اونٹوں کی ہے مہار
کپڑا نہ لتّا، پال نہ پر تل، نہ بوجھ بھار　　یوں ہر مکاں میں آ کے اُترتے ہیں سوگ وار
جنگل میں جیسے دیتے ہیں لا کر اُتار، بند

محنت سے ہاتھ پاؤں کی، کوڑی نہ ہاتھ آئے　　بے کار کب تلک کوئی قرض و ادھار کھائے
دیکھو جسے، وہ کرتا ہے رو رو کے ہائے ہائے　　آتا ہے ایسے حال پہ رونا ہمیں تو ہائے
دشمن کا بھی خدا نہ کرے کاروبار بند

آمد نہ خادموں کے تئیں مقبروں کے بیچ　　باہمن بھی سر پٹکتے ہیں سب مندروں کے بیچ
عاجز ہیں علم والے بھی سب مدرسوں کے بیچ　　حیراں ہیں پیرزادے بھی اپنے گھروں کے بیچ
نذر و نیاز ہو گئی سب ایک بار بند

اِس شہر کے فقیر، بھکاری جو ہیں تباہ　　جس گھر میں جا سوال وہ کرتے ہیں خواہ مخواہ
”بھوکے ہیں، کچھ بھجائیو بابا خدا کی راہ“　　واں سے صدا یہ آتی ہے ”پھر مانگو“ جب تو آہ
کرتے ہیں ہونٹھ اپنے، وہ ہو شرمسار، بند

کیا چھوٹے کام والے، وہ کیا پیشہ ور نجیب　　روزی کے آج ہاتھ سے عاجز ہیں سب غریب
ہوتی ہے بیٹھے بیٹھے جب آ، شام، عن قریب　　اُٹھتے ہیں سب دکان سے کہہ کر کہ یا نصیب!
قسمت ہماری ہو گئی بے اختیار بند“

قسمت سے چار پیسے جنھیں ہاتھ آتے ہیں / البتہ روکھی سوکھی وہ روٹی پکاتے ہیں
جو خالی آتے ہیں، وہ قرض لینے جاتے ہیں / یوں بھی نہ پایا کچھ، تو فقط غم ہی کھاتے ہیں
سوتے ہیں، کر کواڑ کو اک آہ مار، بند

کیوں کر بھلا نہ مانگیے اِس وقت سے پناہ / محتاج ہو جو پھرنے لگے در بدر سپاہ
یاں تک امیر زادے، سپاہی، ہوئے تباہ / جن کے جلو میں چلتے تھے ہاتھی و گھوڑے آہ
وہ دوڑتے ہیں، اور کے پکڑے شکار بند

جو گھوڑا اپنا بیچ کے، زیں کو گرو رکھیں / یا تیغ اور سپر کو لیے چوک میں پھریں
پٹکا جو بکتا آوے، تو کیا خاک دے کے لیں / جب پیش قبض بک کے، پڑے روٹی پیٹ میں
پھر اُس کا کون مول لے وہ پیچ دار بند

جتنے سپاہی یاں تھے، نہ جانے کدھر گئے / دکھن کے تئیں نکل گئے، یا پیش تر گئے
ہتھیار بیچ، ہو کے گدا، گھر بہ گھر گئے / جب گھوڑے بھالے والے بھی یوں، در بدر گئے
پھر کون پوچھے اُن کو، جو اب ہیں کٹار بند

ایسا سپاہ مرد کا دشمن زمانہ ہے / روٹی سوار کو ہے، نہ گھوڑے کو دانہ ہے
تنخواہ، نہ طلب ہے، نہ پینا، نہ کھانا ہے / پیادے دوال بند کا پھر کیا ٹھکانا ہے
در در خراب پھرنے لگے جب نقار بند

جتنے ہیں آج آگرے میں کارخانہ جات / سب پر پڑی ہے آن کے روزی کی مشکلات
کس کس کے دکھ کو روئیے، اور کس کی کہیے بات / روزی کے اب درخت کا ہلتا نہیں ہے پات
ایسی ہوا کچھ آ کے ہوئی ایک بار بند

ہے کون سادہ دل جسے فرسودگی نہیں / وہ گھر نہیں کہ روزی کی نابودگی نہیں
ہر گز کسی کے حال میں بہبودگی نہیں / اب آگرے کے نام کو آسودگی نہیں
کوڑی کے آ کے ایسے ہوئے رہ گذار بند

بے وارثی سے آگرہ ایسا ہوا تباہ — پھوٹی حویلیاں ہیں، تو ٹوٹی شہر پناہ
ہوتا ہے باغباں سے ہر اک باغ کا نباہ — وہ باغ کس طرح نہ لُٹے، اور نہ اُجڑے آہ
جس کا نہ باغباں ہو، نہ مالی، نہ خار بند

کیوں یارو، اِس مکاں میں یہ کیسی چلی ہَوا — جو مُفلسی سے ہوش کسی کا نہیں بجا
جو ہے، سو اِس ہَوا میں دوانہ سا ہو رہا — سودا ہوا مزاجِ زمانہ کو یا خدا
تو ہے حکیم، کھول دے اب اِس کے چار بند

عاشق کہو، اسیر کہو، آگرے کا ہے — مُلّا کہو، دبیر کہو، آگرے کا ہے
مفلس کہو، فقیر کہو، آگرے کا ہے — شاعر کہو، نظیر کہو، آگرے کا ہے
اِس واسطے یہ اُس نے لکھے پانچ چار بند

کوڑی نامہ

کوڑی ہے جن کے پاس، وہ اہلِ یقین ہیں — کھانے کو اُن کے نعمتیں سو بہترین ہیں
کپڑے بھی اُن کے تن میں نہایت مہین ہیں — سمجھے ہیں اس کو وہ، جو بڑے نکتہ چین ہیں
کوڑی کے سب جہان میں نقش و نگین ہیں
کوڑی نہ ہو، تو کوڑی کے پھر تین تین ہیں

کوڑی نہ ہو، تو پھر یہ جھمیلا کہاں سے ہو — رتھ خانہ، فیل خانہ، طویلا کہاں سے ہو
مُنڈوا کے سر، فقیر کا چیلا کہاں سے ہو — کوڑی نہ ہو، تو سائیں کا میلا کہاں سے ہو
کوڑی کے سب جہان میں نقش و نگین ہیں
کوڑی نہ ہو، تو کوڑی کے پھر تین تین ہیں

کاندھے پہ تیغ دھرتے ہیں کوڑی کے واسطے — آپس میں خون کرتے ہیں کوڑی کے واسطے
یاں تک تو لوگ مرتے ہیں کوڑی کے واسطے — جو جان دے گزرتے ہیں کوڑی کے واسطے
کوڑی کے سب جہان میں نقش و نگین ہیں
کوڑی نہ ہو، تو کوڑی کے پھر تین تین ہیں

گالی و مار کھاتے ہیں کوڑی کے واسطے — شرم و حیا اُٹھاتے ہیں کوڑی کے واسطے
سو ملک جہان آتے ہیں کوڑی کے واسطے — مسجد کو دم میں ڈھاتے ہیں کوڑی کے واسطے
کوڑی کے سب جہان میں نقش و نگین ہیں
کوڑی نہ ہو، تو کوڑی کے پھر تین تین ہیں

بن کوڑی، خُر دیے کے برابر بھی پَت نہ تھی   کوڑی جب آئی پاس، تو بن بیٹھے سیٹھ جی
آگے گماشتوں کے کُھلی ہر طرف بَہی   پھر وہ جو کچھ کہیں، تو وہی بات ہے سہی
کوڑی کے سب جہان میں نقش و نگین ہیں
کوڑی نہ ہو، تو کوڑی کے پھر تین تین ہیں

لے مفلس اور فقیر سے، تا شاہ اور وزیر   کوڑی وہ دل رُبا ہے، کہ ہے سب کی دل پذیر
دیتے ہیں جان کوڑی پہ طفل و جوان و پیر   کوڑی عجب ہے چیز، میں اب کیا کہوں نظیر
کوڑی کے سب جہان میں نقش و نگین ہیں
کوڑی نہ ہو، تو کوڑی کے پھر تین تین ہیں

پیسا نامہ

پیسے ہی کا امیر کے دل میں خیال ہے   پیسے ہی کا فقیر بھی کرتا سوال ہے
پیسا ہی فوج، پیسا ہی جاہ و جلال ہے   پیسے ہی کا تمام یہ تنگ و دُوال ہے
پیسا ہی رنگ روپ ہے، پیسا ہی مال ہے
پیسا نہ ہو، تو آدمی، چرخے کی مال ہے

پیسے کے ڈھیر ہونے سے اب سیٹھ ساٹھ ہیں   پیسے کے زور شور ہیں، پیسے کے ٹھاٹھ ہیں
پیسے کے کوٹھے کوٹھیاں چھ سات آٹھ ہیں   پیسا نہ ہو، تو پیسے کے پھر ساٹھ ساٹھ ہیں
پیسا ہی رنگ روپ ہے، پیسا ہی مال ہے
پیسا نہ ہو، تو آدمی، چرخے کی مال ہے

پیسا جو ہووے پاس، تو کُندن کے ہیں ڈلے   پیسے بغیر مٹی کے اُس سے ڈلے بھلے

پیسے سے چُھنتی لاکھ کی، اک لعل دے کے لے ‏ پیسا نہ ہو تو کوڑی کو موتی کوئی نہ لے

پیسا ہی رنگ روپ ہے، پیسا ہی مال ہے
پیسا نہ ہو تو آدمی، چرخے کی مال ہے

پیسے سے چہرے تاش کے، طرّے سنہرے ہیں ‏ سیر و طرب کے عیش دمِ نزے گھرے گھرے ہیں
ہر لحظہ ماہِ عید نما شکل وچہرے ہیں ‏ ہر دم بسنت، ہولی، دوالی، دسہرے ہیں

پیسا ہی رنگ روپ ہے، پیسا ہی مال ہے
پیسا نہ ہو، تو آدمی، چرخے کی مال ہے

پیسا جو ہو تو دیو کی گردن کو باندھ لائے ‏ پیسا نہ ہو، تو مکڑی کے جالے سے خوف کھائے
پیسے سے لالا، بھیّا جی، اور چودھری کہائے ‏ بن پیسے، ساہوکار بھی اک چور سا دکھائے

پیسا ہی رنگ روپ ہے، پیسا ہی مال ہے
پیسا نہ ہو، تو آدمی، چرخے کی مال ہے

پیسے سے موٹی چوٹی کا عزّ و وقار ہے ‏ پیسے سے اعتبار ہے اور افتخار ہے
پیسے میں گر غمی ہو، تو وہ بھی بہار ہے ‏ پیسے بغیر شادی بھی ہووے، تو خوار ہے

پیسا ہی رنگ روپ ہے، پیسا ہی مال ہے
پیسا نہ ہو، تو آدمی، چرخے کی مال ہے

پیسا ہی حُسن دلاتا ہے النساں کے ہات کو ‏ پیسا ہی زیب دیتا ہے بیاہ اور برات کو
بھائی سگا بھی آن کے پوچھے نہ بات کو ‏ بن پیسے، یارو، دولھا بنے آدھی رات کو

پیسا ہی رنگ روپ ہے، پیسا ہی مال ہے
پیسا نہ ہو، تو آدمی، چرخے کی مال ہے

پیسے نے جس مکاں میں بچھایا ہے اپنا جال ‏ پھنستے ہیں اُس مکاں میں فرشتوں کے پرّ و بال
پیسے کے آگے کیا ہیں یہ محبوبِ خوش جمال ‏ پیسا، پری کو لائے پرستان سے نکال

پیسا ہی رنگ روپ ہے، پیسا ہی مال ہے
پیسا نہ ہو، تو آدمی، چرخے کی مال ہے

تیغ اور سپر اُٹھاتے ہیں پیسے کی چاٹ پر
تیر و سناں لگاتے ہیں پیسے کی چاٹ پر
یداں میں زخم کھاتے ہیں پیسے کی چاٹ پر
یاں تک کہ سر کٹاتے ہیں پیسے کی چاٹ پر

پیسا ہی رنگ روپ ہے، پیسا ہی مال ہے
پیسا نہ ہو، تو آدمی، چرخے کی مال ہے

عالم میں خیر کرتے ہیں پیسے کے زور سے
بنیاد دِیر کرتے ہیں پیسے کے زور سے
دوزخ میں فیر کرتے ہیں پیسے کے زور سے
جنّت کی سیر کرتے ہیں پیسے کے زور سے

پیسا ہی رنگ روپ ہے، پیسا ہی مال ہے
پیسا نہ ہو، تو آدمی، چرخے کی مال ہے

تلاشِ زر

دنیا میں کون ہے، جو نہیں ہے فدائے زر
جتنے ہیں، سب کے دل میں بھری ہے ہوائے زر
آنکھوں میں، دل میں، جان میں، سینے میں جائیے
ہم کو بھی کچھ تلاش نہیں اب، سوائے زر

جو ہے، سو ہو رہا ہے سدا مبتلائے زر
ہر اک یہی پکارے ہے دن رات، ہائے زر

کتنے تو زر کو، نقشِ طلسمات کہتے ہیں
اور کتنے زر کو، کشف و کرامات کہتے ہیں
کتنے، خدا کی عین عنایات کہتے ہیں
کتنے، اُسی کو قاضیِ حاجات کہتے ہیں

جو ہے، سو ہو رہا ہے سدا مبتلائے زر
ہر اک یہی پکارے ہے دن رات، ہائے زر

زر کھان میں گڑا ہے، تو واں بھی بہار ہے
شمشیر پر چڑھا ہے، تو واں بھی بہار ہے
دیوار میں لگا ہے، تو واں بھی بہار ہے
گر خاک میں گرا ہے، تو واں بھی بہار ہے

جو ہے، سو ہو رہا ہے سدا مبتلائے زر
ہر اک یہی پکارے ہے دن رات، ہائے زر

زر کے دیے سے پیر اور اُستاد نرم ہو
زر کے سبب سے، دشمنِ ناشاد نرم ہو
جو شوخ سنگ دل ہے پری زاد، نرم ہو
زر وہ ہے، جس کو دیکھ کے، فولاد نرم ہو

جو ہے، سو ہو رہا ہے سدا مبتلائے زر
ہر اک یہی پکارے ہے دن رات، ہائے زر

کپڑے پہ گر لگا ہے طلائی کلابتوں
میں اُس کے تار تار کی تعریف کیا کہوں
ہو دست رس، تو چور اُچکے کو کیا کہوں
میرے ہی دل میں ہے کہ میں ہی اُس کو چھین لوں

جو ہے، سو ہو رہا ہے سدا مبتلائے زر
ہر اک یہی پکارے ہے دن رات، ہائے زر

سونے کی جدولیں جو کتابوں پہ عام ہیں
وہ جدولیں، وہ رنگ، وہ سونے کے کام ہیں
جن کے ورق ورق بھی سنہرے تمام ہیں
سب میں زیادہ اُن کے ہی قیمت میں نام ہیں

جو ہے، سو ہو رہا ہے سدا مُبتلائے زر
ہر اک یہی پکارے ہے دن رات، ہائے زر

اب جن کے گھر میں ڈھیر ہیں سونے کے دام کے
ہر ایک اُمید وار ہیں اُن کے سلام کے
سب مل کے پاؤں چومے ہیں اُن کے غلام کے
کیا رُتبے ہیں طلائے علیہ السّلام کے

جو ہے، سو ہو رہا ہے سدا مبتلائے زر
ہر اک یہی پکارے ہے دن رات، ہائے زر

سونا اگرچہ زرد ہے، یا سرخ فام ہے
لیکن تمام خلق کو اُس سے ہی کام ہے

سب میں زیادہ، حُسن کی اُلفت کا دام ہے　　زر وہ ہے، جس کا حُسن بھی ادنا غلام ہے

جو ہے، سو ہو رہا ہے سدا مبتلائے زر
ہر اک یہی پکارے ہے دن رات، ہائے زر

ہوتی ہیں زر کے واسطے ہر جا چڑھائیاں　　کٹتے ہیں ہاتھ، پانو، گلے اور کلائیاں
بندوقیں، اور ہیں کہیں توپیں لگائیاں　　کُل زر کی ہو رہی ہیں جہاں میں لڑائیاں

جو ہے، سو ہو رہا ہے سدا مبتلائے زر
ہر اک یہی پکارے ہے دن رات، ہائے زر

جتنی جہاں میں خلق ہے کیا شاہ کیا وزیر　　پیر و مرید و مُفلس و محتاج اور فقیر
سب ہیں گے زر کے جال میں جی جان سے اسیر　　کیا کیا کہوں میں خوبیاں زر کی، میاں نظیرؔ

جو ہے، سو ہو رہا ہے سدا مبتلائے زر
ہر اک یہی پکارے ہے دن رات، ہائے زر

پیسا

نقش یاں جس کے میاں ہاتھ لگا پیسے کا — اس نے تیار ہر اک ٹھاٹھ کیا پیسے کا
گھر بھی پاکیزہ عمارت سے بنا پیسے کا — کھانا آرام سے کھانے کو ملا پیسے کا
کپڑا تن کا بھی ملا زیب فزا، پیسے کا

جب ہوا پیسے کا اے دوستو آکر سنجوگ — عشرتیں پاس ہوئیں، دور ہوئے من کے روگ
کھائے جب مال پوے، دودھ دہی موہن بھوگ — دل کو آنند ہوئے، بھاگ گئے روگ اور دھوگ
ایسی خوبی ہے، جہاں آنا ہوا پیسے کا

ساتھ اک دوست کے اک دن جو میں گلشن میں گیا — واں کے سرو و سمن و لالہ و گل کو دیکھا
پوچھا اس سے کہ یہ ہے باغ بتاؤ کس کا — اس نے تب گل کی طرح ہنس دیا اور مجھ سے کہا
مہرباں، مجھ سے یہ تم پوچھو ہو کیا، پیسے کا

یہ تو کیا اور جو ہیں اِس سے بڑے باغ و چمن — ہیں کھلے کیاریوں میں نرگس و نسرین و سمن
حوض، فوارے ہیں، بنگلوں میں بھی پردے چلون — جابجا قمری و بلبل کی صدا شور افگن
واں بھی دیکھا تو فقط گُل ہے کھلا پیسے کا

واں کوئی آیا لیے ایک مرصّع پنجرا — لال دستار، دوپٹا بھی ہرا جوں توتا
اس میں اک بیٹھی وہ مینا کہ ہو بلبل بھی فدا — میں نے پوچھا "یہ تمہارا ہے" رہا وہ چپکا
نکلی منقار سے مینا کی صدا، پیسے کا

واں سے نکلا تو مکاں اک نظر آیا ایسا — در و دیوار سے چمکے تھا پڑا آبِ طلا
سیم چونے کی جگہ، اس کی تھا اینٹوں میں لگا — واہ وا کر کے کہا میں نے یہ ہوگا کس کا

عقل نے جب مجھے چپکے سے کہا، پیسے کا

روٹھا عاشق سے جو معشوق کوئی ہٹ کا بھرا
اور وہ منّت سے کسی طور نہیں ہے منتا
خوبیاں پیسے کی اے یار کہوں میں کیا کیا
دل اگر سنگ سے بھی اُس کا زیادہ تھا کڑا
موم سا ہو گیا جب نام سُنا پیسے کا

جس گھڑی ہوتی ہے اے دوستو پیسے کی نمود
ہر طرح ہوتی ہے خوش وقتی و خوبی بہبود
خوش دلی، تازگی اور خرّمی کرتی ہے ورود
جو خوشی چاہیے، ہوتی ہے وہیں آموجود
دیکھا یارو تو یہ ہے عیش و مزا، پیسے کا

پیسے والے نے اگر بیٹھ کے لوگوں میں کہا
جیسا چاہوں تو مکاں ویسا ہی ڈالوں بنوا
حرفِ تکرار کسی کی جو زباں پر آیا
اس نے بنوا کے دیا جلدی سے ویسا ہی دِکھا
اُس کا یہ کام ہے اے دوستو، یا پیسے کا

ناچ اور راگ کی بھی خوب سی تیّاری ہے
حسن ہے، ناز ہے، خوبی ہے، طرح داری ہے
ربط ہے، پیار ہے، اور دوستی ہے، یاری ہے
غور سے دیکھا تو سب عیش کی بسیاری ہے
روپ جس وقت ہوا جلوہ نما، پیسے کا

دام میں دام کے، یارو، جو مرا دل ہے اسیر
اس لیے ہوتی ہے یہ میری زباں سے تقریر
جی بھی خوش رہتا ہے اور دل بھی بہت عیش پذیر
جس قدر ہو سکا میں نے کیا تحریر نظیر
وصف آگے میں لکھوں تا بہ کجا، پیسے کا

روپیا

نقشا ہے عیاں سو طرب و رقص کی رَے کا ۔۔۔ ہے ربط بہم طبلہ و سارنگی و نَے کا
جھنکار مجیروں کی ہے اور شور ہے نَے کا ۔۔۔ مینا کی جھلک، جام اُدھر چھلکے ہے تَے کا
جھمکا نظر آتا ہے ہر اک عیش کی شے کا
دنیا میں عجب روپ جھلکتا ہے روپے کا

ہر آن جہاں روپ روپے کے ہیں جھلکتے ۔۔۔ کیا کیا زر و زیور کے ہیں واں رنگ دمکتے
موتی بھی جھلکتے ہیں، جواہر بھی چمکتے ۔۔۔ سب ٹھاٹھ اِسی چلکے سے دیکھے ہیں چلکتے
جھمکا نظر آتا ہے ہر اک عیش کی شے کا
دنیا میں عجب روپ جھلکتا ہے روپے کا

بن ٹھن کے ہر اک بزم میں آتے ہیں اِسی سے ۔۔۔ میلوں میں، تماشوں میں بھی جاتے ہیں اسی سے
شیرینیاں، میوے بھی منگاتے ہیں اِسی سے ۔۔۔ کھاتے ہیں، اور اوروں کو کھلاتے ہیں اسی سے
جھمکا نظر آتا ہے ہر اک عیش کی شے کا
دنیا میں عجب روپ جھلکتا ہے روپے کا

پوشاکِ جھمک دار بناتے ہیں اسی سے ۔۔۔ حشمت کے چمتکار بناتے ہیں اسی سے
محلاتِ نمودار بناتے ہیں اِسی سے ۔۔۔ باغات چمن زار بناتے ہیں اسی سے
جھمکا نظر آتا ہے ہر اک عیش کی شے کا
دنیا میں عجب روپ جھلکتا ہے روپے کا

اِس روپ سے ہے حُسنِ فسوں کا رمہیا　　اِس روپ سے فرحت کے ہیں آثار مہیا
گجرے سے لگا طُرّۂ زرتار مہیا　　کیا موتیا ہے؟ موتیوں کے ہار مہیا
جھمکا نظر آتا ہے ہر اک عیش کی شے کا
دنیا میں عجب روپ جھلکتا ہے روپے کا

اِس روپ سے گرمی کے بھی سامان عیاں ہیں　　خس خانے ہیں چھڑکے ہوئے اور عطر فشاں ہیں
دن کو بھی جدھر دیکھیے ٹھنڈک کے نشاں ہیں　　اور شب کے بھی سونے کو ہوادار مکاں ہیں
جھمکا نظر آتا ہے ہر اک عیش کی شے کا
دنیا میں عجب روپ جھلکتا ہے روپے کا

اِس روپ سے بارش کی بھی چیزیں ہیں میسّر　　رتھ، چھتریاں، بارانیاں اور موم کی چادر
باہر بھی وہ دیکھیں ہیں بہاروں کو نظر بھر　　گھر میں بھی خوشی بیٹھے ہیں سامان بنا کر
جھمکا نظر آتا ہے ہر اک عیش کی شے کا
دنیا میں عجب روپ جھلکتا ہے روپے کا

یہ روپ جہاں ہیں، کوئی واں دل نہیں میلا　　اُجلے ہیں بچھے فرش، نہیں کچھ بھی کچیلا
دیکھو جدھر اسباب ہے خوش وقتی کا پھیلا　　بھرتا ہے اِسی تھیلی سے ہر جنس کا تھیلا
جھمکا نظر آتا ہے ہر اک عیش کی شے کا
دنیا میں عجب روپ جھلکتا ہے روپے کا

ظاہر میں تو اے دوستو راحت ہے اسی سے　　ہر آن دل و جاں کو مسرّت ہے اسی سے
ہر بات کی خوبی و فراغت ہے اسی سے　　عالم میں نظیرؔ عشرت و فرحت ہے اسی سے
جھمکا نظر آتا ہے ہر اک عیش کی شے کا
دنیا میں عجب روپ جھلکتا ہے روپے کا

روٹیاں

جب آدمی کے پیٹ میں آتی ہیں روٹیاں
پھولی نہیں بدن میں سماتی ہیں روٹیاں
آنکھیں پری رُخوں سے لڑاتی ہیں روٹیاں
سینے اُپر بھی ہاتھ چلاتی ہیں روٹیاں
جتنے مزے ہیں، سب یہ دکھاتی ہیں روٹیاں

روٹی سے جس کا ناک تلک پیٹ ہے بھرا
کرتا پھرے ہے کیا وہ اُچھل کود جا بہ جا
دیوار پھاند کر کوئی کوٹھا اُچھل گیا
ٹھٹّھا، ہنسی، شراب، صنم، ساقی، اِس سوا
سَو سَو طرح کی دھوم مچاتی ہیں روٹیاں

جس جا پہ ہانڈی، چولھا، توا اور تنور ہے
خالق کی قدرتوں کا اُسی جا ظہور ہے
چولھے کے آگے آنچ جو جلتی حضور ہے
جتنے ہیں نور، سب میں یہی خاص نور ہے
اِس نور کے سبب، نظر آتی ہیں روٹیاں

آوے توے، تنور کا جس جا زباں پہ نام
یا چکّی چولھے کا جہاں گُل زار ہو تمام
واں سر جھکا کے کیجیے ڈنڈوت اور سلام
اِس واسطے کہ خاص یہ روٹی کے ہیں مقام
پہلے اِنھی مکانوں میں آتی ہیں روٹیاں

اِن روٹیوں کے نور سے سب دل ہیں پور پور
آٹا نہیں ہے، چھلنی سے چھن چھن گرے ہے نور
پیڑا ہر ایک اُس کا ہے برفی و موتی چور
ہر گز کسی طرح نہ بجھے پیٹ کا تنور
اِس آگ کو مگر یہ بجھاتی ہیں روٹیاں

پوچھا کسی نے یہ کسی کامل فقیر سے
"یہ مہر و ماہ حق نے بنائے ہیں کاہے کے؟"

وہ سُن کے بولا، "بابا! خدا تجھ کو خیر دے　　ہم تو نہ چاند سمجھیں، نہ سورج ہیں جانتے
بابا! ہمیں تو یہ نظر آتی ہیں روٹیاں"

پھر پوچھا اُس نے "کہیے، یہ ہے دل کا نور کیا؟　　اِس کے مشاہدے میں ہے کھلتا ظہور کیا؟"
وہ بولا سن کے "تیرا گیا ہے شعور کیا!　　کشفُ القلوب اور یہ کشفُ القبور کیا؟
جتنے ہیں کشف، سب یہ دکھاتی ہیں روٹیاں"

روٹی جب آئی پیٹ میں، سو قند گھل گئے　　گل زار پھولے آنکھوں میں، اور عیش تُل گئے
دو تر نوالے پیٹ میں جب آ کے ڈھل گئے　　چودہ طبق کے، جتنے تھے، سب بھید کھل گئے
یہ کشف، یہ کمال، دکھاتی ہیں روٹیاں

روٹی نہ پیٹ میں ہو، تو پھر کچھ جتن نہ ہو　　میلے کی سیر، خواہشِ باغ و چمن نہ ہو
بھوکے، غریب دل کی، خدا سے لگن نہ ہو　　سچ ہے کہا کسی نے کہ، بھوکے بھجن نہ ہو
اللہ کی بھی یاد دلاتی ہیں روٹیاں

اب جن کے آگے مال پُوے بھر کے تھال ہیں　　پوری بھگت اُنھی کی، وہ صاحب کے لال ہیں
اور جن کے آگے روغنی اور شیر مال ہیں　　عارف وہی ہیں اور وہی صاحب کمال ہیں
پکّی پکائی اب جنھیں آتی ہیں روٹیاں

کپڑے کسی کے لال ہیں، روٹی کے واسطے　　لمبے کسی کے بال ہیں، روٹی کے واسطے
باندھے کوئی رومال ہیں، روٹی کے واسطے　　سب کشف اور کمال ہیں، روٹی کے واسطے
جتنے ہیں روپ، سب یہ دکھاتی ہیں روٹیاں

روٹی سے ناچے پیادہ، قواعد دِکھا دِکھا　　اَسوار ناچے، گھوڑے کو کاوا لگا لگا
گھنگرو کو باندھے پیک بھی پھرتا ہے ناچتا　　اور اِس سوا، جو غور سے دیکھا تو جا بہ جا
سو سو طرح کے ناچ دکھاتی ہیں روٹیاں

دُنیا میں اب بدی نہ کہیں اور نکوئی ہے　　نا دشمنی و دوستی، نا تُند خوئی ہے

کوئی کسی کا، اور کسی کا نہ کوئی ہے
سب کوئی ہے اُسی کا کہ جب ہاتھ ڈوئی ہے
نوکر، نفر، غلام، بناتی ہیں روٹیاں

روٹی کا اب ازل سے ہمارا تو ہے خمیر
روکھی بھی روٹی، حق میں ہمارے ہے شہد و شیر
یا پتلی ہووے، موٹی، خمیری ہو، یا فطیر
گیہوں کی، جوار، باجرے کی، جیسی ہو نظیرؔ
ہم کو تو سب طرح کی خوش آتی ہیں روٹیاں

چپاتی نامہ

جب ملی روٹی ہمیں، سب نورِ حق روشن ہوئے
رات، دن، شمس و قمر، شام و شفق، روشن ہوئے
زندگی کے تھے جو کچھ نظم و نسق، روشن ہوئے
اپنے، بے گانوں کے لازم تھے جو حق، روشن ہوئے
دو چپاتی کے ورق میں، سب ورق روشن ہوئے
اک رکابی میں ہمیں چودہ طبق روشن ہوئے

وہ جو اب کھاتے ہیں باقر خانی، کلچہ، شیرمال
ہیں وہ خاص الخاص درگاہِ کریم ذوالجلال
یہ جو روٹی دال کا رکھتے ہیں ہم گردن میں جال
جب ملی روٹی، وہیں ہم ہو گئے صاحب کمال
دو چپاتی کے ورق میں، سب ورق روشن ہوئے
اک رکابی میں ہمیں چودہ طبق روشن ہوئے

وہ تو اب مردِ خدا ہیں، قوت جن کا نور ہے
وہ ملائک ہیں، وہاں، روٹی کا کیا مذکور ہے
دل ہمارا تو فقط روٹی کا اب رنجور ہے
ہم شکم بندوں کا تو یارو، یہی دستور ہے
دو چپاتی کے ورق میں، سب ورق روشن ہوئے
اک رکابی میں ہمیں چودہ طبق روشن ہوئے

پیٹ میں روٹی پڑی، جب تک تو یارو خیر ہے
گر نہ ہو، پھر غیر کیا، اپنے ہی جی سے بیَر ہے
کھاتے ہی دو تر نوالے، آسماں پر پیر ہے
آسماں کیا، پھر تو خاصے لامکاں کی سیر ہے
دو چپاتی کے ورق میں، سب ورق روشن ہوئے
اک رکابی میں ہمیں چودہ طبق روشن ہوئے

جب تلک روٹی کا ٹکڑا ہو نہ دستر خوان پر
نے نمازوں میں لگے دل، اور نہ کچھ قرآن پر
رات دن روٹی چڑھی رہتی ہے سب کے دھیان پر
کیا خدا کا نور برسے ہے پڑا ہر نان پر
دو چپاتی کے ورق میں، سب ورق روشن ہوئے
اک رکابی میں ہمیں چودہ طبق روشن ہوئے

گر نہ ہوں دو روٹیاں اور اک پیالہ دال کا
کھیل پھر بگڑا پھرے یاں حال کا اور قال کا
گر نہ ہو روٹی، تو کس کا پیر، کس کا بالکا

وصف کس مُنہ سے کروں میں نان کے احوال کا
دو چپاتی کے ورق میں، سب ورق روشن ہوئے
اک رکابی میں ہیں چودہ طبق روشن ہوئے

پیٹ میں روٹی نہ تھی جب تک، دو عالم تھے سیاہ
جب پڑی روٹی، تو پہنچی عرش کے اوپر نگاہ
کُھل گئے، پردے تھے جتنے ماہی سے لے تا بہ ماہ
کیا کرامت ہے فقط روٹی میں، یارو، واہ واہ
دو چپاتی کے ورق میں، سب ورق روشن ہوئے
اک رکابی میں ہیں چودہ طبق روشن ہوئے

یوں چمکتا ہے پڑا ہر آن گردہ نان کا
جان آتی ہے لیے سے نام دستر خوان کا
چاند کا ٹکڑا کہوں میں، یا کہ ٹکڑا جان کا
روح ناچے ہے بدن میں، نام سُن کر خوان کا
دو چپاتی کے ورق میں، سب ورق روشن ہوئے
اک رکابی میں ہیں چودہ طبق روشن ہوئے

حُسن جتنے ہیں جہاں میں، سب بھرے ہیں نان میں
خوبیاں جتنی ہیں، آ کر سب بھری ہیں خوان میں
عاشق و معشوق بھی ٹکیا کے ہیں درمیان میں
پھنس رہے ہیں سب کے دل روٹی کے دسترخوان میں
دو چپاتی کے ورق میں، سب ورق روشن ہوئے
اک رکابی میں ہیں چودہ طبق روشن ہوئے

جو مرید، اپنا کسی درویش کو کرتا ہے پیر
یعنی، کچھ دیکھے تجلّی کی کرامت دل پذیر
کھاتے ہی دو روٹیاں، دل ہو گیا بدرِ منیر
کوئی روٹی سا نہیں اب پیر و مرشد، اے نظیرؔ
دو چپاتی کے ورق میں، سب ورق روشن ہوئے
اک رکابی میں ہمیں چودہ طبق روشن ہوئے

پیٹ کی فلاسفی

کرتا ہے کوئی جور و جفا پیٹ کے لیے
سہتا ہے کوئی رنج و بلا پیٹ کے لیے
سیکھا ہے کوئی مکر و دغا پیٹ کے لیے
پھرتا ہے کوئی بے سر و پا پیٹ کے لیے
جو ہے سو ہو رہا ہے فدا پیٹ کے لیے

عاجز ہیں اِس کے واسطے کیا شاہ، کیا وزیر
محتاج ہیں اِسی کے لیے بخشی و امیر
منشی، وکیل، ایلچی، متصدی و مُشیر
چاکر، نفر، غلام، تونگر، غنی، فقیر
سب کر رہے ہیں فکر سدا پیٹ کے لیے

اب خلق میں ہیں چھوٹے بڑے جتنے پیشہ ور
سیکھے اِسی کے واسطے سب کسب اور ہنر
صحّاف، جلد ساز، مُلمّچی، کمان گر
زیں دوز، گل فروش، بساطی، سفال گر
بیٹھے ہیں سب دُکان لگا پیٹ کے لیے

بیٹھے ہیں مسجدوں میں مُصلّے بچھا بچھا
جُبّے پہن کے، ہاتھ میں تسبیح کو پھرا

واعظ کے ہر سخن میں ہے کھانے کا مدّعا
عابد بھی، دعوتوں کی عبادت ہے کر رہا
زاہد بھی مانگتا ہے دعا پیٹ کے لیے

کیا مینے ساز کام کے، اور کیا مُرصّع کار
حکاک، کیا مصوّر و نقّاش، زر نگار
دیکھا تو نہ سُنار کوئی، اور نہ اب لُہار
سب اپنے اپنے پیٹ کے کرتے ہیں کاروبار
پیشہ ہر ایک نے سیکھ لیا پیٹ کے لیے

نٹ کھٹ، اُچکّے، چور، دغا باز، راہ مار
عیّار، جیب کترے، نظر باز، ہوشیار
سب اپنے اپنے پیٹ کے کرتے ہیں کاروبار
کوئی خدا کے واسطے کرتا نہیں شکار
بلّی بھی مارتی ہے چُہا، پیٹ کے لیے

بانکا سپاہی، خوب شجاعت میں بے جگر
وہ بھی اسی کے واسطے ہے تیغ اور تبر
لڑتا ہے توپ، تیر، تفنگوں میں آن کر
کھاتا ہے زخم، خون میں ہوتا ہے تر بتر
آخر کو سر بھی دے ہے کٹا، پیٹ کے لیے

فاضل کے فضل میں بھی اسی کی ہے التجا
عابد، نجومی کا بھی اسی پر ہے مدّعا
مُلّا بھی دن گزارے ہے لڑکے پڑھا پڑھا
شاعر بھی دیکھیے تو قصیدے بنا بنا
کیا کیا کرے ہے وصف و ثنا، پیٹ کے لیے

پڑھتے ہیں اب قران جو مُردوں کا لے کے نام
پھولوں میں بیٹھ، کرتے ہیں پنج آیتیں تمام
دوزخ میں، یا بہشت میں، مُردے کا ہو مقام
کچھ ہو، پر اُن کو حلوے و مانڈے سے اپنے کام
خوش ہو گئے، جب اُن کو ملا پیٹ کے لیے

اُلفت کسی کے دل میں، کسی میں پڑا ہے بیر
مانے کوئی حرم کو، کوئی پُوجتا ہے دَیر
کھانے کی ساری دوستی، کھانے کی ساری سیر
کہتا ہے اب فقیر بھی، دے کر دعائے خیر
بابا! کچھ آج مجھ کو دلا پیٹ کے لیے

ہیں جن کے پاس منصب و جاگیر و مال و جاہ
خوباں بھی اُن کے ساتھ کریں ہیں سدا نباہ

کھانے کی ساری دوستی، کھانے کی ساری چاہ   دیکھا جو خوب غور سے ہم نے، تو واہ واہ
معشوق بھی کرے ہیں وفا پیٹ کے لیے

جس کا شکم بھرا ہے، وہ ہنستا ہے مثلِ پھول   خالی ہے جس کا پیٹ، وہ روتا ہے، ہو ملول
جب تک نہ اِس گڑھے میں پڑے آکے خاک دھول   سوجھے دھرم، نہ دین، نہ اللہ، نہ رسول
جو جو کوئی کرے، سو بجا پیٹ کے لیے

زردار، مال دار، گدا، شاہ، کیا وزیر   سردار، کیا غریب، تونگر ہو، یا فقیر
ہر دم سبھوں کو دیکھا اِسی جال میں اسیر   اپنی یہی دعا ہے شب و روز اے نظیرؔ
دے شرم و آبروے خدا پیٹ کے لیے

آٹا دال

کیا کہوں نقشا میں یارو، خلق کے احوال کا
اہلِ دولت کا چلن یا مفلس و کنگال کا
یہ بیاں تو واقعی ہے ہر کسی کے حال کا
کیا تونگر، کیا غنی، کیا پیر اور کیا بالکا
سب کے دل کو فکر ہے دن رات آٹے دال کا

گر نہ آٹے دال کا اندیشہ ہوتا سدِّ راہ
تو نہ پھرتے ملک گیری کو وزیر و بادشاہ
ساتھ آٹے دال کے، لے حشمت و فوج و سپاہ
جا بہ جا گڑھ کوٹ سے لڑتے ہوئے پھرتے ہیں آہ
سب کے دل کو فکر ہے دن رات آٹے دال کا

گر نہ آٹے دال کا ہوتا قدم یاں درمیاں
منشی و میر و وزیر و بخشی و نواب و خاں
جاگتے دربار میں کیوں آدھی آدھی رات ہاں
کیا عجب نقشا پڑا ہے، آہ کیا کیجے بیاں
سب کے دل کو فکر ہے دن رات آٹے دال کا

گر نہ آٹے دال کا یاں کھٹکا ہوتا بار بار
دوڑتے کاہے کو پھرتے دھوپ میں پیادے سوار
اور جتنے ہیں جہاں میں پیشہ ور اور پیشہ دار
ایک بھی جی پر نہیں ہے اس سوا صبر و قرار
سب کے دل کو فکر ہے دن رات آٹے دال کا

اپنے عالم میں یہ آٹا دال بھی کیا فرد ہے
حُسن کی آن و ادا سب اِس کے آگے گرد ہے
عاشقوں کا بھی اِسی کے عشق سے مُنہ زرد ہے
تا کُجا کہیے کہ کیا وہ مرد، کیا نامرد ہے
سب کے دل کو فکر ہے دن رات آٹے دال کا

دل بروں کی چشم، ابرو، زلف کیا خط خال ہے
نازکی، شوخی، ادائیں، حسن، ملالوں لال ہے
کیا کمر پتلی ہے کافر، کیا ٹھمکتی چال ہے
غور کر دیکھا ہے جو کچھ ہے سو آٹا دال ہے

سب کے دل کو فکر ہے دن رات آٹے دال کا

اب جنھیں اللہ نے یاں کر دیا کامل فقیر
وہ تو بے پروا سخی داتا ہیں آپی دل پذیر
اور جتنے ہیں، وہ سب ہیں دال آٹے کے اسیر
ان غریبوں کی یہی اب شکل ہے گی اے نظیر

سب کے دل کو فکر ہے دن رات آٹے دال کا

مَوت

دُنیا میں اپنا جی کوئی بہلا کے مر گیا
دل تنگیوں سے اور کوئی اُکتا کے مر گیا
عاقل تھا وہ، تو آپ کو سمجھا کے مر گیا
بے عقل، چھاتی پیٹ کے، گھبرا کے مر گیا
دُکھ پا کے مر گیا، کوئی سُکھ پا کے مر گیا
جیتا رہا نہ کوئی، ہر اک آ کے مر گیا

دن رات دُن مچی ہے یہاں، اور پڑی ہے جنگ
چلتی ہے نِت اجل کی سناں، گولی اور تفنگ
جس کا قدم بڑھا، وہ مُوا وہیں بے درنگ
جو جی چھپا کے بھاگا، تو اُس کا ہوا یہ رنگ
وہ بھاگتے میں تیغ و تبر کھا کے مر گیا
جیتا رہا نہ کو ہر اک آ کے مر گیا

پیدا ہوئے ہیں خلق میں اب جتنے جُز و کُل
یا چُپ گزاری عمر، و یا دھوم کر چُہل
جب آن کر فنا نے کھِلایا اجل کا گُل
کام آئی کچھ کسی کو خموشی، نہ شور و غُل
چُپکے کوئی مُوا، کوئی چلّا کے مر گیا
جیتا رہا نہ کوئی، ہر اک آ کے مر گیا

پڑھ کر نماز، کوئی رہا پاک، باوضو
کوئی شراب پی کے پھرا مست کو بہ کو
ناپاکی، پاکی، موت کے ٹھہری نہ رو بہ رو
کوئی عبادتوں سے، مُوا ہو کے سُرخ رُو
ناپاک، رو سیاہ بھی، پچھتا کے مر گیا
جیتا رہا نہ کوئی، ہر اک آ کے مر گیا

بالغرض گر کسی کو ہوئی یا دکیمیا
یا مُفلسی میں ایک نے خونِ جگر پیا
کوئی زیادہ عُمر سے، اک دم نہیں جیا
سو بھی کسی نے روٹی چبا، غم میں جی دیا

قلیہ، پلاو، زردہ، کوئی کھا کے مر گیا
جیتا رہا نہ کوئی، ہر اک آ کے مر گیا

پہنا کسی نے خوب لباس عطر کا بھرا
یا چیتھڑوں کی گُدڑی کوئی اوڑھ کر پھرا
آخر کو جب اجل کی چلی آن کر ہوا
پُولے کے جھونپڑے کو کوئی چھوڑ کر چلا

باغ و مکاں، محل، کوئی بنوا کے مر گیا
جیتا رہا نہ کوئی، ہر اک آ کے مر گیا

گیسو بڑھا کے، کوئی مشائخ ہوا یہاں
یا بے لوا ہو، کوئی ہوا خود مُنڈا یہاں
جب مُرشدِ اجل کا قدم آیا درمیاں
کوئی تو لمبی داڑھی لیے ہو گیا رواں

مونچھیں، بھویں تلک کوئی منڈوا کے مر گیا
جیتا رہا نہ کوئی، ہر اک آ کے مر گیا

گر ایک بے وقار ہوا، ایک قدر دار
سر پر لگا جب آن کے تیغِ اجل کا وار
بے قدری کام آئی، کسی کا نہ کچھ وقار
تھا بے حیا، سو وہ تو مُوا کھو کے ننگ و عار

اور جس کو شرم تھی، سو وہ شرما کے مر گیا
جیتا رہا نہ کوئی، ہر اک آ کے مر گیا

عاشق ہو، گر کسی نے، کسی گل کی چاہ کی
عاشق نے اپنے عشق بڑھانے میں جان دی
اور جب اجل کی دونوں سے آ کر لگن لگی
معشوقی کام آئی کسی کی، نہ عاشقی

دل بر بھی اپنے حُسن کو چمکا کے مر گیا
جیتا رہا نہ کوئی، ہر اک آ کے مر گیا

مرنے سے پہلے مر گئے جو عاشقانِ زار
وہ زندۂ ابد ہوئے تا حشر بر قرار

کیا کاتبانِ اہلِ قلم، خوش نویس کار
جتنی کتابیں دیکھتے ہو، لاکھ یا ہزار
کوئی لکھ کے مرگیا، کوئی لکھوا کے مرگیا
جیتا رہا نہ کوئی، ہر اک آ کے مرگیا

پیر و مرید، شاہ و گدا، میر اور وزیر
سب آن کر اجل کے ہوئے دام میں اسیر
مُفلس، غریب، صاحبِ تاج و علم، سریر
کوئی ترس ترس کے مُوا غم میں اے نظیر
کوئی ہزاروں عیش کی ٹھہرا کے مرگیا
جیتا رہا نہ کوئی، ہر اک آ کے مرگیا

عالمِ گُذراں

کی وصل میں دل برنے عنایات، تو پھر کیا
یا ظلم سے دی ہجر کی آفات، تو پھر کیا
غصہ رہا، یا پیارے کی بات، تو پھر کیا
گر عیش سے عشرت میں کٹی رات، تو پھر کیا
اور غم میں بسر ہو گئی اوقات تو پھر کیا

مجنوں کی طرح ہم نے اگر دل کو لگایا
بے چین کیا روح کو، اور تن کو سُکھایا
دل برنے بھی لیلا کی طرح دل کو لُبھایا
جب آئی اجل، پھر کوئی ڈھونڈھا بھی نہ پایا
قصّوں میں رہے حرف و حکایات، تو پھر کیا

تھے وہ جو دُر و لعل سے بہتر لب و دنداں
آخر کو جو دیکھا، تو ملے خاک میں یکساں
جن آنکھوں کو ملنا ہو بھلا خاک کے درمیاں
دو دن اگر ان آنکھوں نے دنیا میں مری جاں
کی ناز و اداؤں کی اشارات، تو پھر کیا

دولت میں اگر ہم ہوئے دارا و سکندر
اور سات ولایت پہ کیا حکم سراسر

جب آئی اجل، پھر نہ رہا تخت، نہ افسر
اسپ و شتر و فیل و خر و نوبت و لشکر
گر قبر تلک اپنے چلا سات، تو پھر کیا

کامل ہو، اگر روشنی کی دل کی اندھیری
اور باگ تصرّف سے کرشمات کی پھیری
جب آئی اجل، پھر نہ چلی میری، نہ تیری
آخر کو جو دیکھا، تو ہوئے خاک کی ڈھیری
دو دن کی ہوئی کشف و کرامات تو پھر کیا

حجرے میں اگر بیٹھ کے ہم ہو گئے درویش
اور چلّہ کشی کر کے، ہمیشہ رہے دل ریش
عابد ہوئے، زاہد ہوئے، مرتاض، حق اندیش
جب آئی اجل، ایک ریاضت نہ گئی پیش
مر مر کے جو کی کوشش و طاعات، تو پھر کیا

پڑھ علم ریاضی، جو منجّم ہوئے دھومی
پیشانی مہ و زہرہ و برجیس کی چومی
آخر کو اجل سر کے اُپر آن کے گھومی
اِس عمرِ دو روزہ میں اگر ہو کے نجومی
سب چھان لیے ارض و سماوات، تو پھر کیا

گر اپنا ہوا منصب و جاگیر کا نقشا
اور ایک کو مر مر کے مِلا بھیک کا ٹکڑا
کیا فرق ہوا دونوں میں جب مرنا ہی ٹھہرا
اُس نے کوئی دن بیٹھ کے آرام سے کھایا
وہ مانگتا دَر دَر پھرا خیرات، تو پھر کیا

دُنیا میں لگا مفلس و درویش سے تا شاہ
سب زر کے طلب گار ہیں، ز ماہی سے تا ماہ
مرتا ہے کوئی مال پہ ڈھونڈے ہے کوئی جاہ
دولت ہی کا ملنا ہے بڑی چیز، نظیرؔ آہ
بالفرض ہوئی اُس سے ملاقات، تو پھر کیا

فنا نامہ

گر شاہ، سر پہ رکھ کر افسر، ہوا، تو پھر کیا
اور بحرِ سلطنت کا گوہر ہوا، تو پھر کیا

ماہی، علم، مراتب پُر زر ہوا تو پھر کیا ہوا   نوبت، نشاں، نقارہ، در پر ہوا تو پھر کیا

سب مُلک، سب جہاں کا سرور ہوا، تو پھر کیا

یا ذات میں کہائے نامی، اصیل، ذاتی   جمشید فر کے پوتے، نوشیرواں کے ناتی

تھے آپ مثلِ دولھا اور فوج تھی براتی   جب چل بسے، تو کوئی پھر سنگ تھا نہ ساتھی

ملک و مکاں، خزانہ، لشکر، ہوا تو پھر کیا

یا راج بنسی ہو کر، دنیا میں راج پایا   چتوڑ گڑھ، ستارا، کالنجر، آبنایا

جب توپ نے اجل کی آ مورچہ لگایا   سب اُڑ گئے ہوا پر، کوئی نہ کام آیا

گڑھ، کوٹ، توپ، گولا، لنگر، ہوا تو پھر کیا

کتنے دنوں یہ غل تھا، نواب ہیں، یہ خاں ہیں   یہ ابنِ پنج ہزاری، یہ عالی خانداں ہیں

جاگیر و مال و منصب سب آج ان کے ہاں ہیں   دیکھا تو اک گھڑی میں نہ نام نہ نشاں ہیں

دو دن کا شور چرچا گھر گھر ہوا، تو پھر کیا

کہتا تھا کوئی، گھوڑا ہے نام دار خاں کا   یہ پالکی، یہ ہاتھی، ہے ذوالفقار خاں کا

آیا قدم اجل کے جب تیس مار خاں کا   پھر بھی کہیں نہ دیکھا پھر شہ سوار خاں کا

جھمپان، میگ ڈمبر، در پر ہوا، تو پھر کیا

کہتا تھا کوئی، یہ ڈیوڑھی، ہے مہرباں خاں کی   یہ باغ، یہ حویلی، ہے محل دار خاں کی

جب راج نے قضا کے کرنی، بسولی ٹانکی   اک اینٹ بھی نہ پائی ہر گز کسی مکاں کی

رنگیں محل سنہرا، گھر در ہوا، تو پھر کیا

جاگیر میں کسی نے زر ریز ملک پایا   کر بندوبست، اپنا نظم و نسق بٹھایا

لے کر سند، اجل کا جب فوج دار آیا   اک دن میں حکم، حاصل، کسب ہو گیا پرایا

ہانسی، حصار، ٹھٹھا، بھکر، ہوا تو پھر کیا

کہتا تھا کوئی، یہ لشکر، ہے طرہ باز خاں کا   یہ خیمہ، شامیانہ، ہے شہ نواز خاں کا

آیا لُٹنگ، اجل کے جب یکّہ تاز خاں کا سر بھی کہیں نہ پایا پھر سرفراز خاں کا
سردار، میر بخشی، بڑھ کر ہوا تو پھر کیا

کہتے تھے کتنے، ہم تو ہیں ذات میں کلاں جی ہم شیخ، ہم مغل ہیں، ہم ہیں پٹھان، ہاں جی
جس دم قضا پکاری، اب اُٹھ چلو میاں جی پھر شیخ جی، نہ سیّد، مرزا رہے، نہ خاں جی
ذات وحسب نسب کا جوہر ہوا، تو پھر کیا

گھوڑا اُٹھا کے، ڈوبا فوجوں میں، ہو دلاور مارے تپنچے، بھالے، کھائے کٹار، جم دھر
مارا قضا نے بھالا جس دم فنا کا آکر پھر مردمی، شجاعت، سب ہو گئی برابر
خود و سلاح، چلتہ، بکتر، ہوا تو پھر کیا

یا ہو حکیم حاذق، کرنے لگے طبابت مُردوں کے تئیں جلایا عیسیٰ کی کی کرامت
کھوئے مرض ہزاروں، دھوئی ہر اک کی زحمت جب آئی سر پہ اپنے، پھر کچھ چلی نہ حکمت
لقمان یا فلاطون آکر ہوا، تو پھر کیا

یا ہو نجومی کامل، تاروں کو چھان ڈالا سورج گہن بچارے، چندر گہن نکالا
بُرج وستارے باندھے، احکام کو سنبھالا جب وقت اپنا آیا، اُس وقت کو نہ ٹالا
جوتش، نجوم، پنڈت پڑھ کر ہوا، تو پھر کیا

یا پڑھ کے دو کتابیں، اور علم کر کے حاصل یا بھوت، جن اُتارے، مشہور ہو کے عامل
جب دیو کا اجل کے، سایہ ہوا مقابل مُلّا رہا نہ سیانا، عالم رہا نہ فاضل
تعویذ، فال، جادو، منتر، ہوا تو پھر کیا

ماتھے پہ کھینچ ٹیکا، یا ہاتھ لے کے مالا پوتھی بغل میں دابی، زنّار کو سنبھالا
پوجا کتھا بکھانی، گیتا سبد نکالا کچھ بن سکا نہ، آیا جب جان لینے والا
بید و پُران پڑھ کر، مِسّر ہوا تو پھر کیا

یا زہد و بندگی میں سوکھا، ہو کوئی عابد بیٹھا مصلّوں اوپر، ہو مسجدوں میں ساجد

حاضر ہوا قضا کا جب آن کر مجاہد پھر بوریا نہ بدھنا، عابد رہا نہ زاہد
روزہ، نماز، چلّہ، اکثر ہوا تو پھر کیا

یا ہو کے پیرزادے، کرنے لگے فقیری کر کر مرید کتنے، کی اُن کی دست گیری
جب پیرہن کی کفنی آ کر اجل نے چیری سب اڑ گئی ہوا پر دم میں مریدی پیری
مرشد، فقیر، ہادی، رہ بر، ہوا تو پھر کیا

جوگی، اَتیت، جنگم، یا سیوڑا کہایا یا کھول کر جٹا کو، یا گھونٹ سر منڈایا
ترسول لے قضا کا، جب وقت سر پہ آیا نے بالکے کو تھاما، نہ آپ کو بچایا
نانک، کبیر پنتھی، بھرتھر، ہوا تو پھر کیا

یا نیک بن کے بیٹھے، اچھے لگے کہانے یا ہو کے بد، ہر اک کے دل کو لگے ستانے
آ کر بجے اجل کے جب سر پہ شادیانے تھے نیک و بد جہاں تک، سب لگ گئے ٹھکانے
بہتر ہوا تو پھر کیا، بدتر ہوا تو پھر کیا

فقیروں کی صدا

بٹ مار اجل کا آ پہنچا، ٹک اُس کو دیکھ ڈرو بابا
اب اشک بہاؤ آنکھوں سے، اور آہیں سرد بھرو بابا
دل، ہاتھ، اٹھا اِس جینے سے، لے بس من مار، مرو بابا
جب باپ کی خاطر روتے تھے، اب اپنی خاطر رو بابا
تن سوکھا، کبڑی پیٹھ ہوئی، گھوڑے پر زین دھرو بابا
اب موت نقارہ باج چکا، چلنے کی فکر کرو بابا

یہ اسپ بہت کودا اُچھلا، اب کوڑا مارو، زیر کرو
جب مال اکٹھا کرتے تھے، اب تن کا اپنے ڈھیر کرو
گڑھ ٹوٹا، لشکر بھاگ چکا، اب میان میں تم شمشیر کرو
تم صاف لڑائی ہار چکے، اب بھاگنے میں مت دیر کرو

تن سوکھا، کُبڑی پیٹھ ہوئی، گھوڑے پر زین دھرو بابا
اب موت نقارہ باج چکا، چلنے کی فکر کرو بابا

سر کانپا، چاندی بال ہوئے، مُنہ پھیلا، پلکیں آن جھکیں
قد ٹیڑھا، کان ہوئے بہرے، اور آنکھیں بھی چُندھیائی گئیں
سُکھ نیند گئی، اور بھوک گھٹی، دل سُست ہوا، آواز نہیں
جو ہونی تھی سو ہو گزری، اب چلنے میں کچھ دیر نہیں

تن سوکھا، کُبڑی پیٹھ ہوئی، گھوڑے پر زین دھرو بابا
اب موت نقارہ باج چکا، چلنے کی فکر کرو بابا

یہ عمر جسے تم سمجھے ہو، یہ ہر دم تن کو چُنتی ہے
جس لکڑی کے بل بیٹھے ہو، دن رات یہ لکڑی گھُنتی ہے
تم گٹھری باندھو کپڑے کی، اور دیکھ اجل سر دُھنتی ہے
اب موت کفن کے کپڑے کا یاں تانا بانا بُنتی ہے

تن سوکھا، کُبڑی پیٹھ ہوئی، گھوڑے پر زین دھرو بابا
اب موت نقارہ باج چکا، چلنے کی فکر کرو بابا

گھر بار، روپے اور پیسے میں، مت دل کو تم خرسند کرو
یا گور بناؤ جنگل میں، یا جمنا پر آنند کرو
موت آن لتاڑے گی آخر، کچھ مکر کرو، کچھ فند کرو

بس خوب تماشا دیکھ چکے، اب آنکھیں اپنی بند کرو
تن سوکھا، کُبڑی پیٹھ ہوئی، گھوڑے پر زین دھرو بابا
اب موت نقارہ باج چکا، چلنے کی فکر کرو بابا

بیوپار تو یاں کا بہت کیا، اب واں کا بھی کچھ سودا لو
جو کھیپ اُدھر کو چڑھتی ہے، اُس کھیپ کو یاں سے لدوا لو
اُس راہ میں جو کچھ کھاتے ہوں، اُس کھانے کو بھی منگوا لو
سب ساتھی پہنچے منزل پر، اب تم بھی اپنا رستا لو
تن سوکھا، کُبڑی پیٹھ ہوئی، گھوڑے پر زین دھرو بابا
اب موت نقارہ باج چکا، چلنے کی فکر کرو بابا

دو چار گھڑی، یا دو دن میں، اب تن سے جان نکلنی ہے
یہ ہڈی پسلی جتنی ہے، یا گھُلنی ہے یا جلنی ہے
ہے رات جو باقی تھوڑی سی، کوئی دم میں یہ بھی ڈھلنی ہے
اُٹھ باندھو کمر سویرے سے، تم کو بھی منزل چلنی ہے
تن سوکھا، کُبڑی پیٹھ ہوئی، گھوڑے پر زین دھرو بابا
اب موت نقارہ باج چکا، چلنے کی فکر کرو بابا

کچھ دیر نہیں اب چلنے میں، کیا آج چلو یا کل نکلو
کچھ کپڑا لتّا لینا ہو، سو جلدی باندھ سنبھل نکلو
اب شام نہیں، اب صبح ہوئی، جوں موم پگھل کر ڈھل نکلو
کیوں ناحق دھوپ چڑھاتے ہو، بس ٹھنڈے ٹھنڈے چل نکلو
تن سوکھا، کُبڑی پیٹھ ہوئی، گھوڑے پر زین دھرو بابا
اب موت نقارہ باج چکا، چلنے کی فکر کرو بابا

یہ اونٹ کرایے کا یارو، صندوق جنازہ باری ہے
جب اُس پر ہوا سوار چلے، پھر گھوڑا ہے، نہ عماری ہے
کس نیند پڑے تم سوتے ہو، یہ بوجھ تمھارا بھاری ہے
کچھ دیر نہیں اب آہ نظیرؔ، تیار کھڑی اسواری ہے
تن سوکھا، کُبڑی پیٹھ ہوئی، گھوڑے پر زین دھرو بابا
اب موت نقارہ باج چکا، چلنے کی فکر کرو بابا

بنجارانامہ

ٹک حرص و ہوا کو چھوڑ میاں، مت دیس بدیس پھرے مارا
قزاق اَجل کا لوٹے ہے دن رات، بجا کر نقّارا
کیا بدھیا، بھینسا، بیل، شتر، کیا گونیں، پلّا، سر بھارا
کیا گیہوں، چاول، موٹھ، مٹر، کیا آگ، دھواں، کیا انگارا
سب ٹھاٹھ پڑا رہ جاوے گا، جب لاد چلے گا بنجارا
گر تو ہے لکھی بنجارا، اور کھیپ بھی تیری بھاری ہے
اے غافل! تجھ سے بھی چڑھتا، اک اور بڑا بیوپاری ہے
کیا شکّر، مصری، قند، گری، کیا سانبھر، میٹھا، کھاری ہے
کیا داکھ، منقّا، سونٹھ، مرچ، کیا کیسر، لونگ، سپاری ہے
سب ٹھاٹھ پڑا رہ جاوے گا، جب لاد چلے گا بنجارا
تو بدھیا لادے، بیل بھرے، جو پورب پچھم جاوے گا

یا سود بڑھا کر لاوے گا، یا ٹوٹا، گھاٹا، پاوے گا
قزاق اجل کا رستے میں، جب بھالا مار گراوے گا
دھن، دولت، ناتی، پوتا کیا، اک کنبہ کام نہ آوے گا
سب ٹھاٹھ پڑا رہ جاوے گا، جب لاد چلے گا بنجارا

ہر منزل میں اب ساتھ ترے یہ جتنا ڈیرا ڈانڈا ہے
زر، دام، درم کا بھانڈا ہے، بندوق، سپر اور کھانڈا ہے
جب نایک تن کا نکل گیا، جو ملکوں ملکوں ہانڈا ہے
پھر ہانڈا ہے، نہ بھانڈا ہے، نہ حلوا ہے، نہ مانڈا ہے
سب ٹھاٹھ پڑا رہ جاوے گا، جب لاد چلے گا بنجارا

جب چلتے چلتے رستے میں، یہ گون تری ڈھل جاوے گی
اک بدھیا تیری مٹی پر، پھر گھاس نہ چرنے آوے گی
یہ کھیپ جو تو نے لادی ہے سب حصوں میں بٹ جاوے گی
دھی، پوت، جنوائی، بیٹا کیا، بنجارن پاس نہ آوے گی
سب ٹھاٹھ پڑا رہ جاوے گا، جب لاد چلے گا بنجارا

یہ کھیپ بھرے جو جاتا ہے، یہ کھیپ میاں مت گن اپنی
اب کوئی گھڑی، پل، ساعت میں، یہ کھیپ بدن کی ہے کفنی
کیا تھال، کٹورے چاندی کے، کیا پیتل کی ڈبیا، ڈھپنی
کیا برتن سونے روپے کے، کیا مٹی کی ہنڈیا چینی
سب ٹھاٹھ پڑا رہ جاوے گا، جب لاد چلے گا بنجارا

یہ دھوم دھڑکا ساتھ لیے، کیوں پھرتا ہے جنگل جنگل
اک تنکا ساتھ نہ جاوے گا، موقوف ہوا جب ان اور جل

گھر بار، اٹاری، چوبارے، کیا خاصا، تن سکھ، اور مخمل
کیا چلون، پردے، فرش نئے، کیا لال پلنگ اور رنگ محل
سب ٹھاٹھ پڑا رہ جاوے گا، جب لاد چلے گا بنجارا

کیوں جی پر بوجھ اٹھاتا ہے ان گونوں بھاری بھاری کے
جب موت کا لٹیرا آن پڑا، پھر دونے ہیں بیوپاری کے
کیا ساز جڑاؤ، زر، زیور، کیا گوٹے، تھان کناری کے
کیا گھوڑے زین سنہری کے، کیا ہاتھی لال عماری کے
سب ٹھاٹھ پڑا رہ جاوے گا، جب لاد چلے گا بنجارا

مغرور نہ ہو تلواروں پر، مت بھول بھروسے ڈھالوں کے
سب پتا توڑ کے بھاگیں گے، منہ دیکھ اجل کے بھالوں کے
کیا ڈبے موتی ہیروں کے، کیا ڈھیر خزانے مالوں کے
کیا بقچے تاش، مشجر کے، کیا تختے شال دوشالوں کے
سب ٹھاٹھ پڑا رہ جاوے گا، جب لاد چلے گا بنجارا

ہر آن نفع اور ٹوٹے میں، کیوں مرتا پھرتا ہے بن بن
ٹک غافل دل میں سوچ ذرا، ہے ساتھ لگا تیرے دشمن
کیا لونڈی، باندی، دائی، ددا، کیا بندا، چیلا نیک چلن
کیا مندر، مسجد، تال، کنواں، کیا گھاٹ، سرا، کیا باغ چمن
سب ٹھاٹھ پڑا رہ جاوے گا، جب لاد چلے گا بنجارا

جب مرگ پھرا کر چابک کو، یہ بیل بدن کا ہانکے گا
کوئی ناج سمیٹے گا تیرا، کوئی گون سیے اور ٹانکے گا
ہو ڈھیر اکیلا جنگل میں، تو خاک لحد کی پھانکے گا

اُس جنگل میں پھر آہ نظیر، اک بھُنگا آن نہ جھانکے گا
سب ٹھاٹھ پڑا رہ جاوے گا، جب لاد چلے گا بنجارا

رہے نام اللہ کا

دنیا میں کوئی خاص، نہ کوئی عام رہے گا
نہ صاحبِ مقدور، نہ ناکام رہے گا
زردار، نہ بے زر، نہ بد انجام رہے گا
شادی، نہ غم گردشِ ایام رہے گا
نہ عیش، نہ دُکھ درد، نہ آرام رہے گا
آخر وہی اللہ کا اک نام رہے گا

یہ چرخ جو کھاتا ہے بڑا گنبدِ ازرق
یہ چاند، یہ سورج، یہ ستارے ہیں معلق
لوح و قلم و عرشِ بریں، ثابت و مطلق
سب ٹھاٹھ یہ اک آن میں ہو جاوے گا ہُو حق
آغاز کسی شے کا، نہ انجام رہے گا
آخر وہی اللہ کا اک نام رہے گا

گر علم و ہنر سے ہے کوئی خلق میں مشہور
یا کشف و کرامات میں ہے صاحبِ مقدور
یا ایک کا بے نام و نشاں خلق میں مشہور
اک دم میں پلک مارتے ہو جاویں گے سب دُور
مستور، نہ مشہور، نہ گم نام رہے گا
آخر وہی اللہ کا اک نام رہے گا

مختاری کے غرّے سے جو کرتے ہیں سدا کام
یا جبر سے مجبوری کے رکھتے ہیں کئی دام
جب آکے فنا ڈالے گی اک گردشِ ایام
اِک آن میں اُڑ جائے گا سب چیز کا الزام
مختار، نہ مجبور، نہ خود کام رہے گا
آخر وہی اللہ کا اک نام رہے گا

اب دل میں بڑے اپنے جو کہلاتے ہیں عیّار / سو مکر و دغا کرتے ہیں اک آن میں تیار
جب آکے فنا ڈالے گی سر کے اُپر اک وار / اک وار کے لگتے ہی، یہ ہو جائیں گے سب پار

نے مکر، نہ حیلہ، نہ کوئی دام رہے گا
آخر وہی اللہ کا اک نام رہے گا

کرتے ہیں جو اب دل سے ریاضات و عبادات / یا عمر کو کھوتے ہیں، بہ رندی و خرابات
جب آکے فنا چھوڑے گی شمشیر کا اک ہات / پھر صاف ہے دونوں کی گنہ گاری و طاعات

نے رند، نہ عابد، نہ مے آشام رہے گا
آخر وہی اللہ کا اک نام رہے گا

جھگڑا نہ کرے ملّت و مذہب کا کوئی یاں / جس راہ میں جو آن پڑے، خوش رہے ہر آں
زنار گلے، یا کہ بغل بیچ ہو قرآں / عاشق تو قلندر ہیں، نہ ہندو، نہ مسلماں

کافر، نہ کوئی صاحبِ اسلام رہے گا
آخر وہی اللہ کا اک نام رہے گا

جو شاہ کہاتے ہیں، کوئی اُن سے یہ پوچھو / دارا و سکندر وہ گئے آہ، کدھر کو؟
مغرور نہ ہو شوکت و حشمت پہ وزیرو! / اِس دولت و اقبال پہ مت بھولو امیرو!

نہ ملک، نہ دولت، نہ سرانجام رہے گا
آخر وہی اللہ کا اک نام رہے گا

اب جتنی کھڑی دیکھو ہو عالم میں عمارات / یا جھونپڑے دو کوڑی کے، یا لاکھ کے محلات
کیا پست مکاں، کیا یہ تہوادار مکانات / اک اینٹ بھی ڈھونڈھے کہیں آنے کی نہیں ہات

دالان، نہ حجرہ، نہ در و بام رہے گا
آخر وہی اللہ کا اک نام رہے گا

یہ باغ و چمن اب جو ہر اک جا ہیں رہے پھول / یہ شاخ، یہ غنچے، یہ ہرے پات، یہ پھل پھول

آ جاوے گی جب بادِ خزاں ان کے اوپر جھول	ہر خار کی، ہر پھول کی، اُڑ جاوے گی سب جھول
نہ زرد، نہ سُرخ، اور نہ سیہ فام رہے گا
آخر وہی اللہ کا اک نام رہے گا

مے خوار بھی کتنے ہوئے یاں مے کے مُلاقی	ساقی بھی کئی ہو گئے محبوب و نشاقی
لا جام کوئی بھر کے، جو ہو اور بھی باقی	فرصت ہے غنیمت، کوئی دم کو، ارے ساقی
نہ مے، نہ صراحی، نہ ترا جام رہے گا
آخر وہی اللہ کا اک نام رہے گا

یہ عاشق و معشوق جو کرتے ہیں ہم چاہ	آگے بھی بہت عاشق و معشوق تھے واللہ
وہ شخص کہاں جاتے رہے، اے مرے اللہ	اس بات سے معلوم ہوا اب تو یہی آہ!
نہ عشق، نہ عاشق، نہ دل آرام رہے گا
آخر وہی اللہ کا اک نام رہے گا

یہ شعر و غزل، اب جو بناتے ہیں زبانی	آگے بھی بہت چھوڑ گئے اپنی نشانی
دیوان بنایا، کوئی قصہ، کہ کہانی	کچھ باقی نظیرؔ اب نہیں، سب چیز ہے فانی
خمسہ، نہ غزل، فرد، نہ ایہام رہے گا
آخر وہی اللہ کا اک نام رہے گا

فنا

(۱)

دنیا میں کوئی شاد، کوئی درد ناک ہے	یا خوش ہے یا الم کے سبب سینہ چاک ہے
ہر ایک دم سے جان کا ہر دم تپاک ہے	ناپاک تن پلید، نجس یا کہ پاک ہے
جو خاک سے بنا ہے، وہ آخر کو خاک ہے

ہے آدمی کی ذات کا اِس جا بڑا ظہور — لے عرش تا بہ فرش چمکتا ہے جس کا نور
گزرے ہے اُن کی قبر پہ جب وحش اور طیور — رو رو یہی کہے ہے ہر اک قبر کے حضور
جو خاک سے بنا ہے وہ آخر کو خاک ہے

دنیا سے جب کہ انبیا اور اولیا اُٹھے — اجسامِ پاک اُن کے اِسی خاک میں رہے
روحیں ہیں خوب حال میں روحوں کے ہیں مزے — پر جسم سے تو اب یہی ثابت ہوا مجھے
جو خاک سے بنا ہے، وہ آخر کو خاک ہے

وہ شخص، تھے جو سات ولایت کے بادشاہ — حشمت میں جن کی عرش سے اونچی تھی بارگاہ
مرتے ہی اُن کے تن ہوئے گلیوں کی خاکِ راہ — اب اُن کے حال کی بھی یہی بات ہے گواہ
جو خاک سے بنا ہے، وہ آخر کو خاک ہے

کس کس طرح کے ہو گئے، محبوبِ کج کلاہ — تن جن کے مثلِ پھول تھے اور مُنہ بھی رشکِ ماہ
جاتی ہے اُن کی قبر پہ جس دم مری نگاہ — روتا ہوں جب تو میں یہی کہہ کہہ کے دل میں آہ
جو خاک سے بنا ہے، وہ آخر کو خاک ہے

وہ گورے گورے تن کہ جنھوں کی تھی دل میں جائے — ہوتے تھے میلے اُن کے کوئی ہاتھ گر لگائے
سو ویسے تن کو، خاک بنا کر ہوا اُڑائے — رونا مجھے تو آتا ہے، اب کیا کہوں میں ہائے
جو خاک سے بنا ہے، وہ آخر کو خاک ہے

عمدوں کے تن کو تانبے کے صندوق میں دھرا — مفلس کا تن پڑا رہا ماٹی اُپر پڑا
قائم یہاں یہ اور نہ ثابت وہ واں رہا — دونوں کو خاک کھا گئی، یارو کہوں میں کیا
جو خاک سے بنا ہے، وہ آخر کو خاک ہے

گر ایک کو ہزار روپے کا ملا کفن — اور ایک یوں پڑا رہا بے کس، برہنہ تن
کیڑے مکوڑے کھا گئے، دونوں کے تن بدن — دیکھا جو ہم نے آہ تو سچ ہے یہی سخن
جو خاک سے بنا ہے، وہ آخر کو خاک ہے

جتنے جہاں میں ناج ہیں، کنگنی سے تا گیہوں
اور جتنے میوہ جات ہیں، تر، خشک گوناگوں
کپڑے جہاں تلک ہیں، سپید و سیہ نموں
کمخواب، تاش، بادلہ، کس کس کا نام لوں
جو خاک سے بنا ہے، وہ آخر کو خاک ہے

جتنے درخت دیکھو ہو، بوٹے سے تابہ جھاڑ
بڑ، پیپل، آنب، نیب، چھوارا، کھجور، تاڑ
سب خاک ہوں گے جب کہ فنا ڈالے گی اکھاڑ
کیا بوٹے ڈیڑھ ہاتھ کے، کیا جھاڑ، کیا پہاڑ
جو خاک سے بنا ہے، وہ آخر کو خاک ہے

جتنا یہ خاک کا ہے طلسمات بن رہا
پھر خاک اس کو ہونا ہے یارو، جدا جدا
ترکاری، ساگ پات، زہر، امرت اور دوا
زر، سیم، کوڑی، لعل، زمرد، اور ان سوا
جو خاک سے بنا ہے، وہ آخر کو خاک ہے

گڑھ، کوٹ، توپ، رہکلا، تیغ و کمان و تیر
باغ و چمن، محل و مکاناتِ دل پذیر
ہونا ہے سب کو آہ اِسی خاک میں خمیر
میری زباں پہ اب تو یہی بات ہے نظیرؔ
جو خاک سے بنا ہے، وہ آخر کو خاک ہے

فنا

(۲)

پڑھ علم کئی اِس دنیا میں گر کامل، ذی ادراک ہوئے
اور لاد کتابیں اونٹوں پر، ہر معنی کے درّاک ہوئے
معقول پڑھے، منقول پڑھے، ہر منطق میں چالاک ہوئے
یاں جتنے علم کے دریا ہیں، اُن دریا کے پیراک ہوئے
سب جیتے جی کے جھگڑے ہیں، سچ پوچھو تو کیا خاک ہوئے
جب موت سے آ کر کام پڑا، سب قصّے قضیے پاک ہوئے

رمّال، نجومی جفری ہو، یا غیبوں کے احکام کہے
کُل تارے چھان لیے سارے اور پھینکے تختوں پر قرعے
مُنہ دیکھ اجل کی شکلوں کا، سب داخل خارج بھول گئے
نہ رمل، جفر، کچھ پیش گئے، نہ تختے قرعے کام آئے

سب جیتے جی کے جھگڑے ہیں، سچ پوچھو تو کیا خاک ہوئے
جب موت سے آکر کام پڑا، سب قصّے قضیے پاک ہوئے

مشہور حکیم اور بید ہوئے یاں، پڑھ کر علم طبابت کا
دالان کتابوں سے روکا اور نسخوں سے صندوق بھرا
جب موت مرض نے آن لیا، سب بھولے نبض اور قارورا
گو نسخے لاکھ مجرّب تھے، پر کام نہ آیا اک نسخا

سب جیتے جی کے جھگڑے ہیں، سچ پوچھو تو کیا خاک ہوئے
جب موت سے آکر کام پڑا، سب قصّے قضیے پاک ہوئے

لے ہاتھ قلم اور باندھ سپر گر ہوئے سپاہی متصدّی
دن رات لڑے گڑھ، کاغذ سے شمشیر کھنچی اور قلم چلی
جب کلکِ قضا نے حرف لکھے اور سیف اجل کی آ چمکی
یاں دفتر طبلک ڈوب گئے، واں تیغ سپر بھی پٹ پڑی

سب جیتے جی کے جھگڑے ہیں، سچ پوچھو تو کیا خاک ہوئے
جب موت سے آکر کام پڑا، سب قصّے قضیے پاک ہوئے

اِس دنیا کے دھن دولت میں گر شاہِ سلیماں جاہ چلے
یا ٹھہرے میر، وزیرِ اعظم یا راجا بن کر آہ چلے
مُنہ دیکھ اجل کے لشکر کا، تب لے کر گھر کی راہ چلے

نے ہاتھی گھوڑے سنگ گئے نے تخت چھتر ہم راہ چلے
سب جیتے جی کے جھگڑے ہیں سچ پوچھو تو کیا خاک ہوئے
جب موت سے آکر کام پڑا سب قصّے قضیے پاک ہوئے

سب چھوٹا فقیر آزاد ہوئے یا دنیا داری لوٹ گئے
یا شال دوشالے اوڑھ پھرے یا اجلے پیوند گوٹ گئے
سنگ اور قضا کے سونٹے سے سر دونوں کے جب پھوٹ گئے
یاں سیلی تاگے لوٹ گئے واں جامے تن کے چھوٹ گئے
سب جیتے جی کے جھگڑے ہیں سچ پوچھو کیا خاک ہوئے
جب موت سے آکر کام پڑا سب قصّے قضیے پاک ہوئے

یا حاکم یا محکوم ہوئے یا قائل یا معقول ہوئے
یا خادم یا مخدوم ہوئے یا جاہل یا مجہول ہوئے
زردار ہوئے سردار ہوئے مردود ہوئے مقبول ہوئے
کچھ اور نہ دیکھا آخر کو سب انت اسی میں دھول ہوئے
سب جیتے جی کے جھگڑے ہیں سچ پوچھو تو کیا خاک ہوئے
جب موت سے آکر کام پڑا سب قصّے قضیے پاک ہوئے

گر تیز بخیلی زہر ہوئے یا بخشش میں تریاک ہوئے
یا نخل ہوئے پر میووں کے یا خالی پاتوں ڈھاک ہوئے
یا عمر گزاری عشرت میں یا سو غم سے غم ناک ہوئے
پھل پھول بھی کھائے گلشن کے یا گلیوں کے خاشاک ہوئے
سب جیتے جی کے جھگڑے ہیں سچ پوچھو تو کیا خاک ہوئے
جب موت سے آکر کام پڑا سب قصّے قضیے پاک ہوئے

حکاک، مصوّر، زرگر تھے، یا ہاتھ تبر اور تیشے تھے
یا پھیری سے دوکان بسی، یا جنگل جنگل بیشے تھے
جو علم و ہنر سیکھے تھے اور جتنے اپنے پیشے تھے (کذا)
بس اور نظیرؔ اب کیا کہیے، سب ناحق کے اندیشے تھے

سب جیتے جی کے جھگڑے ہیں سچ پوچھو تو کیا خاک ہوئے
جب موت سے آکر کام پڑا سب قصّے قضیے پاک ہوئے

موت

دنیا کے بیچ، یارو، سب زیست کا مزا ہے
جیتوں کے واسطے ہی یہ ٹھاٹھ سب ٹھٹھا ہے
جب مر گئے تو آخر پھر عمر، خاکِ پا ہے
نہ باپ ہے، نہ بیٹا، نہ یار آشنا ہے
ڈرتی ہے روح، یارو اور جی بھی کانپتا ہے
مرنے کا نام مت لو، مرنا بُری بلا ہے

جیتوں کے دل کو ہر دم کیا عیش پے بہ پے ہے
گل زار، ناچ، سیریں، ساقی، صراحی، مے ہے
جب مر گئے تو ہرگز مے ہے، نہ کوئی شے ہے
اِس مرگ کے ستم کو کیا کیا کہوں میں، ہے ہے
ڈرتی ہے روح، یارو اور جی بھی کانپتا ہے
مرنے کا نام مت لو، مرنا بُری بلا ہے

ہے دم کی بات جو تھے مالک یہ اپنے گھر کے
جب مر گئے تو ہرگز گھر کے رہے، نہ در کے
یوں مٹ گئے کہ گویا تھے نقش رہ گذر کے
پوچھا نہ پھر کسی نے، یہ تھے میاں کدھر کے
ڈرتی ہے روح یارو، اور جی بھی کانپتا ہے
مرنے کا نام مت لو، مرنا بُری بلا ہے

مرنے کے بعد کوئی الفت نہ پھر جتاوے | نے بیٹا پاس آوے، نے بھائی مُنہ لگاوے
جو دیکھے اُن کی صورت، دہشت سے بھاگ جاوے | اس مرگ کی جفائیں کیا کیا کوئی سناوے

ڈرتی ہے روح، یارو، اور جی بھی کانپتا ہے
مرنے کا نام مت لو، مرنا بُری بلا ہے

پیتے تھے دودھ شربت اور چابتے تھے میوا | مرتے ہی پھر کچھ اُن کا سکّہ رہا نہ تھیوا
بچے یتیم ہو گئے، بی بی کہائی بیوا | اس مرگ نے اکھاڑا کس کس بدن کا لیوا

ڈرتی ہے روح، یارو، اور جی بھی کانپتا ہے
مرنے کا نام مت لو، مرنا بُری بلا ہے

جب روح تن سے نکلی، آنا نہیں یہاں پھر | کاہے کو دیکھنے ہیں یہ باغ و بوستاں پھر
ہاتھی پہ چڑھ کے یاں پھر گھوڑے پہ چڑھ کے واں پھر | جب مر گئے تو لوگو یہ عشرتیں کہاں پھر

ڈرتی ہے روح، یارو، اور جی بھی کانپتا ہے
مرنے کا نام مت لو، مرنا بُری بلا ہے

گھر ہو بہشت جن کا اور بھر رہی ہو دولت | اسباب عشرتوں کے محبوب خوب صورت
پھر مرتے وقت اُن کو کیوں کر نہ ہووے حسرت | کیا سخت بے بسی ہے، کیا سخت ہے مصیبت

ڈرتی ہے روح، یارو، اور جی بھی کانپتا ہے
مرنے کا نام مت لو، مرنا بُری بلا ہے

کھانے کو اُن کے نعمت سو سو طرح کی آتی | اور وہ نہ پا دیں ٹکڑا دیکھو ٹک اُن کی چھاتی
کوڑی کی جھونپڑی بھی چھوڑی نہیں ہے جاتی | لیکن نظیرؔ سب کچھ یہ موت ہے چھڑاتی

ڈرتی ہے روح، یارو، اور جی بھی کانپتا ہے
مرنے کا نام مت لو، مرنا بُری بلا ہے

خوابِ غفلت

جب یار نے اُٹھائی چھڑی، تب خبر ہوئی
اور وہیں اک بدن پہ جڑی، تب خبر ہوئی
الفت کی آگ دل میں پڑی، تب خبر ہوئی
جب آنکھ اس صنم سے لڑی، تب خبر ہوئی
غفلت کی گرد دل سے جھڑی، تب خبر ہوئی

جب تک چڑھی جوانی تھی اور بال تھے سیاہ
الفت کسی سے پیار محبت کسی سے چاہ
آئی شراب اِس میں بڑھاپے کی خوامخواہ
پہلے کے جام میں نہ ہوا کچھ نشہ تو آہ
دل برنے دی پھر اُس سے کڑی، تب خبر ہوئی

تھے جب تلک ادھیڑ رہے تو بھی ولولے
اور جب سفید ہو کے ہوئے برف کے ڈلے
یاروں سے جب تو بولے کہ لو یارو ہم چلے
لائے تھے ہم تو عمر پٹا یاں لکھا دلے
جب سیاہی پر سفیدی چڑھی، تب خبر ہوئی

داڑھی کی جب کہ رات گئی اور صبح ہوئی
تو بھی یہ دل میں خوش تھے کہ مرنا نہیں ابھی
دل بر کھڑا بجاوے تھا گھڑیال عمر کی
سن سن تو شاد ہوتے تھے پر کچھ خبر نہ تھی
باجی جب آ گجر کی گھڑی، تب خبر ہوئی

اس حال پر بھی کچھ نہ ہوئی دید اور شنید
دانتوں پر اس میں آن کے ہل چل پڑی شدید
منشی قضا کا لکھنے لگا جنس کی رسید
داڑھیں لگیں اکھڑنے کو دنداں ہوئے شہید
مجلس میں چل بچل یہ پڑی، تب خبر ہوئی

اِس پوپلے ہی مُنہ سے لگے کرنے پھر نباہ
کانوں کے اِس میں آن کے پردے ہوئے تباہ
گردن پھر اس میں ہلنے لگی، کم ہوئی نگاہ
بن دانت بھی ہنسے، پہ جب آنکھیں چلیں تو آہ

جب لاگی آنسوؤں کی جھڑی، تب خبر ہوئی

ڈھاتے تھے واں مزور تو تن کی محل سرا
یہ گھر بنا رہے تھے دِوالیس اُٹھا اُٹھا
اِس میں قضا کا راج جو کوٹھے پہ آ چڑھا
شہتیر سا جو قد تھا سو خم ہو کے جھک گیا
گرنے لگی کڑی پہ کڑی، تب خبر ہوئی

یہ تو لگائے بیٹھے تھے اپنی بڑی دکان
تھے غرق لین دین میں اور کچھ نہ تھا دھیان
لیکھا جب اس میں عمر کا ڈیوڑھا ہوا جب آن
گیا جو لنڈھ چلا، نہ ہوا تب بھی کچھ گیان
جب لُٹ گئی دھڑی کی دھڑی، تب خبر ہوئی

بستر پہ جب تو آن پڑے لوٹ کر نڈھال
اٹھنے دے کون آہ جو کروٹ ہوئی محال
ہونے لگی فرشتوں سے نظروں میں قیل وقال
جی غش میں ڈوبا تو بھی نہ تھا کوچ کا خیال
جب سانس آ گلے میں اڑی، تب خبر ہوئی

چھاتی پہ چڑھ قضا نے لیا جب گلے کو گھونٹ
پانی کا پھر تو آہ نہ اُترا گلے سے گھونٹ
اُکھڑی بدن سے جان بھی رگ رگ سے چھوٹ چھوٹ
پنجہ دکھایا شیر نے تو بھی یہ سمجھے جھوٹ
جب چاب لی گلے کی نرٹی، تب خبر ہوئی

کاندھے پہ رکھ کے پالکی لے آئے جب کہار
اور غل مچا کے بولے کہ جلدی سے ہو سوار
اِس میں نہا کے آپ بھی جلدی ہوئے تیار
کپڑے بدل کے، عطر لگا، پہن پھول ہار
نکلی سواری، دھوم پڑی، تب خبر ہوئی

جب پالکی میں چڑھ کے چلا آپ کا بدن
کلمہ نقیب پڑھتے چلے ساتھ کر پھبن
تو بھی یہ کہتے تھے کہ ہوا کون بے وطن
جب آئے اس گڑھے میں نظیر اور ہزار من
اوپر سے آ کے خاک پڑی، تب خبر ہوئی

تنبیہ الغافلیں

جہاں ہے جب تلک یاں سیکڑوں شادی و غم ہوں گے
ہزاروں عاشقِ جاں باز اور لاکھوں صنم ہوں گے
کنار و بوس اور عیش و طرب بھی دم بہ دم ہوں گے
مگر جتنے یہ اپنی صف کے ہیں، یہ سب عدم ہوں گے

نہ یہ چہلیں، نہ یہ دھومیں، نہ یہ چرچے بہم ہوں گے
میاں اک دن وہ آوے گا، نہ تم ہو گے نہ ہم ہوں گے

تمھارا اب ہے جتنا حُسن کا عالم، غنیمت ہے
اگر ہے بیش تو بہتر، و گر نہ کم غنیمت ہے
ہمارا دیکھنا اور عاشقی کا غم، غنیمت ہے
بھروسا کچھ نہیں دم کا، عزیزو، دم غنیمت ہے

نہ یہ چہلیں، نہ یہ دھومیں، نہ یہ چرچے بہم ہوں گے
میاں اک دن وہ آوے گا، نہ تم ہو گے نہ ہم ہوں گے

چمن میں چل کے بیٹھو اور صراحی جام منگواؤ
پیو بھر بھر کے ساغر تم بھی اور ہم کو بھی پلواؤ
گلے لپٹو ہمارے اور ہمیں ہنس ہنس کے بوسے دو
اجل کا فر کھڑی ہے سر پہ اے دل دار، سنتے ہو

نہ یہ چہلیں نہ یہ دھومیں، نہ یہ چرچے بہم ہوں گے
میاں اک دن وہ آوے گا نہ تم ہو گے نہ ہم ہوں گے

اچھل لو، کود لو، ہے جب تلک یہ زور رنلیوں میں
غنیمت ہے وہی دم اب جو گزرے رنگ رلیوں میں
ہمیں لو ساتھ اور سیریں کرو پھولوں کی کلیوں میں
پھرے گی پھر تو آخر تن کی اُڑتی خاک گلیوں میں

نہ یہ چُہلیں، نہ یہ دھومیں، نہ یہ چرچے بہم ہوں گے
میاں اک دن وہ آوے گا، نہ تم ہو گے نہ ہم ہوں گے

جو آگے عاشق و معشوق تھے سب مل گئے رگِل میں
اجل کی تیغ سے دونوں کے ٹکڑے اُڑ گئے ترل میں
نہ قاتل میں رہا جی اور نہ اُس قاتل کے بسمل میں
تو بس اے دل برو، تم بھی یہی اب جان لو دل میں

نہ یہ چُہلیں، نہ یہ دھومیں، نہ یہ چرچے بہم ہوں گے
میاں اک دن وہ آوے گا، نہ تم ہو گے نہ ہم ہوں گے

اگر تم نے ہمارے دل کو دُکھ دے دے کے ترسایا
غلط فہمی تمہاری یا کہ جس نے تم کو سکھلایا
گیا جب وقت کافر ہاتھ سے، پھر ہاتھ کب آیا
غرض ہم نے تو اب بھی اور تمہیں آگے بھی سمجھایا

نہ یہ چُہلیں، نہ یہ دھومیں، نہ یہ چرچے بہم ہوں گے
میاں اک دن وہ آوے گا، نہ تم ہو گے نہ ہم ہوں گے

ہمارے اور تمہارے حق میں ہے اب تو یہی بہتر
کہ دیکھیں چاندنی اور سیر دریا کی کریں جا کر
کبھی لپٹیں گلے سے اور کبھی مے کے پییں ساغر

یہی کہنے کو رہ جاوے گا آخر اے مرے دل بر
نہ یہ چہلیں، نہ یہ دھومیں، نہ یہ چرچے بہم ہوں گے
میاں اک دن وہ آوے گا، نہ تم ہوگے نہ ہم ہوں گے

اگر برسات ہو، یا ابر ہو، یا مینہ برستا ہو
پہن پوشاک رنگیں اور ہمارے بر میں آ بیٹھو
ادا و ناز و غمزے، جو چلے کرنے ہوں، سو کر لو
فلک کب چین دیتا ہے مری جاں پھر تو آخر کو
نہ یہ چہلیں، نہ یہ دھومیں، نہ یہ چرچے بہم ہوں گے
میاں اک دن وہ آوے گا، نہ تم ہوگے نہ ہم ہوں گے

اُدھر واں حُسن کی مستی، اِدھر یاں عشق کی رے ہے
چمن ہے، ابر ہے، ساقی، صراحی، جام اور مے ہے
جو کرنا ہو سو کر لو، اس گھڑی سب عیش کی شے ہے
غضب ہے، قہر ہے، جب جی نکل جاوے گا، پھر اے ہے
نہ یہ چہلیں، نہ یہ دھومیں، نہ یہ چرچے بہم ہوں گے
میاں اک دن وہ آوے گا، نہ تم ہوگے نہ ہم ہوں گے

ابھی یاں الفتیں بڑھتی ہیں اور واں ناز کی گھاتیں
غنیمت ہیں تمانچے پیار کے اور چاہ کی لاتیں
جب آنکھیں مُند گئیں، سب ہو چکیں چتون، اشاراتیں
کہاں پھر دن مزے کے اور کہاں یہ عیش کی راتیں
نہ یہ چہلیں، نہ یہ دھومیں، نہ یہ چرچے بہم ہوں گے
میاں اک دن وہ آوے گا، نہ تم ہوگے نہ ہم ہوں گے

کھلے گُل، سبزہ نزہت بار ہے، کیا کیا بہاریں ہیں
صبا ہے، رنگ و بو ہے، یار ہے، کیا کیا بہاریں ہیں

ہجومِ ابر ہے، چمکے ہے برق اور مینہ برستا ہے
نشہ ہے، تازگی ہے، یار ہے، کیا کیا بہاریں ہیں

صنم کے لب میں پاں، ہاتھوں میں مہندی، پیرہن رنگیں
کناری ہے، دھنک ہے، ہار ہے، کیا کیا بہاریں ہیں

نظیر اب عیش کی پیتا ہے مے، ہر دم یہ کہہ کہہ کر
چمن ہے، گُل ہے، گُل رخسار ہے، کیا کیا بہاریں ہیں

ڈر ہم کو بناوٹ کی اداؤں کا نہیں ہے
وہ آن غضب ہے جو خداداد کوئی ہو
بیداد بھی کرتا ہے بہت وہ تو، نظیر، آہ
البتہ جو شایستہ بیداد کوئی ہو

گو آتشِ گل بھڑکی ہے، پر یہ نہیں توفیق
پھونکے جو اسیرانِ چمن کے قفسوں کو

ہم دم! چھپاوے کیا کوئی واں دل کی چاہ کو
شاہد جہاں سمجھتے ہوں پہلی نگاہ کو
ناصح! تو راست کہتا ہے، لیکن وہ کیا کرے
دے بیٹھے اپنا دل جو کسی کج کلاہ کو
جھڑکی سے، اُس نے ہم کو خفا دیکھ کر، کہا
کیا ناپسند گنتے ہو اِس رسم و راہ کو!

خوشامد

دل، خوشامد سے ہر اک شخص کا کیا راضی ہے آدمی، جنّ و پری، بھوت بلا راضی ہے
بھائی فرزند بھی خوش، باپ چچا راضی ہے شاہ مسرور، غنی شاد، گدا راضی ہے

جو خوشامد کرے، خلق اُس سے سدا راضی ہے
سچ تو یہ ہے کہ خوشامد سے خدا راضی ہے

اپنا مطلب ہو، تو مطلب کی خوشامد کیجے اور نہ ہو کام، تو اُس ڈھب کی خوشامد کیجے
اولیا، انبیا، اور رب کی خوشامد کیجے اپنے مقدور غرض سب کی خوشامد کیجے

جو خوشامد کرے، خلق اُس سے سدا راضی ہے
سچ تو یہ ہے کہ خوشامد سے خدا راضی ہے

چار دن جس کو خوشامد سے کیا جُھک کے سلام وہ بھی خوش ہو گیا، اپنا بھی ہوا کام میں کام
بڑے عاقل، بڑے دانا نے نکالا ہے یہ دام خوب دیکھا تو خوشامد ہی کی آمد ہے تمام

جو خوشامد کرے، خلق اُس سے سدا راضی ہے
سچ تو یہ ہے کہ خوشامد سے خدا راضی ہے

پیارے جوڑ دیے ہاتھ طرف جس کے آہ وہیں خوش ہو گیا کرتے ہی وہ ہاتھوں پہ نگاہ
غور سے ہم نے جو اِس بات کو دیکھا واللہ کچھ خوشامد ہی بڑی چیز ہے، اللہ اللہ

جو خوشامد کرے، خلق اُس سے سدا راضی ہے
سچ تو یہ ہے کہ خوشامد سے خدا راضی ہے

عیش کرتے ہیں وہ، ہے جن کا خوشامد کا مزاج جو نہیں کرتے، وہ رہتے ہیں ہمیشہ محتاج

ہاتھ آتا ہے خوشامد سے مکاں، ملک اور راج
کیا ہی تاثیر کی اِس نسخے نے پائی ہے رواج
جو خوشامد کرے، خلق اُس سے سدا راضی ہے
سچ تو یہ ہے کہ خوشامد سے خدا راضی ہے

گر بھلا ہو تو بھلے کی بھی خوشامد کیجے
اور بُرا ہو تو بُرے کی بھی خوشامد کیجے
پاک، ناپاک، سڑے کی بھی خوشامد کیجے
کُتّے، بلّی و گدھے کی بھی خوشامد کیجے
جو خوشامد کرے، خلق اُس سے سدا راضی ہے
سچ تو یہ ہے کہ خوشامد سے خدا راضی ہے

خوب دیکھا تو خوشامد کی بڑی کھیتی ہے
غیر کیا، اپنے ہی گھر بیچ یہ سُکھ دیتی ہے
ماں خوشامد کے سبب چھاتی لگا لیتی ہے
نانی، دادی بھی خوشامد سے دعا دیتی ہے
جو خوشامد کرے، خلق اُس سے سدا راضی ہے
سچ تو یہ ہے کہ خوشامد سے خدا راضی ہے

بی بی کہتی ہے، میاں، آ، ترے صدقے جاؤں
ساس بولے، کہیں مت جا، ترے صدقے جاؤں
خالا کہتی ہے کہ کچھ کھا، ترے صدقے جاؤں
سالی کہتی ہے کہ، بھیّا! ترے صدقے جاؤں
جو خوشامد کرے، خلق اُس سے سدا راضی ہے
سچ تو یہ ہے کہ خوشامد سے خدا راضی ہے

آ پڑا ہے جو خوشامد سے سروکار اُسے
ڈھونڈتے پھرتے ہیں الفت کے خریدار اُسے
آشنا ملتے ہیں، اور چاہے ہیں سب یار اُسے
اپنے، بے گانے، غرض کرتے ہیں سب پیار اُسے
جو خوشامد کرے، خلق اُس سے سدا راضی ہے
سچ تو یہ ہے کہ خوشامد سے خدا راضی ہے

جو کہ کرتے ہیں خوشامد، وہ بڑے ہیں انساں
جو نہیں کرتے، وہ رہتے ہیں ہمیشہ حیراں
ہاتھ آتے ہیں خوشامد سے ہزاروں ساماں
جس نے یہ بات نکالی ہے، میں اُس کے قرباں

جو خوشامد کرے، خلق اُس سے سدا راضی ہے
سچ تو یہ ہے کہ خوشامد سے خدا راضی ہے

ہم نے ہر دل میں خوشامد کی محبّت دیکھی — پیار، اخلاص، کرم، مہر و محبّت دیکھی
دل بروں میں بھی خوشامد ہی کی اُلفت دیکھی — عاشقوں میں بھی خوشامد ہی کی چاہت دیکھی

جو خوشامد کرے، خلق اُس سے سدا راضی ہے
سچ تو یہ ہے کہ خوشامد سے خدا راضی ہے

پارسا، پیر ہے، زاہد ہے، مناجاتی ہے — جُواریا، چُور، دغاباز، خراباتی ہے
ماہ سے ماہیِ تلک، چیونٹی ہے یا ہاتھی ہے — یہ خوشامد تو میاں سب کے تئیں بھاتی ہے

جو خوشامد کرے، خلق اُس سے سدا راضی ہے
سچ تو یہ ہے کہ خوشامد سے خدا راضی ہے

گر نہ میٹھی ہو، تو کڑوی بھی خوشامد کیجے — کچھ نہ ہو پاس، تو خالی بھی خوشامد کیجے
جانی دشمن ہو، تو اُس کی بھی خوشامد کیجے — سچ اگر پوچھو تو جھوٹی بھی خوشامد کیجے

جو خوشامد کرے، خلق اس سے سدا راضی ہے
سچ تو یہ ہے کہ خوشامد سے خدا راضی ہے

مرد و زن، طفل و جواں، خُرد و کلاں، پیر و فقیر — جتنے عالم میں ہیں محتاج و گدا، شاہ و وزیر
سب کے دل ہوتے ہیں پھندے میں خوشامد کے اسیر — تو بھی واللہ بڑی بات یہ کہتا ہے نظیرؔ

جو خوشامد کرے، خلق اس سے سدا راضی ہے
سچ تو یہ ہے کہ خوشامد سے خدا راضی ہے

فقیروں کی صدا

(بُخل کی بُرائیاں)

زر کی جو محبّت تجھے پڑ جاوے گی بابا!
دُکھ اس میں تری روح بہت پاوے گی بابا!
ہر کھانے کو، ہر پینے کو ترساوے گی بابا!
دولت جو ترے یاں ہی نہ کام آوے گی بابا!
پھر کیا تجھے اللہ سے ملواوے گی بابا!

دولت جو ترے پاس ہے، رکھ یاد تو یہ بات
کھا تو بھی، اور اللہ کی کر راہ میں خیرات
دینے سے رہے اُس کے ترا اونچا سدا ہات
اور یاں بھی تری گزرے گی سو عیش سے اوقات
اور واں بھی تجھے سیر یہ دکھلاوے گی بابا!

داتا کی تو مشکل کوئی اٹکی نہیں رہتی
چڑھتی ہے پہاڑوں کے اُپر ناو سخی کی
اور تو نے بخیلی سے اگر جمع اُسے کی
تو یاد یہ رکھ بات کہ جب آوے گی سختی
خشکی میں تری ناو یہ ڈُبواوے گی بابا!

دولت جو ترے گھر میں یہ اب پھولے ہے جوں پھول
مردود بھی یہ کرتی ہے، اور کرتی ہے مقبول
جو چاہے ترے ساتھ چلے یاں سے یہ مجہول
زنہار، خبردار ہو، اِس بات پہ مت بھول
یہ خندی ترے ساتھ نہیں جاوے گی بابا!

اس سے یہی بہتر ہے، تو ہی آپ اسے کھا جا
بیٹوں کو، رفیقوں کو، عزیزوں کو کھلا جا
سب رو بہ روا اپنے اسے عشرت میں اُڑا جا
پھر شوق سے ہنستا ہوا جنّت کو چلا جا
ورنہ تجھے پھر دُکھ میں یہ پھنسواوے گی بابا!

گر آوے گا حاکم کوئی ظالم تو مری جان
اور تیری سنے گا وہ بخیلی کی بھی گزران

جب کھینچ بلاوے گا لگا کر کوئی طوفان ۔۔۔ تو جی سے جسے دوست سمجھتا ہے یہ ہر آن
یہ دوست ہی دشمن تری ہو جاوے گی بابا!

اور جو کبھی حاکم نے نہ پوچھا ترا احوال ۔۔۔ تو چور چُرا لیوے گا، یا ڈاکا کوئی ڈال
گاڑے گا زمیں بیچ، تو پھر ہووے گا یہ حال ۔۔۔ قسمت سے تری جب کبھی آجاوے گا بھونچال
پھر نیچے ہی نیچے یہ سرک جاوے گی بابا!

یہ تو نہ کسی پاس رہی ہے، نہ رہے گی ۔۔۔ جو اور سے کرتی رہی، وہ تجھ سے کرے گی
کچھ شک نہیں اس میں، جو بڑھی ہے سو گھٹے گی ۔۔۔ جب تک تو جیے گا، یہ تجھے چین نہ دے گی
اور مرتے ہوئے پھر یہ غضب لاوے گی بابا!

جب موت کا ہووے گا تجھے آن کے دھڑکا ۔۔۔ اور نزع تری آن کے دم دیوے گی بھڑکا
جب اُس میں تو اٹکے گا، نہ دم نکلے گا پھڑکا ۔۔۔ کپّوں میں روپے ڈال کے جب دیویں گے کھڑکا
تب تن سے تری جان نکل جاوے گی بابا!

تو لاکھ اگر مال کے صندوق بھرے گا ۔۔۔ ہے یہ تو یقیں آخرش اک دن تو مرے گا
پھر بعد ترے اُس پہ جو کوئی ہاتھ دھرے گا ۔۔۔ وہ ناچ مزہ دیکھے گا او، عیش کرے گا
اور روح تری قبر میں گھبراوے گی بابا!

اُس کے تو وہاں ڈھولک و مردنگ بجے گی ۔۔۔ اور رُوح تری قبر میں حسرت سے جلے گی
وہ کھاوے گا اور تیرے تئیں آگ لگے گی ۔۔۔ تا حشر تری روح کو پھر کل نہ پڑے گی
ایسا ہی تجھے گور میں تڑپاوے گی بابا!

جوں جوں وہ ترے مال سے عشرت میں پلے گا ۔۔۔ تو قبر میں رہ رہ کفِ افسوس ملے گا
جو چاہے کوئی بولے، تو پھر بس نہ چلے گا ۔۔۔ بے بس تو پڑا قبر میں، حسرت سے جلے گا
دن رات تری چھاتی کو کُٹواوے گی بابا!

جاوے گا ترا گور کی جانب جو وہ ناگاہ ۔۔۔ ساقی و صراحی و پری زاد کے ہم راہ

روتا مجھے آتا ہے ترے حال پہ واللہ | جب دیکھے گا سو عیش میں تو اُس کے تئیں آہ!
کیا کیا تری چھاتی پہ یہ لہراوے گی بابا!
گر ہوش ہے تجھ میں، تو بخیلی کا نہ کر کام | اِس کام کا آخر کو بُرا ہوتا ہے انجام
تھوکے گا کوئی کہہ کے، کوئی دیوے گا دُشنام | زنہار نہ لے گا کوئی اُٹھ صبح ترا نام
پیزاریں ترے نام پہ لگواوے گی بابا!
کہتا ہے نظیر اب جو یہ باتیں تجھے ہر آن | گر مرد ہے عاقل، تو اِسے جھوٹ تو مت جان
ٹک غور سے کر گنج پہ قاروں کے ذرا دھیان | جیسا ہی اُسے اِس نے کیا خوب پریشان
ویسا ہی مزہ تجھ کو بھی دکھلاوے گی بابا!

ترغیبِ سخاوت و عشرت

زردار ہے، تو ہرگز مت مار اپنے من کو | تن زیب، تن سکھوں سے، ترسا نہ اپنے تن کو
جو زرچلن چلے ہیں، چل تو بھی اُس چلن کو | مرشد کا ہے یہ نکتہ، رکھ یاد اِس سخن کو
دل کی خوشی کی خاطر، چکھ ڈال مال دھن کو
گر مرد ہے تو عاشق، کوڑی نہ رکھ کفن کو
یہ نعمتیں ہیں جتنی، جو کچھ ملے، سو کھا جا | تاش اور بادلے میں اک بار جگمگا جا
پاپی بخیل مت بن، داتا سخی کہا جا | اک دم تو اپنا ڈنکا من مانتا بجا جا
دل کی خوشی کی خاطر، چکھ ڈال مال دھن کو
گر مرد ہے تو عاشق، کوڑی نہ رکھ کفن کو
یاں کا یہی مزہ ہے، کھانا، دیا کھلانا | بھوکے کو دال روٹی، ننگے کو کچھ اُڑھانا

سب اس گھڑی اُڑا لے، جو تجھ کو ہو اُڑانا — غافل، پھر اس گلی میں، تجھ کو نہیں ہے آنا

دل کی خوشی کی خاطر، چکھ ڈال مال دھن کو
گر مرد ہے تو عاشق، کوڑی نہ رکھ کفن کو

جو پاس ہے ذخیرہ، مت رکھ وہ کونے اندر — مسجد، کنویں بنا دے، تالاب، باغ، مندر
دریا کہیں بہا دے، بن جا کہیں سمندر — سب کچھ اُڑا لُٹا کر، ہو رہ سدا قلندر

دل کی خوشی کی خاطر، چکھ ڈال مال دھن کو
گر مرد ہے تو عاشق، کوڑی نہ رکھ کفن کو

جو جو بخیل کُتّن، زر چھوڑ کر مرے گا — یا کھائے گا جنوائی، یا خالصے لگے گا
تیرا وہی ہے، جو کچھ راہِ خدا میں دے گا — کھاتا، کھِلاتا، ہنستا، تو بھی سدا رہے گا

دل کی خوشی کی خاطر، چکھ ڈال مال دھن کو
گر مرد ہے تو عاشق، کوڑی نہ رکھ کفن کو

گر آ پڑے گا تجھ پر کچھ حادثہ خلل کا — مالک پھر اور کوئی ٹھہرے گا تیرے ڈل کا
آگے سے دے دلا کے، ہو رہ تو اس سے ہلکا — کر سوچ اپنے دل میں، کچھ آج کا، نہ کل کا

دل کی خوشی کی خاطر، چکھ ڈال مال دھن کو
گر مرد ہے تو عاشق، کوڑی نہ رکھ کفن کو

زر جوڑ جوڑ اپنے تو پاس گر رکھے گا — یا چھین لے گا حاکم، یا چور لے مرے گا
تیرا وہی ہے، جو کچھ اب عیش کر چکے گا — جب وقت آ پکارا، تب کچھ نہ بن پڑے گا

دل کی خوشی کی خاطر، چکھ ڈال مال دھن کو
گر مرد ہے تو عاشق، کوڑی نہ رکھ کفن کو

جس نے یہ زر دیا ہے، پھر وہ ہی دھن بھی دے گا — مال و مکاں، حویلی، باغ و چمن بھی دے گا
جیتا رہے گا جب تک، کھانے کو اَن بھی دے گا — مر جاوے گا، تو وہ ہی تجھ کو کفن بھی دے گا

دل کی خوشی کی خاطر، چکھ ڈال مال دھن کو
گر مرد ہے تو عاشق، کوڑی نہ رکھ کفن کو

جتنے گڑے دبے ہیں، سب کھالے اور کھلالے | رکھ دھن اِسی کی دل میں، اب کھالے اور کھلالے
اپنا سمجھ اُسی کو، جب کھالے اور کھلالے | اب تو نظیرؔ تو بھی، سب کھالے اور کھلالے
دل کی خوشی کی خاطر، چکھ ڈال مال دھن کو
گر مرد ہے تو عاشق، کوڑی نہ رکھ کفن کو

توکّل

اے دل، کہیں تو جا کے نہ اپنی زباں ہلائے | اور درد دل کا اپنے، کسی کو تو مت سنائے
مانگ اُس سے، جس کے ہاتھ سے تو پیٹ بھر کے کھائے | مشہور یہ مثل ہے، کہوں کیا میں تجھ سے ہائے
غیر از خدا کے، کس میں ہے ہمت جو ہاتھ اُٹھائے
مقدور کیا کسی کا، وہی دے، وہی دلائے

ستّار، ذوالجلال، خداوند، کردگار | رزّاق، کارساز، مددگار، دوست دار
انسان، جنّ و دیو و پری، فیل و مور و مار | جاری اُسی کے ہاتھ سے ہیں سب کے کاروبار
غیر از خدا کے، کس میں ہے ہمت جو ہاتھ اُٹھائے
مقدور کیا کسی کا، وہی دے، وہی دلائے

اہلِ جہاں ہیں جتنے، تو اِن سب کا چھوڑ ہاتھ | نے پانو پڑ کسی کے تو اے دل، نہ جوڑ ہاتھ
دو ہاتھ والے جتنے ہیں، اِن سب سے موڑ ہاتھ | اُس سے ہی مانگ، جس کے ہیں اب سو کروڑ ہاتھ
غیر از خدا کے، کس میں ہے ہمت جو ہاتھ اُٹھائے
مقدور کیا کسی کا وہی دے، وہی دلائے

اُس کے سوا کسی کے کنے گر تو جائے گا — اِس آبرو کو اپنی تو ناحق گنوائے گا
شرمندہ ہو کے یوں ہی تو خالی پھر آئے گا — بِن حکم اُس کے یار، تو اک جَو نہ پائے گا
غیر از خدا کے، کس میں ہے ہمّت جو ہاتھ اٹھائے
مقدور کیا کسی کا، وہی دے، وہی دلائے

زر، سیم، لعل، دُر، کو تو بارے اُسی سے مانگ — صندوق، مال و دھن کے پٹارے، اُسی سے مانگ
پیسا بھی مانگنا ہے، تو جارے، اُسی سے مانگ — کوڑی بھی مانگنی ہے، تو پیارے اُسی سے مانگ
غیر از خدا کے کس میں ہے ہمّت، جو ہاتھ اُٹھائے
مقدور کیا کسی کا، وہی دے، وہی دلائے

گر وہ دلایا چاہے تو دشمن سے لا دلائے — اور جو نہ دے، تو دوست بھی پھر اپنا مُنہ چھپائے
بن حکم اُس کے، روٹی کا ٹکڑا نہ ہاتھ آئے — گر چُلّو پانی مانگو، تو ہرگز نہ کوئی پلائے
غیر از خدا کے، کس میں ہے ہمّت جو ہاتھ اُٹھائے
مقدور کیا کسی کا، وہی دے، وہی دلائے

عمدہ ہیں جتنے خلق میں، کیا شاہ، کیا وزیر — اللہ ہی ہے غنی میاں، اور ہیں یہ سب فقیر
کیا گنج و ملک و مال و مکاں، تاج، کیا سریر — جو مانگنا ہے، اُس سے ہی مانگو میاں نظیر
غیر از خدا کے، کس میں ہے ہمّت، جو ہاتھ اُٹھائے
مقدور کیا کسی کا، وہی دے، وہی دلائے

ترک و تجرید

بھرے ہیں کیا کیا اُلٹ پلٹ کر کسی میں آ کر یہ دم کسی کے
کوئی کرے ہے کسی کی منّت، کوئی ہے چومے قدم کسی کے

کسی پہ لطف و کرم کسی کے، کسی پہ ظلم و ستم کسی کے
کسے پڑی ہے، میاں، غرض اب، جو کوئی کھوئے بھرم کسی کے
نہ باپ بیٹے، نہ دوست دشمن، نہ عاشق اور نہ صنم کسی کے
عجب طرح کی ہوئی فراغت، نہ کوئی ہمارا، نہ ہم کسی کے

نہ کوئی طالب ہوا ہمارا، نہ ہم نے دل سے کسی کو چاہا
نہ ہم نے دیکھیں خوشی کی لہریں، نہ دردِ غم سے کبھی کراہا
نہ ہم نے بویا، نہ ہم نے کاٹا، نہ ہم نے جوتا، نہ ہم نے گاہا
اُٹھا جو دل سے بھرم کا پردہ، تو اُس کے اُٹھتے ہی پھر اہاہا
نہ باپ بیٹے، نہ دوست دشمن، نہ عاشق اور نہ صنم کسی کے
عجب طرح کی ہوئی فراغت، نہ کوئی ہمارا، نہ ہم کسی کے

یہ سیر دیکھو، ابھی ہیں تھے کسی کے آقا، کسی کے نوکر
کسی کے بندے، کسی کے چیلے، کسی کے خادم، کسی کے چاکر
کہیں تھے ملّا، کہیں سیانے، کہیں بنیتے، کہیں کماں گر
کھلی جو آکر بھرم کی گٹھری، تو سب وہ قضیے ہوئے برابر
نہ باپ بیٹے، نہ دوست دشمن، نہ عاشق اور نہ صنم کسی کے
عجب طرح کی ہوئی فراغت، نہ کوئی ہمارا، نہ ہم کسی کے

ابھی ہماری بڑی دکاں تھی، ابھی ہمارا بڑا کسب تھا
کہیں خوشامد، کہیں درآمد، کہیں تواضع، کہیں ادب تھا
بڑی تھی ذات اور بڑی صفات اور بڑا حسب اور بڑا نسب تھا
خودی کے مٹتے ہی پھر جو دیکھا، تو کچھ حسب تھا، نہ کچھ نسب تھا
نہ باپ بیٹے، نہ دوست دشمن، نہ عاشق اور نہ صنم کسی کے

عجب طرح کی ہوئی فراغت، نہ کوئی ہمارا، نہ ہم کسی کے

نہ ہم نے کی یاں فقیری اتنک، نہ ہم نے کی یاں جہاں پناہی
نہ فوج داری، نہ ملک گیری، نہ کچھ وزیری، نہ بادشاہی
نہ ہم نے اپنا بناو دیکھا، نہ ہم نے دیکھی کبھی تباہی
یہ سب بھرم کا بنا تھا نقشا، بھرم کی ٹٹّی ہے یا الٰہی

نہ باپ بیٹے، نہ دوست دشمن، نہ عاشق اور نہ صنم کسی کے
عجب طرح کی ہوئی فراغت، نہ کوئی ہمارا، نہ ہم کسی کے

ابھی یہ ڈھب تھا کسی سے لڑیے، کسی کے پاؤں پہ جا کے پڑیے
کسی سے حق پر فساد کیجے، کسی سے ناحق پہ جا کے لڑیے
ابھی یہ دُھن تھی نظیرؔ دل میں، کہیں بگڑیے، کہیں جھگڑیے
دوئی کے اُٹھتے ہی پھر یہ دیکھا کہ اب جو لڑیے تو کس سے لڑیے

نہ باپ بیٹے، نہ دوست دشمن، نہ عاشق اور نہ صنم کسی کے
عجب طرح کی ہوئی فراغت، نہ کوئی ہمارا، نہ ہم کسی کے

تسلیم و رضا

جو فقر میں پورے ہیں، وہ ہر حال میں خوش ہیں
ہر کام میں، ہر دام میں، ہر جال میں خوش ہیں
گر مال دیا یار نے، تو مال میں خوش ہیں
بے زر جو کیا، تو اُسی احوال میں خوش ہیں

اِفلاس میں، اِدبار میں، اقبال میں خوش ہیں
پورے ہیں وہی مرد، جو ہر حال میں خوش ہیں

چہرے پہ ملالت، نہ جگر میں اثرِ غم
ماتھے پہ کہیں چین، نہ ابرو میں کہیں خم
شکوہ نہ زباں پر، نہ کبھی چشم ہوئی نم
غم میں بھی وہی عیش، الم میں بھی وہی دم
ہر بات، ہر اوقات، ہر افعال میں خوش ہیں
پورے ہیں وہی مرد، جو ہر حال میں خوش ہیں

گر یار کی مرضی ہوئی، سر جوڑ کے بیٹھے
گھر بار چھڑایا، تو وہیں چھوڑ کے بیٹھے
موڑا انھیں جیدھر، وہیں منہ موڑ کے بیٹھے
گدڑی جو سلائی، تو وہی اوڑھ کے بیٹھے
گر شال اڑھائی، تو اسی شال میں خوش ہیں
پورے ہیں وہی مرد، جو ہر حال میں خوش ہیں

گر اس نے دیا غم، تو اسی غم میں رہے خوش
اور اس نے جو ماتم دیا، ماتم میں رہے خوش
کھانے کو ملا کم، تو اسی کم میں رہے خوش
جس طور رکھا اس نے، اسی عالم میں رہے خوش
دکھ درد میں، آفات میں، جنجال میں خوش ہیں
پورے ہیں وہی مرد، جو ہر حال میں خوش ہیں

جینے کا نہ اندوہ، نہ مرنے کا ذرا غم
یکساں ہے انھیں زندگی و موت کا عالم
واقف نہ برس سے، نہ مہینے سے وہ اک دم
نے شب کی مصیبت، نہ کبھی روز کا ماتم
دن رات، گھڑی، پہر، مہ و سال میں خوش ہیں
پورے ہیں وہی مرد، جو ہر حال میں خوش ہیں

گر اس نے اڑھایا، تو لیا اوڑھ دوشالا
کمل جو دیا، تو وہی کاندھے پہ سنبھالا
چادر جو اڑھائی، تو وہی ہو گئی بالا
بندھوائی لنگوٹی، تو وہیں ہنس کے کہا، لا
پوشاک میں، دستار میں، رومال میں خوش ہیں
پورے ہیں وہی مرد، جو ہر حال میں خوش ہیں

پانی جو ملا پی لیا، جس طور کا پایا
روٹی جو ملی، تو کیا روٹی میں گزارا

دی بھوک اگر یار نے، تو بھوک کو مارا
دل شاد رہے، کرکے کڑا کے پہ کڑاکا
اور چھال چبائی، تو اُسی چھال میں خوش ہیں
پورے ہیں وہی مرد، جو ہر حال میں خوش ہیں

گر اُس نے کہا، سیر کرو جا کے جہاں کی
تو پھرنے لگے جنگل و بن، مار کے جھانکی
کچھ دشت و بیاباں میں خبر تن کی نہ جاں کی
اور پھر جو کہا، سیر کرو حُسنِ بُتاں کی
تو چشم و رخ و زلف و خط و خال میں خوش ہیں
پورے ہیں وہی مرد، جو ہر حال میں خوش ہیں

قشقے کا ہوا حکم، تو قشقہ وہیں کھینچا
جُبّے کی رضا دیکھی، تو جُبّہ وہیں پہنا
آزاد کہا 'ہو'، تو وہیں سر کو منڈایا
جو رنگ کہا اُس نے، وہی رنگ رنگایا
کیا زرد میں، کیا سبز میں، کیا لال میں خوش ہیں
پورے ہیں وہی مرد، جو ہر حال میں خوش ہیں

کچھ اُن کو طلب گھر کی، نہ باہر سے انھیں کام
تکیے کی نہ خواہش ہے، نہ بستر سے انھیں کام
استھل کی ہوس دل میں، نہ مندر سے انھیں کام
مفلس سے نہ مطلب، نہ تونگر سے انھیں کام
میدان میں، بازار میں، چوپال میں خوش ہیں
پورے ہیں وہی مرد جو ہر حال میں خوش ہیں

اُن کے تو جہاں میں عجب عالم ہیں، نظیرؔ آہ
اب ایسے تو دنیا میں ولی کم ہیں، نظیرؔ آہ
کیا جانے فرشتے ہیں، کہ آدم ہیں، نظیرؔ آہ
ہر وقت میں، ہر آن میں خرّم ہیں، نظیرؔ آہ
جس ڈھال میں رکھا، وہ اسی ڈھال میں خوش ہیں
پورے ہیں وہی مرد، جو ہر حال میں خوش ہیں

توکّل و ترک و تجرید

جتنے تو دیکھتا ہے یہ پھل پھول، پات، بیل
سب اپنے اپنے کام کی ہیں کر رہے جھمیل
ناتا ہے یاں سو ناتھ، جو رشتہ ہے سو نکیل
جو غم پڑے سو اُس کو تو اپنے ہی تن پہ جھیل
گر ہے فقیر تو، تو نہ رکھ یاں کسی سے میل
یاں تو نبڑی نہ بیل، پڑا اپنے سر پہ کھیل

یہ صورتیں جو دیکھے ہے مت ان سے دل لگا
بر ریں ہیں سو تیاں انھیں اے یار مت جگا
شجرہ، کلاہ پھینک، اُڑا دے تجھگا ٹگا
آگے کو چھوڑ ناتھ، نہ پیچھے کو رکھ پگا
گر ہے فقیر تو تو نہ رکھ یاں کسی سے میل
یاں تو نبڑی نہ بیل، پڑا اپنے سر پہ کھیل

جب تو ہوا فقیر، تو ناتا کسی سے کیا
چھوڑا کُٹم، تو پھر رہا رشتا کسی سے کیا
مطلب بھلا فقیر کو بابا کسی سے کیا
دل بر کو اپنے چھوڑ کے ملنا کسی سے کیا
گر ہے فقیر تو، تو نہ رکھ یاں کسی سے میل
یاں تو نبڑی نہ بیل، پڑا اپنے سر پہ کھیل

تیری نہ یہ زمین ہے، نے تیرا آسماں
تیرا نہ گھر نہ بار، نہ تیرا یہ جسم و جاں
اُس کے سوا کہ جس پہ ہوا تو فقیر یاں
کوئی ترا رفیق، نہ ساتھی، نہ مہرباں
گر ہے فقیر تو، تو نہ رکھ یاں کسی سے میل
یاں تو نبڑی نہ بیل، پڑا اپنے سر پہ کھیل

دیتا ہے دل کو اپنے تو دے اُس کسی کے ہات
جس یار سے کہ ہو ترے جیتے مُوئے کا سات
اور یہ جو تجھ سے کرتے ہیں مل مل کے میٹھی بات
مارا پڑے گا، دیکھ، نہ کھا ان کی آت گھات

گر ہے فقیر تو، تو نہ رکھ یاں کسی سے میل
یاں تو بنڑی نہ بیل، پڑا اپنے سر پہ کھیل

یہ اُلفتیں کہ ساتھ ترے آٹھ پہر ہیں
یہ الفتیں نہیں ہیں، مری جان، قہر ہیں
جتنے یہ شہر دیکھے ہیں، جادو کے شہر ہیں
جتنی مٹھائیاں ہیں، مری جان، زہر ہیں۔

گر ہے فقیر تو، تو نہ رکھ یاں کسی سے میل
یاں تو بنڑی نہ بیل، پڑا اپنے سر پہ کھیل

خوباں کے یہ جو چاند سے مُنہ پر کھُلے ہیں بال
مارا ہے تیرے واسطے صیّاد نے یہ جال
یہ بال بال اب ہے تری جان کا وبال
پھنسیو خدا کے واسطے اِس میں نہ دیکھ بھال

گر ہے فقیر تو، تو نہ رکھ یاں کسی سے میل
یاں تو بنڑی نہ بیل، پڑا اپنے سر پہ کھیل

جس کا ہے تو فقیر، اُسی کو سمجھ تو یار
مانگے تو مانگ اُسی سے تو کیا نقد کیا ادھار
دیوے تو لے وہی، جو نہ دیوے تو دم نہ مار
اُس کے سوا کسی سے نہ رکھ اپنا کاروبار

گر ہے فقیر تو، تو نہ رکھ یاں کسی سے میل
یاں تو بنڑی نہ بیل، پڑا اپنے سر پہ کھیل

دنیا اِسے نہ جان، یہ دریا ہے قہر دار
لاکھوں میں، اِس سے کوئی اتر کر ہوا نہ پار
جب تو بہا، تو پھر نہ ملے گا تجھے کنار
ملّاح یاں نہ ناو نہ بَتی ہے میرے یار

گر ہے فقیر تو، تو نہ رکھ یاں کسی سے میل
یاں تو بنڑی نہ بیل، پڑا اپنے سر پہ کھیل

دنیا نہ کہہ اسے، یہ طلسمات ہے میاں
یہ جانور، یہ باغ، یہ گل زار، یہ مکاں

شکلیں جو دیکھتا ہے، یہ جادو کی ہیں عیاں — سب کچھ ترے تئیں ہے یہ دھوکے کی ٹٹیاں

گر ہے فقیر تو، تو نہ رکھ یاں کسی سے میل
یاں تونبڑی نہ بیل، پڑا اپنے سر پہ کھیل

کیا فائدہ، اگر تو ہوا نام کا فقیر — ہو کر فقیر، تو بھی رہا جال میں اسیر
ایسا ہی تھا تو فقر کو ناحق کیا حقیر — ہم تو اِسی سخن کے ہیں قائل میاں نظیر

گر ہے فقیر تو، تو نہ رکھ یاں کسی سے میل
یاں تونبڑی نہ بیل، پڑا اپنے سر پہ کھیل

طلسمِ زندگی

آہ کیا کہیے، رہی یاں جب تلک اپنی حیات
تھے بندھے کیا کیا تعلق اپنے جیتے جی کے سات
جب مُوئے، پھر تو کسی نے آن کر پوچھی نہ بات
زندگی اپنی تھی کُل چونسٹھ گھڑی کی کائنات

اِتنے عرصے ہی میں کیا کیا ہم پہ گزری واردات
رہ چلے دنیا میں ہم بھی ایک دن اور ایک رات

پھر اسی دن رات میں ہم بادشاہی ہو چکے
صاحبِ تاج و نگیں، فرماں روا بھی ہو چکے
مالکِ مُلک و مکاں، کشور کُشا بھی ہو چکے
عاجز و مفلس، فقیر و بے نوا بھی ہو چکے

اِتنے عرصے ہی میں کیا کیا ہم پہ گزری واردات
رہ چلے دنیا میں ہم بھی ایک دن اور ایک رات

پھر اسی دن رات میں ہم ہو گئے حشمت پناہ
بخشی و میر و وزیر و منشی و دیوانِ شاہ
محتسب، کُتوال، قاضی، صدر، مفتی، اہلِ جاہ
اِس قدر تو عمر، جس میں یہ تماشے، واہ واہ

اِتنے عرصے ہی میں کیا کیا ہم پہ گزری واردات
رہ چلے دنیا میں ہم بھی ایک دن اور ایک رات

پھر اسی دن رات میں ہم عارف و کامل ہوئے
صاحبِ کشف و کرامت اور روشن دل ہوئے
عالم و فاضل، فقیہہ و جاہل و عامل ہوئے
تھی یہی فرصت، اِسی میں خاک، مٹی، گِل، ہوئے

اِتنے عرصے ہی میں کیا کیا ہم پہ گزری واردات
رہ چلے دنیا میں ہم بھی ایک دن اور ایک رات

پھر اسی دن رات میں کیا کیا بنائے ہم نے گھر
مسجد و تالاب و مندر، حجرہ و دیوار و در

بیٹھ کر عشرت بھی کی، اور بھیک مانگی دربدر تھے مسافر، پھر اسی میں کر گئے آخر سفر
اِتنے عرصے ہی میں کیا کیا ہم پہ گزری واردات
رہ چلے دنیا میں ہم بھی ایک دن اور ایک رات

پھر اسی دن رات میں ہم دل رُبا بھی ہو گئے عاشق و فاسق، اسیر و مبتلا بھی ہو گئے
پُرگنہ، مست و خراب و پارسا بھی ہو گئے تھی یہی فرصت، اِسی میں تھا جو ہونا، ہو گئے
اِتنے عرصے ہی میں کیا کیا ہم پہ گزری واردات
رہ چلے دنیا میں ہم بھی ایک دن اور ایک رات

پیشے ہیں جتنے جہاں میں، کیا صغیر و کیا کبیر سب کیے ہم نے میاں اِس حال میں ہو کر اسیر
طفل سے ٹھہرے جواں، اور پھر جواں سے بن کے پیر پھر اُسی میں پیر ہو کر، مر گئے آخر نظیرؔ
اتنے عرصے ہی میں کیا کیا ہم پہ گزری واردات
رہ چلے دنیا میں ہم بھی ایک دن اور ایک رات

عاشق نامہ

تنہا نہ اُسے اپنے دلِ تنگ میں پہچان ہر باغ میں، ہر دشت میں، ہر سنگ میں پہچان
بے رنگ میں، بارنگ میں، نیرنگ میں پہچان منزل میں، مقامات میں، فرسنگ میں پہچان
نت رُوم میں، اور ہند میں اور زنگ میں پہچان ہر راہ میں، ہر ساتھ میں، ہر سنگ میں پہچان
ہر عزم ارادے میں، ہر آہنگ میں پہچان ہر دھوم میں، ہر صُلح میں، ہر جنگ میں پہچان
ہر آن میں، ہر بات میں، ہر ڈھنگ میں پہچان
عاشق ہے، تو دل بر کو ہر اک رنگ میں پہچان

گاتا ہے کوئی شوق میں، کرتا ہے کوئی حال پھانکے ہے کوئی خاک، اُڑاتا ہے کوئی مال

ہنستا ہے کوئی شاد، کسی کا ہے بُرا حال
روتا ہے کوئی ہو کے غم و درد میں پامال
ناچے ہے کوئی شوخ، بجاتا ہے کوئی تال
پہنے ہے کوئی چیتھڑے، اُوڑھے ہے کوئی شال
کرتا ہے کوئی ناز، دکھاتا ہے کوئی بال
جب غور سے دیکھا، تو اُسی کی ہے یہ سب چال

ہر آن میں، ہر بات میں، ہر ڈھنگ میں پہچان
عاشق ہے، تو دلبر کو ہر اک رنگ میں پہچان

جاتا ہے حرم میں کوئی قرآن بغل مار
کہتا ہے کوئی دَیر میں پوتھی کے سماچار
پہنچا ہے کوئی پار، بھٹکتا ہے کوئی وار
بیٹھا ہے کوئی عیش میں، پھرتا ہے کوئی خوار
عاجز، کوئی بے کس، کوئی ظالم، کوئی لٹھ مار
مفلس، کوئی ناچار، تونگر، کوئی زردار
زخمی، کوئی ماندہ، کوئی اچھا، کوئی بدکار
جب غور سے دیکھا تو اُسی کے ہیں سب اَسرار

ہر آن میں، ہر بات میں، ہر ڈھنگ میں پہچان
عاشق ہے، تو دلبر کو ہر اک رنگ میں پہچان

ہے کوئی دلی دوست، کوئی جان کا دشمن
بیٹھا ہے پہاڑوں میں، کوئی پھرتا ہے بَن بَن
مالا کوئی جپتا ہے، کوئی شوق میں سُمرن
چھوڑے ہے کوئی مال، سمیٹے ہے کوئی دھن
نکلے ہے جواہر کی کوئی پہن کے آبرن
لوٹے ہے کوئی، خاک میں، رو رو کے مِلا تن
جوگی، کوئی بھوگی، کوئی سوگی، کوئی سوگن
جب غور سے دیکھا تو اُسی کے ہیں یہ سب فن

ہر آن میں، ہر بات میں، ہر ڈھنگ میں پہچان
عاشق ہے، تو دلبر کو ہر اک رنگ میں پہچان

ناری، کوئی بادی، کوئی خاکی، کوئی آبی
صوفی، کوئی زاہد، کوئی بدمست شرابی
باتیں کوئی بیٹھا ہوا کرتا ہے کتابی
پیتا ہے کوئی کیف، کوئی مے کی گلابی
مارے ہے زٹل کوئی، کہیں جیب ہے دابی
سچا، کوئی جھوٹا ہے، کوئی رندِ خرابی
کالا، کوئی گورا، کوئی پیلا، کوئی آبی
ہیں اُس کی ہی قدرت کے یہ سب لال گلابی

ہر آن میں، ہر بات میں، ہر ڈھنگ میں پہچان
عاشق ہے، تو دلبر کو ہر اک رنگ میں پہچان

کیا حُسن کہیں پایا ہے، اللہ ہی اللہ — کیا عشق کہیں چھایا ہے، اللہ ہی اللہ
کیا رنگ یہ رنگوایا ہے، اللہ ہی اللہ — کیا نور یہ جھمکایا ہے، اللہ ہی اللہ
کیا دھوپ ہے، کیا سایا ہے، اللہ ہی اللہ — کیا مہر ہے، کیا مایا ہے، اللہ ہی اللہ
کیا ٹھاٹھ یہ ٹھہرایا ہے، اللہ ہی اللہ — کیا بھید نظیرؔ آیا ہے، اللہ ہی اللہ

ہر آن میں، ہر بات میں، ہر ڈھنگ میں پہچان
عاشق ہے، تو دلبر کو ہر اک رنگ میں پہچان

آدمی نامہ

دنیا میں بادشا ہے، سو ہے وہ بھی آدمی — اور مفلس و گدا ہے، سو ہے وہ بھی آدمی
زردار، بے نوا ہے، سو ہے وہ بھی آدمی — نعمت جو کھا رہا ہے، سو ہے وہ بھی آدمی
ٹکڑے جو مانگتا ہے، سو ہے وہ بھی آدمی

ابدال و قطب و غوث و ولی، آدمی ہوئے — مُنکر بھی آدمی ہوئے، اور کُفر کے بھرے
کیا کیا کرشمے کشف و کرامات کے کیے — حتّیٰ کہ اپنے زہد و ریاضت کے زور سے
خالق سے جا ملا ہے، سو ہے وہ بھی آدمی

فرعون نے کیا تھا جو دعوا خدائی کا — شدّاد بھی بہشت بنا کر ہوا خُدا
نمرود بھی خدا ہی کہاتا تھا برملا — یہ بات ہے سمجھنے کی، آگے کہوں میں کیا
یاں تک جو ہو چکا ہے، سو ہے وہ بھی آدمی

یاں آدمی ہی نار ہے، اور آدمی ہی نور
یاں آدمی ہی پاس ہے، اور آدمی ہی دور
کُل آدمی کا حسن و قبح میں ہے یاں ظہور
شیطان بھی آدمی ہے، جو کرتا ہے مکر و زور
اور ہادی، رہ نما ہے، سو ہے وہ بھی آدمی

مسجد بھی آدمی نے بنائی ہے یاں میاں
بنتے ہیں آدمی ہی امام اور خُطبہ خواں
پڑھتے ہیں آدمی ہی قراں اور نمازیاں
اور آدمی ہی اُن کی چُراتے ہیں جوتیاں
جو اُن کو تاڑتا ہے، سو ہے وہ بھی آدمی

یاں آدمی پہ جان کو وارے ہے آدمی
اور آدمی ہی تیغ سے مارے ہے آدمی
پگڑی بھی آدمی کی اُتارے ہے آدمی
چلّا کے آدمی کو پُکارے ہے آدمی
اور سُن کے دوڑتا ہے، سو ہے وہ بھی آدمی

چلتا ہے آدمی ہی مسافر ہو، لے کے مال
اور آدمی ہی مارے ہے، پھانسی گلے میں ڈال
یاں آدمی ہی صید ہے، اور آدمی ہی جال
سچّا بھی آدمی ہی نکلتا ہے میرے لال
اور جھوٹ کا بھرا ہے، سو ہے وہ بھی آدمی

یاں آدمی نقیب ہو، بولے ہے بار بار
اور آدمی ہی پیادے ہیں، اور آدمی سوار
حُقّہ، صراحی، جوتیاں دوڑیں بغل میں مار
کاندھے پہ رکھ کے پالکی، ہیں آدمی کہار
اور اُس پہ جو چڑھا ہے، سو ہے وہ بھی آدمی

بیٹھے ہیں آدمی ہی دُکانیں لگا لگا
کہتا ہے کوئی، لو، کوئی کہتا ہے، لا رے لا
اور آدمی ہی پھرتے ہیں رکھ سر پہ خوانچا
کس کس طرح سے بیچے ہیں چیزیں بنا بنا
اور مول لے رہا ہے، سو ہے وہ بھی آدمی

طبلے مجیرے دائرے سارنگیاں بجا
گاتے ہیں آدمی ہی ہر اک طرح جا بہ جا
رنڈی بھی آدمی ہی نچاتے ہیں گت لگا
وہ آدمی ہی ناچے ہیں اور دیکھو یہ مزا
جو ناچ دیکھتا ہے، سو ہے وہ بھی آدمی

یاں آدمی ہی لعل، جواہر ہے بے بہا — اور آدمی ہی خاک سے بدتر ہے ہو گیا
کالا بھی آدمی ہے کہ اُلٹا ہے جوں توا — گورا بھی آدمی ہے کہ ٹکڑا سا چاند کا
بدشکل و بدنما ہے، سو ہے وہ بھی آدمی

اک آدمی ہیں جن کے یہ کچھ زرق برق ہیں — روپے کے اُن کے پانو ہیں، سونے کے فرق ہیں
جھمکے تمام غرب سے لے تا بہ شرق ہیں — کمخواب، تاش، شال دوشالوں میں غرق ہیں
اور چیتھڑوں لگا ہے، سو ہے وہ بھی آدمی

اک ایسے ہیں کہ جن کے بچھے ہیں نئے پلنگ — پھولوں کی سیج اُن پہ جھمکتی ہے تازہ رنگ
سوتے ہیں لپٹے چھاتی سے معشوقِ شوخ و شنگ — سو سو طرح سے عیش کے کرتے ہیں رنگ ڈھنگ
اور خاک میں پڑا ہے، سو ہے وہ بھی آدمی

حیراں ہوں، یارو، دیکھو تو یہ کیا سوانگ ہے — آپ آدمی ہی چور ہے، اور آپ ہی تھانگ ہے
ہے چھینا جھپٹی، اور کہیں مانگ تانگ ہے — دیکھا تو آدمی ہی یہاں مثلِ رانگ ہے
فولاد سے کڑا ہے، سو ہے وہ بھی آدمی

مرنے میں آدمی ہی کفن کرتے ہیں تیار — نہلا دھلا اُٹھاتے ہیں کاندھے پہ کر سوار
کلمہ بھی پڑھتے جاتے ہیں، روتے ہیں زار زار — سب آدمی ہی کرتے ہیں مُردے کا کاروبار
اور وہ جو مر گیا ہے، سو ہے وہ بھی آدمی

اشراف اور کمینے سے لے، شاہ تا وزیر — ہیں آدمی ہی صاحبِ عزّت بھی اور حقیر
یاں آدمی مرید ہیں، اور آدمی ہی پیر — اچھا بھی آدمی ہی کہاتا ہے اے نظیرؔ
اور سب میں جو بُرا ہے، سو ہے وہ بھی آدمی

سواریاں

کیا کیا جہاں میں اب ہیں ہماری سواریاں دل چسپ، دل فریب، پیاری سواریاں
کس کس طرح کی ہم نے سنواری سواریاں پر ہم سے کچھ نہ کر گئیں یاری سواریاں

جب چار کاندھے پر ہوئیں بھاری سواریاں
جھک مارتی یہ رہ گئیں ساری سواریاں

وہ تخت، جس پہ کل تھا جواہر جڑا ہوا کس عیش سے چڑھے ہوئے پھرتے تھے جابجا
جس دم اجل نے تختے کے اوپر دیا سُلا اُس تخت کے بھی ہو گئے تختے جُدا جُدا

جب چار کاندھے پر ہوئیں بھاری سواریاں
جھک مارتی یہ رہ گئیں ساری سواریاں

ہاتھی جو تھے پہاڑ کے مانند تن سیاہ جن پر کسیں عماریاں رخشندہ، رشکِ ماہ
ہودوں کی بھی چمک پہ ٹھہرتی نہ تھی نگاہ کس عیش سے چڑھے ہوئے پھرتے تھے واہ واہ

جب چار کاندھے پر ہوئیں بھاری سواریاں
جھک مارتی یہ رہ گئیں ساری سواریاں

وہ پالکی بنی تھی سنہری جو زر نگار جھالر پہ جس کی، ہوتے تھے موتی پڑے ہزار
لا، نالکی پہ موت نے جب کر لیا سوار پھر وہ نہ پالکی، نہ وہ جھالر، نہ وہ کہار

جب چار کاندھے پہ ہوئیں بھاری سواریاں
جھک مارتی یہ رہ گئیں ساری سواریاں

تھیں وہ رتھیں کہ بیٹھے تھے جن جن میں بیل پیل بجتے تھے زنگ، اور تھے کلس اُن کے جوں سُہیل
رتھ بان نے اجل کے جوں ہی کر لیا دبیل پھر کس کی چھتری، پہیے کہاں، اور کہاں کے بیل

جب چار کاندھے پر ہوئیں بھاری سواریاں
جھک مارتی یہ رہ گئیں ساری سواریاں

گھڑبہل، فیل بہل، شتر بہل، راہ وار
ہرنوں کی بہل، بکری بہل، گھنٹے گھنگرو دار
مالک چڑھا جو موت کی ڈولی پہ ایک بار
پھر بہل بان، نہ بہل، نہ جھنکار، نہ پکار
جب چار کاندھے پر ہوئیں بھاری سواریاں
جھک مارتی یہ رہ گئیں ساری سواریاں

میانہ، محافہ، اور وہ چنڈول، بگھیاں
وہ پینسیں، وہ بوچے، وہ چوپالے خوش نشاں
مالک ہوا اجل کے جو کھڑکھڑیے پر رواں
بوچا گیا، نہ ساتھ میانہ گیا، میاں
جب چار کاندھے پر ہوئیں بھاری سواریاں
جھک مارتی یہ رہ گئیں ساری سواریاں

اسوار جب اجل کا ہوا آن کر اسیر
گھوڑے بھی ہنہناتے رہے سب جوان و پیر
ہاتھی بھی خاک ڈالتے سر پر رہے حقیر
یہ بات تو عیاں ہے، کہوں کیا میاں نظیرؔ
جب چار کاندھے پر ہوئیں بھاری سواریاں
جھک مارتی یہ رہ گئیں ساری سواریاں

آئینہ

لے آئینے کو ہاتھ میں، اور بار بار دیکھ
صورت میں اپنی، قدرتِ پروردگار دیکھ
خالِ سیاہ اور خطِ مشک بار دیکھ
زلفِ دراز و طرۂ عنبر نثار دیکھ
ہر لحظہ اپنے جسم کے نقش و نگار دیکھ
اے گل، تو اپنے حسن کی آپی بہار دیکھ

آئینہ کیا ہے؟ جان، ترا پاک صاف دل — اور خال کیا ہیں؟ تیرے سویدا کے رُخ کے تل
زلفِ دراز، فہمِ رسا سے رہی ہے مل — لاکھوں طرح کے پھول رہے ہیں تجھی میں کھل

ہر لحظہ اپنے جسم کے نقش و نگار دیکھ
اے گُل، تو اپنے حسن کی آپی بہار دیکھ

مشکِ تتار و مشکِ ختن بھی تجھی میں ہے — یاقوتِ سرخ و لعلِ یمن بھی تجھی میں ہے
نسرین و موتیا و سمن بھی تجھی میں ہے — القصہ کیا کہوں میں چمن بھی تجھی میں ہے

ہر لحظہ اپنے جسم کے نقش و نگار دیکھ
اے گُل، تو اپنے حسن کی آپی بہار دیکھ

مُشکِ ختن ہے کیا، یہ تری زلفِ پُرشکن — یاقوت و لعل کیا ہیں، یہ تیرے لب و دہن
اور موتیا ہے کیا، ترے دنداں گہر ثمن — باغ و چمن ہے کیا، یہ سراپا ترا بدن

ہر لحظہ اپنے جسم کے نقش و نگار دیکھ
اے گُل، تو اپنے حسن کی آپی بہار دیکھ

سورج مکھی کے گُل کی اگر دل میں تاب ہے — تو اپنے مُنہ کو دیکھ، کہ خود آفتاب ہے
گُل اور گلاب کا بھی تجھی میں حساب ہے — رُخسار تیرا گُل ہے، پسینا گلاب ہے

ہر لحظہ اپنے جسم کے نقش و نگار دیکھ
اے گُل، تو اپنے حُسن کی آپی بہار دیکھ

نرگس کے پھول پر تو نہ اپنا گمان کر — اور سرو سے بھی دل نہ لگا اپنا جان کر
اپنے سوا کسی پہ تو ہرگز نہ دھیان کر — یہ سب سما رہے ہیں تجھی میں تو آن کر

ہر لحظہ اپنے جسم کے نقش و نگار دیکھ
اے گُل، تو اپنے حسن کی آپی بہار دیکھ

نرگس وہ کیا ہے، جان، تری چشمِ خوش نگاہ — اور سرو کیا ہے، یہ ترا قدِ دراز، آہ

گر سیرِ باغ چاہے، تو اپنی ہی کر تو چاہ — حق نے تجھی کو باغ بنایا ہے، واہ واہ

ہر لحظہ اپنے جسم کے نقش و نگار دیکھ
اے گُل، تو اپنے حسن کی آپی بہار دیکھ

ر دل میں تیرے قمری و بلبل کا دھیان ہے — تو ہونٹھ تیرے قمری ہیں، بلبل زبان ہے
ہے تو ہی باغ اور تو ہی باغ بان ہے — باغ و چمن ہیں جتنے، تو اُن سب کی جان ہے

ہر لحظہ اپنے جسم کے نقش و نگار دیکھ
اے گُل، تو اپنے حُسن کی آپی بہار دیکھ

بیلا، گلاب، سیوتی، نسرین و نسترن — داؤدی، جوہی، لالہ و رابیل و یاسمن
جتنی جہاں میں پھولی ہے پھولوں کی انجمن — یہ سب تجھی میں پھول رہے ہیں چمن چمن

ہر لحظہ اپنے جسم کے نقش و نگار دیکھ
اے گُل، تو اپنے حُسن کی آپی بہار دیکھ

باغ و چمن کے غنچہ و گل میں نہ ہو اسیر — قمری کی سن نفیر، نہ بلبل کی سن صفیر
اپنے تئیں تو دیکھ کہ کیا ہے ارے نظیر — ہیں حرفِ مَن عَرَف کے یہی معنی، اے نظیر

ہر لحظہ اپنے جسم کے نقش و نگار دیکھ
اے گل، تو اپنے حسن کی آپی بہار دیکھ

دُنیا

دُنیا ہے اک نگارِ فریبندہ جلوہ گر
اُلفت میں اِس کی کچھ نہیں جز کُلفت و ضرر

آج اُس پہ متی کہیں، تو لگائی کل اِس پہ گھات
حسرت فزا و ہوش ربا و شکیب بر

ہوتا ہے آخر اِس کے گرفتار کا یہ حال
جیسے مگس کے شہد میں بھر جاویں بال و پر

سحر و فسوں وہ رکھتی ہے بہرِ فریبِ دل
حیراں ہو، سحرِ سامری بھی جس کو دیکھ کر

لینے کو نقدِ عمر کے، شیریں ہے مثلِ قند
جب لے چکے، تو ہوتی ہے حنظل سے تلخ تر

جو اِس سے دل لگاتے ہیں، آخر ہو مُنفعِل
ملتے ہیں اپنے دستِ تاسف بہ یک دگر

تو بھی جو اُس کے پاس لگاوے گا دل، تو یار
اِس نخل سے ملے گا تجھے بھی یہی ثمر

میں تجھ کو اُس کے ربط سے کرتا نہ منع، آہ
لیکن کروں میں کیا، تجھے درپیش ہے سفر

تو اِس مثل کو سوچ ذرا، گر سفر گزیں
کرتا ہے قطعِ راہ کو، باندھے ہوئے کمر

گر درمیانِ رہ کوئی مل جاوے باغ اُسے
تو چلتے چلتے دیکھتا جاتا ہے اک نظر

بس اِس نگار خانے کو تو بھی اِسی نمط
سیرِ مسافرانہ کر، اور اِس سے درگذر

اِس حرف کو نظیرؔ کے یوں دل میں دے مکاں
کرتا ہے جیسے نقش، نگیں کے جگر میں، گھر

جواہر خانۂ دُنیا

یہ جواہر خانۂ دُنیا، جو ہے باآب وتاب
اہلِ صورت کا ہے دریا، اہلِ معنی کا سراب
وہ مُطلّا قصرِ رنگیں، وہ مُنقّش بام و در
جن کی رنگینی سے تھا قصرِ ارم کو پیچ وتاب
وہ عظیم الشّان مکاں، دیتی تھیں جن کی رفعتیں
ہنس کے، طاقِ آسماں کو، طاقِ ابرو سے جواب
اُن میں تھے وہ صاحبِ ثروت، جنھیں کہتی تھی خلق
کیقباد و قیصر و کیخسرو و افراسیاب
ہر طرف فوجِ بُتاں، ہر سو ہجومِ گُل رُخاں
جن کے عارض، رنجِ ماہ و رشکِ روئے آفتاب
چشمک و آن و اشارات و ادا و سرکشی
طنز و تعریض و کنایت، غمزہ و ناز و عتاب
صبح سے لے شام تک اور شام سے لے تا بہ صبح
متّصل رقص و سرود و پے بہ پے جامِ شراب
ساقی و مطرب، ندیم و مستی و مے خوارگی
ساغر و مینا، گل و عطر و مے و نقل و کباب

کثرتِ اہلِ نشاط و جوشِ نوشا نوشِ مے
از زمیں تا آسماں شورِ نے وچنگ ورباب
وہ بہاریں، وہ فضائیں، وہ ہوائیں، وہ سُرور
وہ طرب، وہ عیش، کچھ جس کا نہیں حدّ وحساب
یا تو وہ ہنگامۂ تنشیط تھا، یا دفعتاً
کردیا کچھ ایسا اِس دورِ فلک نے انقلاب
جو وہ سب جاتے رہے دم میں حباب آسا، مگر
رہ گئے عبرت زدہ وہ قصرِ ویران وخراب
تھا جہاں وہ مجمعِ عالی، وہاں اب ہے تو کیا
نقشِ سُمِ گور، یا کُہنہ کوئی پَرِ عقاب
ہیں اگر دو خشت باہم، تو لبِ افسوس ہیں
اور جو کوئی طاق ہے، تو صورتِ چشمِ پُرآب
خواب کہیے اِس تماشے کو نظیر اب، یا خیال
کچھ کہا جاتا نہیں، وَاللّٰہُ اَعلَمُ بِالصَّوَاب

دُنیا کے عیش و عشرت

کہا یہ دل نے مجھے، دیکھ کر شبِ مہتاب
کہ میں ہوں اس شبِ مہتاب میں بہت بے تاب

جو آج کچھ بھی مرے پاس سیم و زر ہوتا
تو کیا ہی عیش کے کرتا میں اس گھڑی اسباب

بلا کے مطرب و رقاص چند بادلہ پوش
بچھا کے فرشِ مکلّف، سفید، آئنہ تاب

جو چیزیں بزمِ طرب کی ہیں، سب مہیا کر
خوشی سے بیٹھتا محفل میں جوں گلِ شاداب

ادھر سرور دکھاتی بہارِ رقص و سرود
اُدھر سے عیش بڑھاتے صدائے چنگ و رباب

برستے عیش و نشاط اس طرح سے کر کے ہجوم
کہ جیسے برسے ہے جھڑ باندھ باندھ جوشِ سحاب

یہ سن کے میں نے کہا دل کو، ایسی محفل تو
پچاس، ساٹھ روپے میں بھی ہو سکے ہے شتاب

کچھ ایسی بات نہیں، یہ تو ہے ابھی موجود
پر، ایک بات میں پوچھوں، جو اُس کا دے تو جواب

ہوئے ہیں وہ جو جم و کیقباد و کیکاؤس
کب اُن کی دولت و حشمت کا ہو سکے ہے حساب

اُنھوں نے کھو کے کروڑوں روپے، یہ دیکھی سیر
پھر آخرش نہ وہ حشمت رہی، نہ وہ اسباب

صراحی رہ گئی حسرت سے خونِ دل پی کر
پیالہ رہ گیا حیرت سے کر کے چشم پُر آب

تو بس اسی میں تو عبرت پذیر ہو اے دل
کہ عیش و عشرتِ دنیا، خیال ہے یا خواب

تو جس کو زیست سمجھتا ہے، وہ ہے شعلۂ خس
تو جس کو عیش ہے گنتا، سو وہ ہے نقش بر آب

نہیں وہ چاندنی، ہو جس کے بعد تاریکی
نہیں وہ عیش کہ ہو جس کے بعد رنج و عذاب

ضیائے نورِ عبادت سے اپنا خانۂ دل
کر ایسا جیسا کہ ہے آفتابِ عالم تاب

فروغِ طاعت و تقوا کر اس قدر پیدا
کہ جس سے تیری شبِ گور ہو تجلّی یاب

دُنیا کی نیکی بدی

ہے دُنیا جس کا نانو میاں، یہ زور طرح کی بستی ہے
جو مہنگوں کو تو مہنگی ہے اور سستوں کو یہ سستی ہے
یاں ہر دم جھگڑے اُٹھتے ہیں، ہر آن عدالت بستی ہے
گر مست کرے تو مستی ہے، اور پست کرے تو پستی ہے
کچھ دیر نہیں، اندھیر نہیں، انصاف اور عدل پرستی ہے
اِس ہاتھ کرو، اُس ہاتھ ملے، یاں سودا دست بہ دستی ہے

جو اور کسی کا مان رکھے، تو اُس کو بھی ارمان ملے
جو پان کھلاوے، پان ملے، جو روٹی دے، تو نان ملے
نقصان کرے، نقصان ملے، احسان کرے، احسان ملے
جو جیسا جس کے ساتھ کرے، پھر ویسا اُس کو آن ملے
کچھ دیر نہیں، اندھیر نہیں، انصاف اور عدل پرستی ہے
اِس ہاتھ کرو، اُس ہاتھ ملے، یاں سودا دست بہ دستی ہے

جو پار اُتارے اوروں کو، اُس کی بھی ناو اُترنی ہے
جو غرق کرے، پھر اُس کو بھی یاں ڈبکوں ڈبکوں کرنی ہے
شمشیر، تبر، بندوق، سناں اور نشتر، تیر، نہرنی ہے
یاں جیسی جیسی کرنی ہے، پھر ویسی ویسی بھرنی ہے
کچھ دیر نہیں، اندھیر نہیں، انصاف اور عدل پرستی ہے
اِس ہاتھ کرو، اُس ہاتھ ملے، یاں سودا دست بہ دستی ہے

جو اور کی پگڑی لے بھاگے، اُس کا بھی اور اُچکّا ہے
جو اور پہ چوکی بٹھلا دے، اُس پر بھی دھونس دھڑکّا ہے
یاں پُشتی میں تو پُشتی ہے، اور دھکّے میں یاں دھکّا ہے
کیا زور مزے کا جمگھٹ ہے، کیا زور یہ بھیڑ بھڑکّا ہے
کچھ دیر نہیں، اندھیر نہیں، انصاف اور عدل پرستی ہے
اِس ہاتھ کرو، اُس ہاتھ ملے، یاں سودا دست بہ دستی ہے

ہے کھٹکا اُس کے ساتھ لگا، جو اور کسی کو دے کھٹکا
اور غیب سے جھٹکا کھاتا ہے، جو اور کسی کو دے جھٹکا
چیرے کے بیچ میں چیرا ہے، پٹکے کے بیچ جو ہے پٹکا
کیا کہیے اور نظیر آگے، ہے زور تماشا جھٹ پٹ کا
کچھ دیر نہیں، اندھیر نہیں، انصاف اور عدل پرستی ہے
اِس ہاتھ کرو، اُس ہاتھ ملے، یاں سودا دست بہ دستی ہے

دُنیا دھوکے کی ٹٹّی ہے

یہ پینٹھ عجب ہے دُنیا کی، اور کیا کیا جنس اکٹّھی ہے
یاں مال کسی کا میٹھا ہے اور چیز کسی کی کھٹّی ہے
کچھ پکتا ہے، کچھ بُھنتا ہے، پکوان، مٹھائی، پٹّی ہے
جب دیکھا خوب تو آخر کو، نہ چولھا، بھاڑ، نہ بھٹّی ہے
غُل شور، ببولا، آگ ہوا، اور کیچڑ، پانی، مٹّی ہے
ہم دیکھ چکے اِس دُنیا کو، یہ دھوکے کی سی ٹٹّی ہے

کوئی سیٹھ، مہاجن، لاکھ پتی، بزّاز، کوئی پنساری ہے
یاں بوجھ کسی کا ہلکا ہے، اور کھیپ کسی کی بھاری ہے
کیا جانے کون خریدے گا، اور کس نے جنس اُتاری ہے
جب دیکھا خوب تو آخر کو دلّال، نہ کوئی بیوپاری ہے
غل، شور، ببولا، آگ، ہوا، اور کیچڑ، پانی، مٹّی ہے
ہم دیکھ چکے اِس دنیا کو، یہ دھوکے کی سی ٹٹّی ہے

کوئی پھول کے بیٹھے مسند پر، کوئی رووے اپنی دولت کو
کوئی بولے، اپنا مجھ سے لو، اور میرا ہو، سو مجھ کو دو
کوئی لڑتا ہے، کوئی مرتا ہے، کوئی جھگڑے حق پر ناحق کو
جب دیکھا خوب تو آخر کو، کچھ دینا ایک، نہ لینا دو
غل، شور، ببولا، آگ، ہوا، اور کیچڑ، پانی، مٹی ہے
ہم دیکھ چکے اِس دنیا کو، یہ دھوکے کی سی ٹٹّی ہے

رمّال، نجومی، عامل ہے اور فاضل، مُلّا، سیانا ہے
کوئی عاقل، کامل، دانا ہے، کوئی مست پڑا دیوانا ہے
تعویذ، فلیتہ، فال، فسوں اور جادو، منتر لانا ہے
جب دیکھا خوب تو آخر کو، سب حیلہ، مکر، بہانا ہے
غل، شور، ببولا، آگ، ہوا، اور کیچڑ، پانی، مٹّی ہے
ہم دیکھ چکے اِس دنیا کو، یہ دھوکے کی سی ٹٹّی ہے

کوئی لوٹے کوچے گلیوں میں، تیار کسی کا ڈیرا ہے
کوئی باغ، کنواں بنواتا ہے، اور گھیر کسی نے گھیرا ہے
نت قصّے، جھگڑے کرتے ہیں، یہ میرا ہے، یہ تیرا ہے

جب دیکھا خوب، تو آخر کو، نہ میرا ہے، نہ تیرا ہے
غل، شور، ببولا، آگ، ہوا، اور کیچڑ، پانی، مٹّی ہے
ہم دیکھ چکے اس دنیا کو، یہ دھوکے کی سی ٹٹّی ہے

کوئی ٹوپی پہنے جاتا ہے، کوئی باندھ پھرا عمامہ ہے
کوئی صاف برہنہ پھرتا ہے، نہ پگڑی ہے، نہ جامہ ہے
کمخواب، گزی اور گاڑھے کا، نت قضیہ ہے، ہنگامہ ہے
جب دیکھا خوب، تو آخر کو، نہ پگڑی ہے، نہ جامہ ہے
غل، شور، ببولا، آگ، ہوا، اور کیچڑ، پانی، مٹّی ہے
ہم دیکھ چکے اس دنیا کو، یہ دھوکے کی سی ٹٹّی ہے

کوئی بال بڑھائے پھرتا ہے، کوئی سر کو گھونٹ منڈاتا ہے
کوئی کپڑے رنگے پہنے ہے، کوئی ننگے منگے آتا ہے
کوئی پوجا، کتھا بکھانے ہے، کوئی چھاپا، تلک لگاتا ہے
جب دیکھا خوب، تو آخر کو، سب چھوڑ، اکیلا جاتا ہے
غل، شور، ببولا، آگ، ہوا، اور کیچڑ، پانی، مٹّی ہے
ہم دیکھ چکے اس دنیا کو، یہ دھوکے کی سی، ٹٹّی ہے

کوئی روتا ہے، کوئی ہنستا ہے، کوئی ناچے ہے، کوئی گاتا ہے
کوئی چھینے، جھپکے، لے بھاگے، کوئی دھونس دھڑلّا لاتا ہے
کوئی مال اکٹھا کرتا ہے، کوئی کنجی قفل لگاتا ہے
جب دیکھا خوب تو آخر کو، سب جھگڑا رگڑا جاتا ہے
غل، شور، ببولا، آگ، ہوا، اور کیچڑ، پانی، مٹّی ہے
ہم دیکھ چکے اس دنیا کو، یہ دھوکے کی سی ٹٹّی

اب کس کا رنگ بُرا کہیے، اور کس کا روپ بھلا کہیے
اک دم کی بیٹھ لگی ہے یہ، انبوہ، مزہ، چرچا کہیے
یہ سیر تماشا دیکھ نظیرؔ، اب جا کہیے، بے جا کہیے
کچھ بات نہیں بن آتی ہے، چُپ چاپ بھلی ہے، کیا کہیے
غل، شور، بگولا، آگ، ہوا، اور کیچڑ، پانی، مٹّی ہے
ہم دیکھ چکے اِس دنیا کو، یہ دھوکے کی سی ٹٹّی ہے

دُنیا کے مکر و دغا

کیا کیا فریب کہیے دُنیا کی فطرتوں کا
مکر و دغا و دُزدی، ہے کام اکثروں کا
جب دوست مل کے لوٹیں اسباب مشفقوں کا
پھر کس زباں سے شکوہ اب کیجے دشمنوں کا
ہشیار یار جانی یہ دشت ہے ٹھگوں کا
یاں ٹک نگاہ چوکی، اور مال دوستوں کا

گر دن کو ہے اُچکّا، تو چور رات میں ہے
نٹ کھٹ کی کچھ نہ پوچھو، ہر بات بات میں ہے
اِس کی بغل میں کتّی، تیغ اس کے ہاتھ میں ہے
وہ اِس کی فکر میں ہے، یہ اُس کی گھات میں ہے
ہشیار یار جانی، یہ دشت ہے ٹھگوں کا
یاں ٹک نگاہ چوکی، اور مال دوستوں کا

عیّار اور چھچھورا، رِنت اپنے کار میں ہے
اور صبح خیز یا بھی اپنی بہار میں ہے
قزّاق جس مکاں پر فکرِ سوار میں ہے
پیادہ غریب اُس جا پھر کس شمار میں ہے
ہشیار یار جانی، یہ دشت ہے ٹھگوں کا
یاں ٹک نگاہ چوکی، اور مال دوستوں کا

اِس راہ میں جو آیا اَسوار، گہ کے گھوڑا ٹھگ سے بچا، تو آگے قزاق نے نہ چھوڑا
سویا سرا میں جا کے، تو چور نے جھنجھوڑا تیغ مارہا نہ بھالا، گھوڑا رہا نہ کوڑا
ہشیار یارِ جانی، یہ دشت ہے ٹھگوں کا
یاں ٹک نگاہ چوکی، اور مال دوستوں کا

نادان کو پلا کر اک بھنگ کا پیالا کپڑے بغل میں مارے، اور لے لیا دوشالا
دانا ملا، تو اُس میں گھولا دھتورا کالا ہوتے ہی غافل، اُس کو پھانسی میں کھینچ ڈالا
ہشیار یارِ جانی، یہ دشت ہے ٹھگوں کا
یاں ٹک نگاہ چوکی، اور مال دوستوں کا

پیسے، روپے، اشرفی یا سیم و زر کا پترا بھر جیب گھر میں لاوے، ہے کون ایسا چترا
میدان، چوک، کھائی، یہ فن ہے وہ دھنترا کترے ہے جیب، چڑھ کر ہاتھی پہ، جیب کترا
ہشیار یارِ جانی، یہ دشت ہے ٹھگوں کا
یاں ٹک نگاہ چوکی، اور مال دوستوں کا

چڑیا نے دیکھ غافل، کیڑا اُدھر گھسیٹا کوّے نے وقت پا کر، چڑیا کا گھر گھسیٹا
چیلوں نے مار پنجے، کوّے کا سر گھسیٹا جو جس کے ہاتھ آیا، وہ اُس نے دھر گھسیٹا
ہشیار یارِ جانی، یہ دشت ہے ٹھگوں کا
یاں ٹک نگاہ چوکی، اور مال دوستوں کا

صیاد چاہتا ہے، ہو صید کا گزارا اور صید چاہے، دانا کھا کر، کرے کنارا
قابو چڑھا، تو اُس کا دانہ وہ کھا، سدھارا اور کچھ بھی چال چوکا، تو وو ہیں جال مارا
ہشیار یارِ جانی، یہ دشت ہے ٹھگوں کا
یاں ٹک نگاہ چوکی، اور مال دوستوں کا

نکلا ہے شیر گھر سے گیدڑ کا گوشت کھانے گیدڑ کی دُھن، لگاوے خود شیر کو ٹھکانے

یاں وہ بچا نظیؔر اب، جس کو رکھا خدا نے
کیا کیا کرے ہیں باہم مکر و دغا، بہانے
ہشیار یار جانی، یہ دشت ہے ٹھگوں کا
یاں ٹک نگاہ چوکی، اور مال دوستوں کا

دُنیا دارُ المکافات ہے

دُنیا عجب بازار ہے، کچھ جنس یاں کی سات لے
نیکی کا بدلا نیک ہے، بد سے بدی کی بات لے
میوہ کھلا، میوہ ملے، پھل پھول دے، پھل پات لے
آرام دے، آرام لے، دُکھ درد دے، آفات لے
کلجگ نہیں، کرجگ ہے یہ، یاں دن کو دے، اور رات لے
کیا خوب سودا نقد ہے، اِس ہاتھ دے، اُس ہات لے

کانٹا کسی کے مت لگا، گو مثلِ گُل پھولا ہے تُو
وہ تیرے حق میں تیر ہے، کس بات پر پھولا ہے تُو
مت آگ میں ڈال اور کو، پھر گھاس کا پولا ہے تُو
سُن رکھ یہ نکتہ بے خبر، کس بات پر بھولا ہے تُو
کلجگ نہیں، کرجگ ہے یہ، یاں دن کو دے، اور رات لے
کیا خوب سودا نقد ہے، اِس ہاتھ دے، اُس ہات لے

شوخی، شرارت، مکر و فن، سب کا بسیکھا ہے یہاں
جو جو دکھایا اور کو، وہ آپ دیکھا ہے یہاں
کھوٹی کھری جو کچھ کہے، تس کا پر یکھا ہے یہاں

جو جو پڑا ٹمٹا ہے دل، تل تل کا لیکھا ہے یہاں
کلجگ نہیں، کرجگ ہے یہ، یاں دن کو دے، اور رات لے
کیا خوب سودا نقد ہے، اِس ہاتھ دے، اُس ہات لے

جو اور کی بستی رکھے، اُس کا بھی بستا ہے پُرا
جو اور کے مارے چھری، اُس کے بھی لگتا ہے چھُرا
جو اور کی توڑے دھری، اُس کا بھی ٹوٹے ہے دھُرا
جو اور کی چیتے بدی، اُس کا بھی ہوتا ہے بُرا
کلجگ نہیں، کرجگ ہے یہ، یاں دن کو دے، اور رات لے
کیا خوب سودا نقد ہے، اِس ہاتھ دے، اُس ہات لے

جو اور کو پھل دیوے گا، وہ بھی سدا پھل پاوے گا
گیہوں سے گیہوں، جو سے جو، چاول سے چاول پاوے گا
جو آج دیوے گا یہاں، ویسا ہی وہ کل، پاوے گا
کل دیوے گا، کل پاوے گا، کلپا دے گا، کلپاوے گا
کلجگ نہیں، کرجگ ہے یہ، یاں دن کو دے، اور رات لے
کیا خوب سودا نقد ہے، اِس ہاتھ دے، اُس ہات لے

جو چاہے لے چل اِس گھڑی، سب جنس یاں تیار ہے
آرام میں آرام ہے، آزار میں آزار ہے
دُنیا نہ جان اِس کو میاں، دریا کی یہ منجدھار ہے
اوروں کا بیڑا پار کر، تیرا بھی بیڑا پار ہے
کلجگ نہیں، کرجگ ہے یہ، یاں دن کو دے، اور رات لے
کیا خوب سودا نقد ہے، اِس ہاتھ دے، اُس ہات لے

تُو اور کی تعریف کر، تجھ کو ثنا خوانی ملے
کر مشکل آساں اور کی، تجھ کو بھی آسانی ملے
تُو اور کو مہمان کر، تجھ کو بھی مہمانی ملے
روٹی کھلا، روٹی ملے، پانی پلا، پانی ملے
کلجگ نہیں، کر جگ ہے یہ، یاں دن کو دے اور رات لے
کیا خوب سودا نقد ہے، اِس ہاتھ دے، اُس ہات لے

کر چُک جو کچھ کرنا ہو اب، یہ دم تو کوئی آن ہے
نقصان میں نقصان ہے، احسان میں احسان ہے
تہمت میں یاں تہمت لگے، طوفان میں طوفان ہے
رحمان کو رحمان ہے، شیطان کو شیطان ہے
کلجگ نہیں، کر جگ ہے یہ، یاں دن کو دے اور رات لے
کیا خوب سودا نقد ہے، اِس ہاتھ دے، اُس ہات لے

یاں زہر دے تو زہر لے، شکّر میں شکّر دیکھ لے
نیکوں کو نیکی کا مزہ، موذی کو ٹکّر دیکھ لے
موتی دیے موتی ملیں، پتّھر میں پتّھر دیکھ لے
گر تجھ کو یہ باور نہیں، تو تو بھی کر کر دیکھ لے
کلجگ نہیں، کر جگ ہے یہ، یاں دن کو دے اور رات لے
کیا خوب سودا نقد ہے، اِس ہاتھ دے، اُس ہات لے

اپنے نفع کے واسطے، مت اور کا نقصان کر
تیرا بھی نقصاں ہووے گا، اِس بات اوپر دھیان کر
کھانا جو کھا، تو دیکھ کر، پانی پیے تو چھان کر

یاں پانوں کو رکھ پھونک کر، اور خوف سے گزران کر
کلجگ نہیں، کرجگ ہے یہ، یاں دن کو دے اور رات لے
کیا خوب سودا نقد ہے، اِس ہاتھ دے، اُس ہات لے

غفلت کی یہ جاگہ نہیں، یاں صاحبِ ادراک رہ
دل شاد رکھ، دل شاد رہ، غم ناک رکھ، غم ناک رہ
ہر حال میں تو بھی نظیرؔ، اب ہر قدم کی خاک رہ
یہ وہ مکاں ہے او میاں، یاں پاک رہ، بے باک رہ
کلجگ نہیں، کرجگ ہے یہ، یاں دن کو دے، اور رات لے
کیا خوب سودا نقد ہے، اِس ہاتھ دے، اُس ہات لے

دُنیا بھی کیا تماشا ہے

یہ جتنا خلق میں اب جا بہ جا تماشا ہے
جو غور کی تو یہ سب، ایک کا تماشا ہے
نہ جانو کم اِسے، یارو، بڑا تماشا ہے
جدھر کو دیکھو، اُدھر اک نیا تماشا ہے
غرض میں کیا کہوں، دُنیا بھی کیا تماشا ہے

ڈرے، یہ دیکھ تماشے، نہیں ہیں ہوش بجا
کسے بتاؤں میں سیدھا، کسے کہوں اُلٹا
جو ہو طلسمِ حقیقی، وہ جا دے کب سمجھا
عجب بہار کی اک سیر ہے ، ا ہا ہا ہا
غرض میں کیا کہوں، دُنیا بھی کیا تماشا ہے

نہیں ہے زور جنھوں میں، وہ کشتی لڑتے ہیں
جو زور والے ہیں، وہ آپ سے پچھڑتے ہیں
چھپٹ کے اندھے، بٹیروں کے تئیں پکڑتے ہیں
نکالے چھاتیاں کُبڑے اکڑتے پھرتے ہیں
غرض میں کیا کہوں، دنیا بھی کیا تماشا ہے

بنا کے نیاریا، زر کی دُکان بیٹھا ہے جو ہنڈی وال تھا، وہ خاک چھان بیٹھا ہے
جو چور تھا، سو وہ ہو پاسبان بیٹھا ہے زمین پھرتی ہے، اور آسمان بیٹھا ہے
غرض میں کیا کہوں، دنیا بھی کیا تماشا ہے

چکوریں گھستی ہیں اور گدھ گھگو بڑھتے ہیں پتنگے بوند ہیں، مچھر فلک پہ چڑھتے ہیں
کتابیں کھول چغد بیٹھے آپے گڑھتے ہیں نماز بلبلیں، توتے قران پڑھتے ہیں
غرض میں کیا کہوں، دنیا بھی کیا تماشا ہے

عراقی، پھوس، بھٹیرے کھڑے چباتے ہیں گدھے، پلاو کے تئیں لات مار جاتے ہیں
جو شیر ہیں، اُنھیں گیدڑ کھڑے چڑاتے ہیں پڑھن تو ناچے ہیں، مینڈک ملار گاتے ہیں
غرض میں کیا کہوں، دنیا بھی کیا تماشا ہے

بطوں کی لمبی دُمیں، مور سب لنڈورے ہیں سفید کوّے ہیں، چیلوں کے رنگ بھورے ہیں
جو سادھو سنت ہیں پورے، سو وہ ادھورے ہیں کپٹ کی ندی پہ بگلے بھگت کے پورے ہیں
غرض میں کیا کہوں، دنیا بھی کیا تماشا ہے

زبان ہے جس کی، اشارت سے وہ پکارے ہے جو گونگا ہے، وہ کھڑا فارسی بگھارے ہے
کُلاہ ہنس کی، کوّا کھڑا اُتارے ہے اُچھل کے مینڈکی، ہاتھی کے لات مارے ہے
غرض میں کیا کہوں، دنیا بھی کیا تماشا ہے

چمن ہیں خشک، بنوں بیچ آب جاری ہے خراب پھول ہیں، کانٹوں کی گُل عذاری ہے
سیاہ گوش کو پڈری نے لات ماری ہے دبکتے پھرتے ہیں چیتے، ہرن شکاری ہے
غرض میں کیا کہوں، دنیا بھی کیا تماشا ہے

جنھوں کے کان نہیں، دور کی وہ سنتے ہیں جو کان والے ہیں، بیٹھے وہ سر کو دھنتے ہیں
دھوئیں برستے ہیں اور ابر تنکے چُنتے ہیں کباب بھگتے ہیں، اور ملیدے بھنتے ہیں
غرض میں کیا کہوں، دُنیا بھی کیا تماشا ہے

خبیث، دیو، پلید، آ ہر اک سے لڑتے ہیں
جو آدمی ہیں، وہ ان سب کے پانو پڑتے ہیں
بلائیں لپٹی ہیں، اور بھوت، چن جھگڑتے ہیں
یہ قہر دیکھو کہ زندوں سے مُردے لڑتے ہیں
غرض میں کیا کہوں، دنیا بھی کیا تماشا ہے

گدھا لڑائی میں ہاتھی کے تئیں تاڑے ہے
شتر کے گھر کے تئیں لومڑی اُجاڑے ہے
ہُما کو بوم ہر اک وقت مارے دھاڑے ہے
غضب ہے، پودنا، سارس کا پر اکھاڑے ہے
غرض میں کیا کہوں، دنیا بھی کیا تماشا ہے

کِھلے ہیں آکھ کے پھول، اور گلاب جھڑتے ہیں
بنولے پکتے ہیں، انگور، آم، سڑتے ہیں
سخی، کریم پڑے ایڑیاں رگڑتے ہیں
بخیل، موتیوں کو موسلوں سے چھڑتے ہیں
غرض میں کیا کہوں، دنیا بھی کیا تماشا ہے

سلیماں بھوکے ہیں، چیونٹی کے پاس ڈھیری ہے
کلنگ، بُزّے کی چڑیا نے راہ گھیری ہے
عجب اندھیرے اُجالے کی پھیر اپھیری ہے
گھڑی میں چاندنی ہے، اور گھڑی اندھیری ہے
غرض میں کیا کہوں، دنیا بھی کیا تماشا ہے

عزیز تھے، سو ہوئے چشم میں سبھوں کی حقیر
حقیر تھے، سو ہوئے سب ہیں صاحبِ توقیر
عجب طرح کی ہوائیں ہیں اور عجب تاثیر
اچنبھے خلق کے کیا کیا بیان کروں میں نظیر
غرض میں کیا کہوں، دنیا بھی کیا تماشا ہے

اسرارِ قدرت

جہاں میں کیا کیا خرد کے اپنی ہر اک بجاتا ہے شادیانے
کوئی حکیم اور کوئی مہندس، کوئی ہو پنڈت، کتھا بکھانے
کوئی ہے عاقل، کوئی ہے فاضل، کوئی نجومی لگا کہانے

جو چاہو، کوئی یہ بھید کھولے، یہ سب ہیں حیلے، یہ سب بہانے
پڑے بھٹکتے ہیں لاکھوں دانا، کروڑوں پنڈت، ہزاروں سیانے
جو خوب دیکھا تو یار آخر، خدا کی باتیں، خدا ہی جانے

ہَوا کے اوپر یہ آسماں کا بے چوبہ خیمہ جو تن رہا ہے
نہ اِس کی میخیں، نہ ہیں طنابیں، نہ اِس کی چوبیں اِدھر کھڑا ہے
اِدھر ہے چاند اور اُدھر ہے سورج، اِدھر ستارہ، اُدھر ہوا ہے
کسی کو مطلق خبر نہیں ہے کہ کب بنا ہے، اور کا ہے کا ہے
پڑے بھٹکتے ہیں لاکھوں دانا، کروڑوں پنڈت، ہزاروں سیانے
جو خوب دیکھا تو یار آخر، خدا کی باتیں، خدا ہی جانے

فلک تو کہنے کو دور ہے گا، زمیں کا اب جو یہ بسترا ہے
کھڑے ہیں لاکھوں پہاڑ جس پر، فلک سے سر جس کا جا لگا ہے
ہزاروں حکمت کا اک بچھونا، یہ پانی اوپر جو بچھ رہا ہے
بہت حکیموں نے خاک چھانی، کوئی نہ سمجھا، یہ بھید کیا ہے
پڑے بھٹکتے ہیں لاکھوں دانا، کروڑوں پنڈت، ہزاروں سیانے
جو خوب دیکھا تو یار آخر، خدا کی باتیں خدا ہی جانے

زمیں سے لے کر جو آسماں تک بھری ہے لاکھوں طرح کی خلقت
کہیں ہے ہاتھی، کہیں ہے چیونٹی، کہیں ہے رائی، کہیں ہے پربت
یہ جتنے جلوے دکھا رہی ہے خدا کی صنعت، خدا کی حکمت
جو چاہے کھولے یہ بھید اس کے، کسی کو اتنی نہیں ہے قدرت
پڑے بھٹکتے ہیں لاکھوں دانا، کروڑوں پنڈت، ہزاروں سیانے
جو خوب دیکھا تو یار آخر، خدا کی باتیں، خدا ہی جانے

کوئی جو پوچھے کسی سے جاکر، یہ مُلک کیا ہے، اور کب بنا ہے
جو جانتا ہو تو کچھ بتاوے، نہ جانے، سو کیا کہے کہ کیا ہے
ارسطو، لقمان، اور فلاطوں، ہر ایک سر کو پٹک گیا ہے
یہ وہ طلسمات ہے کہ جس کی نہ ابتدا ہے، نہ انتہا ہے
پڑے بھٹکتے ہیں لاکھوں دانا، کروڑوں پنڈت، ہزاروں سیانے
جو خوب دیکھا تو یار آخر، خدا کی باتیں، خدا ہی جانے

کوئی ہے ہنستا، کوئی ہے روتا، کہیں ہے شادی، غمی کہیں ہے
کہیں ترقی، کہیں تنزّل، کہیں گماں، اور کہیں یقیں ہے
کوئی گھسٹتا زمیں کے اوپر، کوئی خوشی سے فلک نشیں ہے
یہ بھید اپنا وہ آپ جانے، کسی کو ہرگز خبر نہیں ہے
پڑے بھٹکتے ہیں لاکھوں دانا، کروڑوں پنڈت، ہزاروں سیانے
جو خوب دیکھا تو یار آخر، خدا کی باتیں، خدا ہی جانے

عجب طرح کی یہ رنگیں، چوپڑ غرض بچھائی ہے اب خدا نے
کوئی ہے پٹھکل، کسی کا مُجگ ہے، بھرے ہیں نرد یں بھی خانے خانے
جو پانسا پھینکے بنا بنا کر، اور داؤ کتنے ہی دل میں ٹھانے
جو چاہتا ہو اٹھارہ آویں، تو اُس کو پڑتے ہیں تین کانے
پڑے بھٹکتے ہیں لاکھوں دانا، کروڑوں پنڈت، ہزاروں سیانے
جو خوب دیکھا تو یار آخر، خدا کی باتیں، خدا ہی جانے

عجب یہ شطرنج کا سا نقشا بچھا ہے دن اور رات اِس جا
جو بات چاہے کرے کسی کو، نہ آوے بُرد اُس کو ہاتھ اِس جا
ہزاروں منصوبے باندھے دل میں، بناوے چالوں کی گھات اِس جا

نہیں ہے اک چار چوک قائم، سبھوں کی بازی ہے مات اِس جا
پڑے بھٹکتے ہیں لاکھوں دانا، کروڑوں پنڈت، ہزاروں سیانے
جو خوب دیکھا تو یار آخر، خدا کی باتیں خدا ہی جانے

عجب طرح کے ورق بنے ہیں، کوئی مکدّر، کوئی صفا ہے
کسی کے سر پر ہے تاجِ شاہی، کسی پہ شمشیرِ پُر جفا ہے
کوئی امیر اور کوئی وزیر اور کوئی فقیری میں دل خفا ہے
سبھوں کو اِس جا خلال آیا، یہ حق کی قدرت کا گنجفا ہے
پڑے بھٹکتے ہیں لاکھوں دانا، کروڑوں پنڈت، ہزاروں سیانے
جو خوب دیکھا تو یار آخر، خدا کی باتیں، خدا ہی جانے

یہ کون جانے کہ کل کیا کیا اور آج مالک وہ کیا کرے گا
کسے بگاڑے، کسے سنوارے، کسے لنڈھاوے، کسے بھرے گا
کسی کے گھر کون ہووے پیدا، کسی کے گھر کون سا مرے گا
کسی کو ہرگز خبر نہیں ہے کہ کیا کیا ہے، اور کیا کرے گا
پڑے بھٹکتے ہیں لاکھوں دانا، کروڑوں پنڈت، ہزاروں سیانے
جو خوب دیکھا تو یار آخر، خدا کی باتیں، خدا ہی جانے

عجب طرح کا یہ جال ہے گا، کمند کہیے، و یا کمندا
نہ چھوٹے چیونٹی، نہ چھوٹے ہاتھی، نہ کوئی وحشی، نہ کوئی پرندا
سبھوں کی گردن پھنسی ہے اس میں، کسی کا ٹوٹا نہ ایک پھندا
نظیرؔ، اتنی مجال کس کی، کہاں خدا، اور کہاں یہ بندا
پڑے بھٹکتے ہیں لاکھوں دانا، کروڑوں پنڈت، ہزاروں سیانے
جو خوب دیکھا تو یار آخر، خدا کی باتیں، خدا ہی جانے

پری کا سراپا

خوں ریز کرشمہ، نازستم، غمزوں کی جھکاوٹ ویسی ہی
مژگاں کی سناں، نظروں کی انی، ابرو کی کھچاوٹ ویسی ہی
قتّال نگہ اور دشٹ غضب، آنکھوں کی لگاوٹ ویسی ہی
پلکوں کی جھپک، پتلی کی پھرت، سرمے کی گھلاوٹ ویسی ہی
عیّار نظر، مکّار ادا، تیوری کی چڑھاوٹ ویسی ہی

بے درد، ستم گر، بے پروا، بے کل، چنچل، چٹکیلی سی
دل سخت قیامت پتھر سا اور باتیں نرم رسیلی سی
آنوں کی بان ہٹیلی سی، کاجل کی آنکھ کٹیلی سی
وہ انکھیاں مست نشیلی سی، کچھ کالی سی، کچھ پیلی سی
چتون کی دغا، نظروں کی کپٹ، سینوں کی لڑاوٹ ویسی ہی

اُس کافر بینی اور نتھ کے انداز، قیامت شان بھرے
اور گہرے چاہِ زنخداں میں سو آفت کے طوفان بھرے
وہ نرمے صاف ستارا سے، اور موتی سے دامان بھرے
وہ کانِ جواہر کان بھرے کن پھولوں، بالے، جان بھرے
بندے کی لٹک، جھمکے کی جھمک، بالے کی ہلاوٹ ویسی ہی

چہرے پر حُسن کی گرمی سے ہر آن چمکتے موتی سے
خوش رنگ پسینے کی بوندیں، سو بار جھمکتے موتی سے
ہنسنے کی ادائیں پھول جھڑیں، باتوں میں ٹپکتے موتی سے
وہ پتلے پتلے ہونٹھ غضب، اور دانت چمکتے موتی سے
پانوں کی رنگاوٹ قہر، ستم، دھڑیوں کی جماوٹ ویسی ہی

تھی پہنے دونوں ہاتھوں میں کافر جو کڑے گنگا جمنی
کچھ شوخ کڑوں کی جھنکاریں، کچھ جھنکے چوڑی باہنوں کی
یہ دیکھ کے عالم، عاشق کا سینے میں نہ تڑپے کیونکر جی
وہ پتلی پتلی انگشتیں، پوریں وہ نازک نازک سی
منہدی کی رنگت، فندق کی بَنَت، چھلّوں کی چھلاوٹ ویسی ہی

وہ کافر دھج، جی، دیکھ جسے، سو بار قیامت کا لرزے
پازیب، کڑے، پایل، گھنگرو، کڑیاں، چھڑیاں، گجرے، توڑے
ہر جنبش میں سو جھنکاریں، ہر ایک قدم پر سو جھمکے
وہ چنچل چال جوانی کی، اونچی ایڑی، نیچے پنجے
کفشوں کی کھٹک، دامن کی جھٹک، ٹھوکر کی لگاوٹ ویسی ہی

یہ ہوش قیامت کافر کا، جو بات کہوں، وہ سب سمجھے
رو ٹھے، مچلے، سو سوانگ کرے، باتوں میں لڑے نظروں میں ملے
یہ شوخی، پھرتی، بے تابی، اک آن کبھی نچلی نہ رہے
چنچل، اچپل، مٹکے، چٹکے، سر کھولے ڈھانکے ہنس ہنس کے
قہقہے کی ہنساوٹ اور غضب، ٹھٹھوں کی اڑاوٹ ویسی ہی

قاتل ہر آن نئے عالم، کافر ہر آن نئی جھمکیں

بانکی نظریں، ترچھی پلکیں، بھولی صورت، میٹھی باتیں
دل بس کرنے کے لاکھوں ڈھب، جی لینے کی سو سو گھاتیں
ہر وقت پھبیں، ہر آن سجیں، دم دم میں بدلے لاکھ دھجیں
باہوں کی جھپک، گھونگھٹ کی ادا، جوبن کی دکھاوٹ، ویسی ہی

جو اُس پر حُسن کا عالم ہے، وہ عالم حُور کہاں پاوے
گر پردہ مُنہ سے دور کرے، خورشید کو چکّر آجاوے
جب ایسا حُسن بھبھوکا ہو، دل تاب بھلا کیونکر لاوے
وہ مکھڑا چاند کا ٹکڑا سا، جو دیکھ پری کو غش آوے
گالوں کی دمک، چوٹی کی جھمک، رنگوں کی گھلاوٹ ویسی ہی

کچھ ناز و ادا، کچھ مغروری، کچھ جور و جفا، کچھ بانک پنا
کچھ آمد حُسن کے موسم کی، کچھ کافر حُسن رہا گدرا
کچھ شور جوانی اُٹھتی کا، چڑھتا ہے اُمنڈ کر جوں دریا
وہ سینہ اُبھرا جوش بھرا، وہ حُسن کا عالم جھوم رہا
شانوں کی اکڑ، جوبن کی تکڑ سج دھج کی سجاوٹ ویسی ہی

یہ کافر گدّی کا عالم، گھبرائے پری بھی دیکھ جسے
وہ گورا صاف گلا ایسا، بہ جاوے موتی دیکھ جسے
دل لوٹے، تڑپے، ہاتھ ملے، اور غش کھاوے جی دیکھ جسے
وہ گردن اونچی حُسن بھری، کٹ جائے صراحی دیکھ جسے
دائیں کی مُڑت، بائیں کی پھرت، مونڈھوں کی کھچاوٹ ویسی ہی

چاندنی رات

صحنِ چمن میں واہ وا، زور بچھی تھی چاندنی
چاند، بلوریں لیتا تھا اور کھلی تھی چاندنی
آیا تھا یارِ گل بدن پہن کے بادلہ زری
چمکے تھی تار تار میں مہ کی جھلک ذری ذری
بوس و کنار و جام و مے، عیش و طرب، ہنسی خوشی
اِس میں کہیں سے یک بہ یک مرغِ سحر نے بانگ دی

صبح ہوئی، گجر بجا، پھول کھلے، ہوا چلی
یار بغل سے اُٹھ گیا جی ہی میں جی کی رہ گئی

کیا ہی مزوں سے عیش کی رات تھیں کام یابیاں
چھوٹے تھیں ماہتاب کی نہروں میں ماہتابیاں
آگے چُنی تھیں صف بہ صف مے کی کٹی گلابیاں
ہم کو نشے کی مستیاں، یار کو نیم خوابیاں
سینوں میں اضطرابیاں، آنکھوں میں بے حجابیاں
اس میں فلک نے رشک سے ڈالیں یہ کچھ خرابیاں

صبح ہوئی، گجر بجا، پھول کھلے، ہوا چلی
یار بغل سے اُٹھ گیا جی ہی میں جی کی رہ گئی

شب کو دلوں میں واہ وا، زور مزوں کے تار تھے
ہم سے دو چار یار تھا، یار سے ہم دو چار تھے
دونوں دلوں میں پیار تھا، دونوں گلوں میں ہار تھے
وصل کے بے قرار تھے، عیش کے کاروبار تھے
سینے میں آسمان کے تیرِ حسد کے پار تھے
ایک پلک میں ناگہاں سب وہ مزے، فرار تھے

صبح ہوئی، گجر بجا، پھول کھلے، ہوا چلی
یار بغل سے اُٹھ گیا جی ہی میں جی کی رہ گئی

چاندنی واہ چاندنی کرتی تھی کیا جھلک جھلک
چہک رہی تھیں بلبلیں، باغ رہا تھا سب مہک
جام کے لب سے ہر گھڑی نکلے تھی مے چھلک چھلک
یار بغل میں غنچہ لب، بوسوں کی سو لپک جھپک
عیش و طرب کی لذتیں ہونے لگیں جو یک بہ یک
ایسے مزے میں، عیش میں، آہ کہیں سے، یک نہ دھک

صبح ہوئی، گجر بجا، پھول کھلے، ہوا چلی
یار بغل سے اٹھ گیا جی ہی میں جی کی رہ گئی

ایک طرف تو نور میں ماہ رہا تھا جگ مگا — ایک طرف وہ رشکِ مہ میری بغل میں تھا پڑا
دونوں دلوں میں لذتیں، دونوں جیوں میں عیش تھا — مے کی گلابی ہاتھ میں آنکھوں میں چھا رہا نشا
ہونٹھوں سے ہونٹھ لگ رہے سینے سے سینہ مل رہا — اتنے میں آہ یک بہ یک کیا ہی غضب یہ ہو گیا
صبح ہوئی، گجر بجا، پھول کھلے، ہوا چلی
یار بغل سے اٹھ گیا، جی ہی میں جی کی رہ گئی

واہ ہوئیں تھیں رات کیا چاندنی کی اُجالیاں — جھوم رہی تھیں باغ میں سُنبل و گُل کی ڈالیاں
شوخ بغل میں ناز سے کھولے تھا زلفیں کالیاں — خوش ہو گلے لپٹ لپٹ، دیتا تھا میٹھی گالیاں
ہم بھی نشے میں مست تھے ساقی کی پی کے پیالیاں — جل کے فلک نے اس میں ہائے آفتیں لا یہ ڈالیاں
صبح ہوئی، گجر بجا، پھول کھلے، ہوا چلی
یار بغل سے اُٹھ گیا، جی ہی میں جی کی رہ گئی

کیا ہی چمن میں شب کو واہ، برسے تھی نور کی جھڑی — تار نشوں کے تھے بندھے، لوٹے تھی چاندنی پڑی
غنچہ دہن تھا بے خبر، پی تھی جو مے کڑی کڑی — دیتا تھا بوسے پیار کے سینے سے مل گھڑی گھڑی
چشم سے چشم، لب سے لب، چھاتی سے چھاتی جب لڑی — کیا ہی گھڑی تھی عیش کی، اس میں بلا یہ آ پڑی
صبح ہوئی، گجر بجا، پھول کھلے، ہوا چلی
یار بغل سے اُٹھ گیا، جی ہی میں جی کی رہ گئی

باغ تھا یا کہ خلد وہ یا کہ بہشت یا ارم — یار تھا یا کہ حور تھا یا کہ پری وہ یا صنم
چاندنی تھی وہ چاندنی چاندی کا رنگ جس سے کم — پیتے تھے مے گھڑی گھڑی لیتے تھے بوسے دم بدم
دونوں نشے میں مست ہو، سوئے پلنگ پہ جب کہ ہم — عین مزہ تھا وصل کا اس میں نظیرؔ یہ ہے ستم
صبح ہوئی، گجر بجا، پھول کھلے، ہوا چلی
یار بغل سے اُٹھ گیا، جی ہی میں جی کی رہ گئی

جھڑی

رات لگی تھی واہ واہ، کیا ہی بہار کی جھڑی   موسم خوش بہار تھا، ابر و ہوا کی دھوم تھی
شمع و چراغ و گل بدن، بارہ دری تھی باغ کی   یار بغل میں غنچہ لب، رات اندھیری جھمک رہی
مینہ کے مزے، ہوا کے غل، مے کے نشے گھڑی گھڑی   اس میں کہیں سے ہے ستم، ایسی اک آ پَوَن چلی

ابر کھلا، ہوا گھٹی، بوندیں تھمیں، سحر ہوئی
پہلو سے یار اٹھ گیا، سب وہ بہار بہہ گئی

شب کو ہوئیں اہا اہا، زور مزوں کی مستیاں   بجلی کی کھلیں ہنستیاں، بوندیں پڑی برستیاں
سبز دلوں کی بستیاں، جنس خوشی کی سستیاں   دونوں میں عیش مستیاں، دونوں میں مے پرستیاں
دھوم جیوں میں بستیاں، چہلیں پڑی اکستیاں   اس میں فلک نے یک بہ یک لوٹیں دلوں کی بستیاں

ابر کھلا، ہوا گھٹی، بوندیں تھمیں، سحر ہوئی
پہلو سے یار اٹھ گیا، سب وہ بہار بہہ گئی

برسے تھیں کیا ہی جھوم جھوم رات گھٹائیں کالیاں   کوئلیں بولیں کالیاں، بہہ چلے نالے، نالیاں
بجلیوں کی اجالیاں، بارہ دری کی جالیاں   عیش کی جھومیں ڈالیاں، باہیں گلوں میں ڈالیاں
چلتی تھیں مے کی پیالیاں، منہ پہ نشوں کی لالیاں   اس میں فلک نے دوڑ کر سب وہ ہوائیں کھالیاں

ابر کھلا، ہوا گھٹی، بوندیں تھمیں، سحر ہوئی
پہلو سے یار اٹھ گیا، سب وہ بہار بہہ گئی

چار طرف سے ابر کی واہ اٹھی تھی کیا گھٹا   بجلی کی جگمگاہٹیں، رعد رہا تھا گڑ گڑا
برسے تھا مینہ بھی جھوم جھوم چھاجوں لنڈ لنڈ پڑا   جھونکے ہوا کے چل رہے، یار بغل میں لوٹتا

ہم بھی ہوا کی لہر میں، پیتے تھے مے بڑھا بڑھا   دیکھ ہمیں اس عیش میں، سینہ فلک کا پھٹ گیا

ابر کھلا، ہوا گھٹی، بوندیں تھمیں، سحر ہوئی
پہلو سے یار اٹھ گیا، سب وہ بہار بہہ گئی

زور مزوں سے رات کو، برسے تھا مینہ جھمک جھمک   بوندیں پڑیں ٹپک ٹپک، پانی پڑے جھپک جھپک
جام رہے چھلک چھلک، شیشے رہے بھبک بھبک   یار بغل میں بانمک، عیش و طرب بتھے بے دھڑک
ہم بھی نشوں میں خوب چھک، لوٹتے تھے بہک بہک   کیا ہی سماں تھا عیش کا، اتنے میں آہ یک بہ یک

ابر کھلا، ہوا گھٹی، بوندیں تھمیں، سحر ہوئی
پہلو سے یار اٹھ گیا، سب وہ بہار بہہ گئی

کیا ہی مزہ تھا واہ واہ، ابر و ہوا کا یارو، کل   برسے تھا مینہ سنبھل سنبھل، آگے رہی تھی شمع جل
عیش و نشاط بر محل، بارہ دری کا تھا محل   شوخ سے بھر رہی بغل، دل میں قرار، جی میں کل
پیتے تھے مے مچل مچل، لیتے تھے بوسے پل بہ پل   اس میں نظیرؔ یک بہ یک، آکے یہ پڑ گئے خلل

ابر کھلا، ہوا گھٹی، بوندیں تھمیں، سحر ہوئی
پہلو سے یار اٹھ گیا، سب وہ بہار بہہ گئی

فراق

جب سے تم کو لے گیا ہے یہ فلک اظلم کہیں   جی ترستا ہے کہیں اور چشم ہے پُر نم کہیں
ہم پہ جو گزرا ہے، وہ گزرا کسی پر کم کہیں   نہ تسلّی ہے، نہ دل کو چین ہے اک دم کہیں

چھوٹ جاویں غم کے ہاتھوں سے جو نکلے دم کہیں
خاک ایسی زندگی پر، تم کہیں اور ہم کہیں

تم وہاں بیٹھے ہو، ہم یاں ہجر کے ہاتھوں خراب / نہ تو دن کو بھوک ہے، نہ رات کو آتا ہے خواب
بے قراری، یادگاری، انتظاری، اضطراب / کیا کہیں، تم بن پڑا ہے ہم پہ اب کیسا عذاب

چھوٹ جاویں غم کے ہاتھوں سے جو نکلے دم کہیں
خاک ایسی زندگی پر، تم کہیں اور ہم کہیں

ہر گھڑی آنسو بہانا دیدۂ خوں بار سے / رات دن سر کو پٹکنا ہر در و دیوار سے
آہ و نالہ کھینچنا ہر دم دلِ بیمار سے / ہے بُرا احوال اب تو ہجر کے آزار سے

چھوٹ جاویں غم کے ہاتھوں سے جو نکلے دم کہیں
خاک ایسی زندگی پر، تم کہیں اور ہم کہیں

یاد آتی ہے تمہاری اُلفتوں کی جب کہ چاہ / دل کے ٹکڑے ہوتے ہیں، آنسو بہے ہیں خواہ مخواہ
پاؤں میں طاقت، نہ تن میں زور، نہ معلوم راہ / کیا غضب ہے، کیا کریں، کچھ بن نہیں آتی ہے آہ

چھوٹ جاویں غم کے ہاتھوں سے جو نکلے دم کہیں
خاک ایسی زندگی پر، تم کہیں اور ہم کہیں

نہ کسی سے مہر و اُلفت، نہ کسی سے پیار ہے / نہ رفیق اپنا کوئی اور نہ کوئی غم خوار ہے
دل اُدھر سینے میں تڑپے، جی اِدھر بیمار ہے / کیا کہیں، اب تو بہت مٹی ہماری خوار ہے

چھوٹ جاویں غم کے ہاتھوں سے جو نکلے دم کہیں
خاک ایسی زندگی پر، تم کہیں اور ہم کہیں

گھر میں جی بہلے، نہ باہر انجمن میں دل لگے / نہ خوش آوے سیر، نہ سرو و سمن میں دل لگے
نہ پہاڑوں میں، نہ صحرا میں، نہ بن میں دل لگے / اب تو تم بن نہ گلستاں، نہ چمن میں دل لگے

چھوٹ جاویں غم کے ہاتھوں سے جو نکلے دم کہیں
خاک ایسی زندگی پر، تم کہیں اور ہم کہیں

یہ نہیں، اُڑ کر تمہارے پاس جو آجائیے / جی ہی جی میں کب تلک خونِ جگر کو کھائیے

چشمِ تر اور داغ سینے کے کسے دکھلائیے — دل سمجھتا ہی نہیں، کیوں کر اُسے سمجھائیے

چھوٹ جاویں غم کے ہاتھوں سے جو نکلے دم کہیں
خاک ایسی زندگی پر، تم کہیں اور ہم کہیں

دم بہ دم بھرتے ہیں ٹھنڈی سانس بے دل کی طرح — نالہ و فریاد ہیں ہر آن گھائل کی طرح
سر پٹکنا اور تڑپنا رات دن، دل کی طرح — خاک و خوں میں لوٹتے ہیں اب تو بسمل کی طرح

چھوٹ جاویں غم کے ہاتھوں سے جو نکلے دم کہیں
خاک ایسی زندگی پر، تم کہیں اور ہم کہیں

اب جو اپنے حال پر ہم خوب کرتے ہیں نگاہ — ہر گھڑی شلِ نظیرؔ اِس غم سے ہے حالت تباہ
ہے جو کچھ ظلم و ستم ہم پر، کہیں کیا تم سے آہ — بن موئے اب تو نظر آتا نہیں ہرگز نباہ

چھوٹ جاویں غم کے ہاتھوں سے جو نکلے دم کہیں
خاک ایسی زندگی پر، تم کہیں اور ہم کہیں

سوزِ فراق

(تضمینِ مُعَشَّر)

مجھے اے دوست تیرا ہجر اب ایسا ستاتا ہے — کہ دشمن بھی مرے احوال پر آنسو بہاتا ہے
یہ بے تابی، یہ بے خوابی، یہ بے چینی دکھاتا ہے — نہ دل لگتا ہے گھر میں اور نہ صحرا مجھ کو بھاتا ہے
اگر کچھ مُنہ سے بولوں تو مزہ اُلفت کا جاتا ہے — وگر چپکا ہوں رہتا تو کلیجا مُنہ کو آتا ہے
مرا دردیست اندر دل، اگر گویم زبان سوزد — وگر دم در کشم، ترسم کہ مغزِ اُستخوان سوزد

کوک کروں تو جگ ہنسے اور چپکے لاگے گھاو
ایسے کٹھن سنیہ کا کس بدھ کر دوں اُپاو

نہ تھا معلوم جو الفت میں غم کھانا بھی ہوتا ہے — جگر کی بے کلی اور دل کا گھبرانا بھی ہوتا ہے
سسکنا، آہ کرنا، اشک بھر لانا بھی ہوتا ہے — تڑپنا، لوٹنا، بے تاب ہو جانا بھی ہوتا ہے
کیے پر اپنے پھر آپ کو دُکھ پانا بھی ہوتا ہے — کفِ افسوس کو مل مل کے پچھتانا بھی ہوتا ہے
اگر دانستم از روزِ ازل داغِ جدایی را — نمیکردم بدل روشن چراغِ آشنایی را

جو میں ایسا جانتی پیت کیے دُکھ ہوئے
نگر ڈھنڈھورا پھیرتی، پیت نہ کیجو کوئے

سحر سے شام تک صحرا میں پھرنا دن کو من مارے — لگا کر شام سے تا صبح گننا رات کے تارے
لبوں پر آہ، دل میں داغ، جوں آتش کے انگارے — جسے دل چاہتا ہے، اُس کو کچھ پروا نہیں بارے
جب اُس کی ہی یہ مرضی ہے، تو چپ بیٹھے رہیں بے چارے — مگر اُس کے تصوّر میں یہی کہتے ہیں "اے پیارے!"
زحالِ من کہ چونم بی رخت داری خبر یا نہ — دلِ من سوخت آیا در دلت باشد اثر یا نہ

آہ دئی کیسی بھئی اُن چاہت کے سنگ
دیپک کے بھاویں نہیں، جل جل مریں پتنگ

کبھی ہو کر گریباں چاک صحرا کو نکلتا ہوں — کبھی گھبرا کے پھر گھر کی طرف ناچار چلتا ہوں
لگی ہے آگ دل میں، شمع ساں جل کر پگھلتا ہوں — دھواں اُٹھتا ہے آہوں کا، بہ رنگِ موم گلتا ہوں
بدن میں دیکھ کر شعلے بھڑکتے، ہاتھ ملتا ہوں — بھبھوکے تن سے اُٹھتے ہیں، ستی کی طرح جلتا ہوں
ز تابِ آتشِ دوری کہ میسوزد دل و جان را — نمودہ نبضِ من پُر آبلہ دستِ طبیبان را

برہ آگ تن میں لگی، جرن لگے سب گات
ناری چھووت بید کے، پڑے پھپھولا ہات

غضب ہے ایک تو سمجھے نہ دل، اور جی بھی گھبراوے — تس اوپر ہر گھڑی اُس دل ربا کی شکل یاد آوے
نہ ہو دل کیوں کے ٹکڑے، اور نہ جاں کس طور اکتاوے — در و دیوار سے کیوں کر نہ کوئی سر کو ٹکراوے
لگے جو آگ دل میں پھر وہ بجھے کس طرح پاوے — مگر جس نے لگائی ہو، وہی آ کر بجھا جاوے

چو در دل آتشِ دوری فتد، اورا کہ بنشاند
مگر آن کس کہ آتش زد ہمان آبی بر افشاند

ہردے اندر دوں لگی، دھواں نہ پرگھٹ ہوئے
جا تن لاگی، سو لکھے، دوجا لکھے نہ کوئے

کہاں تک کھائیے غم، اب تو غم کھایا نہیں جاتا
دلِ بے تاب کو باتوں سے بہلایا نہیں جاتا

قدم رکھتا ہوں جس جا، واں سے سرکایا نہیں جاتا
یہ پتھر، ہاتھ سے تِل بھر بھی اُکسایا نہیں جاتا

پڑا ہوں وحشت میں، رستہ کہیں پایا نہیں جاتا
جو چاہوں بھاگ جاؤں، بھاگ بھی جایا نہیں جاتا

مکانِ یار دور از من، نہ پر دارم نہ پا، ای دل
عجب در مشکل افتادم چسان طی سازم این منزل

نا میرے پنکھ، نہ پاؤں بل، میں اپنکھ، پیا دور
اُڑ نہ سکوں، گر گر پڑوں، رہوں بسور بسور

اُدھر دل مجھ سے کہتا ہے کہ تو چل یار کے ڈیرے
اِدھر تن مجھ کو کہتا ہے کہ تو مت مجھ کو دُکھ دے رے

جو کہنا دل کا کرتا ہوں، تو رہتا ہے وہ گھر میرے
وگر تن کی سنوں، تو اور دُکھ پڑتے ہیں بہتیرے

نہ دل مانے، نہ تن مانے، ہر اک اپنی طرف پھیرے
کروں کیا میں نظیرؔ، ایسی جو مشکل آن کر گھیرے

دلم دلدار میجوید، تنم آرام میخواہد
عجائب کشمکش دارم کہ جانم مفت میکاہد

دل چاہے دل دار کو، اور تن چاہے آرام
دبدھا میں دونوں گئے، مایا ملی نہ رام

طلسمِ وصال

نظر آیا مجھے اک شوخ ایسا نازنیں چنچل
کہ جس کی دیکھ کر سج دھج، مرا دل ہو گیا بے کل

ادا بھی چلبلی اور آن میں بھی کچھ عجب چھل بل
فسوں گر انکھڑیاں ظالم کی اور جس پر لگا کاجل

کبھی نظریں لڑا دے اور کبھی مکھڑے پہ لے آنچل ۔۔۔ پڑا در کان میں جھلکے، گلے میں سج رہی ہیکل
نگاری، گل عذاری، نو بہاری، ناز پیرائی ۔۔۔ دلآرامی، پری شکلی، بُتی، شوخی، دلآرامی

دیہہ کُسمن تیں ادجری، مکھ تیں چند لجائے
بھوئیں دھنکیں تان کیں کملن بان چلائے

مجھے اس شوخ چنچل نے جب اپنا حسن دکھلایا ۔۔۔ دکھا کر اک نظر چلتا ہوا اور مجھ کو تڑپایا
گرا میں ہو کے بے خود یوں پری کا جیسے ہو سایا ۔۔۔ پھر اس میں ہوش جب آیا تو دل سینے میں گھبرایا
بہت سا اُس گھڑی میں نے تو اپنے دل کو سمجھایا ۔۔۔ نہ مانا دل نے ہر گز ڈھونڈ تا ہی اس کا ٹھہرایا
کشیدم نالہ واز شوق پیراہن قبا کردم ۔۔۔ برائے جُستن او صبر و تسکین را رہا کردم

بھینٹ بھئی جاتیں کہی نینن انسوا لائے
ہے کوئی ایسا ہنت جو پیتم مندر بتائے

کہوں کیا اُس گھڑی یارو عجب احوال تھا میرا ۔۔۔ ہر اک سے پوچھتا تھا اُس گھڑی اُس شوخ کا ڈیرا
طلب کی کثرتیں اور جستجو کا شوق بہتیرا ۔۔۔ اِدھر آہوں کی شورش اور اُدھر اشکوں نے آگھیرا
کبھی تھی اس طرف جھانکی کبھی تھا اُس طرف پھیرا ۔۔۔ جو کوئی پوچھتا تھا کیوں میاں کیا حال ہے تیرا
از و می گفتم احوالم مپرس ای یارِ غم خوارم ۔۔۔ خرابم، دل فگارم، بے قرارم، نو گرفتارم

الگن پھندے اُڑ پرے من پھنس بینو روئے
درگن جادو ڈار کے سدھ بدھ دینی کھوئے

ابھی یاں اک پری رو کر گیا ہے مجھ کو دیوانہ ۔۔۔ مرا دل ہو گیا اس شمع رو کو دیکھ پروانہ
بنایا اس کی آنکھوں نے مجھے اس مے کا پیمانہ ۔۔۔ نگہ نے کر دیا اُس کی مجھے اک پل میں مستانہ
میاں اک دم تو میں اس کو سناؤں اپنا افسانہ ۔۔۔ مکاں اُس کا تجھے اے یار کچھ معلوم ہے یا نہ
اگر دانی چناں کن لطف تا بینم مکانش را ۔۔۔ نہم سر بر درش، در شوق بوسم آستانش را

نینہہ گرے کا ہار ہے، ہوں تو رے بلہار

مارت ہے جو برہ دکھ، لے چل وا کے دُوار

یہ سن کر وہ کہتا ہیں تجھے اُس کا پتا دیتا — نہیں میں ساتھ جا کر تجھ کو اُس کا گھر بتا دیتا
ابھی سن تو، میں تجھ کو اُس کی ڈیوڑھی پر بٹھا دیتا — جو واں کے بیٹھنے کے طور ہیں، وہ سب جتا دیتا
ادب سے جا کے اس کے حلقۂ در کو ہلا دیتا — نکلتا جب، تو خوبی سے تجھے اس سے ملا دیتا
ولیکن آن بتِ سرکش ز عاشق عار می دارد — رسیدن تا درش آسان نہ باشد، کار می دارد

پلک کٹاری مار کے ہردے رکت بہائے
کہ کی آہ سامرت جو وا کے دوارے جائے

یہ باتیں کہہ کے تھا میرے بہت وہ دل کو بہلاتا — جو الفت میں جتاتے ہیں، وہی تھا مجھ کو بتلاتا
کبھی دیوانہ بن کر، سوئے صحرا تھا نکل جاتا — دلِ شیدا کو اپنے تھا کبھی اس طرح سمجھاتا
جو روتا میں تو مجھ کو اس طرح آ کر وہ سمجھاتا — ترا دل بر ہے وہ، تو دیکھنے کو کیوں نہیں جاتا
بہ بینم آخرش او راز من تا کی نہان باشد — اسیران محبت را کجا پروای جان باشد

نیہہ نگر کی ریت ہے تن من دینوں کھوئے
پیت ڈگر جب پگ رکھا ہونی ہوئے سو ہوئے

وہ تھا یہ بات سنتا جب مرا مُنہ دیکھ رہتا تھا — جو چلتا تھا تو وہ اپنی طرف کو ہاتھ گہتا تھا
مرا دل آتشِ فرقت میں اس دل بر کی دہتا تھا — نہ تھا کچھ بن جو آتا، اس سے درد و رنج سہتا تھا
گریباں تک پڑا اشک اس گھڑی آنکھوں سے بہتا تھا — وہ کہتا تھا ارے پھر جا تو میں یوں اس سے کہتا تھا
کشم آہ و نمایم گریہ و شام و سحر گردم — نہ بینم تا رخش از جستجو ہرگز نہ برگردم

پیتم یا من موہ کے کینھو مان گمان
بن دیکھے وا روپ کے ہیرے کلپت پران

چلا واں سے میں اس غم خوار کی باتوں سے گھبرا کر — یہی تھی آرزو دل میں کوئی بتلائے اس کا گھر
پریشاں حال پھرتا تھا کبھی ایدھر کبھی اودھر — نہ پایا جب مکاں اس کا تو بیٹھا ایک رستے پر

یکایک دیکھتا کیا ہوں کہ آپہنچا وہی دل بر
اٹھا میں اور کہا یوں رکھ کے سر کو اس کے قدموں پر
مرا مجروح کردی وز نگاہم رخ بہ پوشیدی
چہ تقصیرم کہ دل بردی و حالِ من نہ پرسیدی

من مور البس کر لیو، کاہے کینی اوٹ
ایسی موتیں من ہرن، کیا بن آئی کھوٹ

کہی یہ بات جب اس شوخ سے میں نے بہ چشم نم
تو پہلے ناز میں وہ نازنیں مجھ سے ہوا برہم
لگا مجھ کو جھڑکنے اس گھڑی تیوری چڑھا پیہم
پھر اس میں رحم جب آیا تو ہنس کر یوں کہا اس دم
تجھے زخمی جو کر آئے تھے اب تیغِ نگہ سے ہم
لگاویں گے ترے ہم زخم پر اب لطف کا مرہم
نظیرؔ ایں حرف چوں گفت آں نگارِ دل ستانِ من
غم از دل رفت و آمد شادمانیہا بہ جانِ من

من میر دیا بات تیں، نیٹ بھیو پرسند
نکسو دکھ من بیچ تیں، آن بھری آنند

جُدائی

جہاں میں نام تو سنتے تھے ہم جدائی کا
دلے نہ دیکھا تھا درد والم جدائی کا
دیا فلک نے ہمیں بھی یہ ستم جدائی کا
بُرا ہے مرگ سے ایک ایک پل جدائی کا

غضب ہے قہر ہے، یارو، ستم جُدائی کا
خدا کسی کو نہ دکھلائے غم جُدائی کا

گھڑی گھڑی میں تڑپ کر اُٹھے ہے دل سے آہ
جگر کے ٹکڑے نکلتے ہیں اشک کے ہم راہ
جو کوئی شکل مری دیکھتا ہے اب واللہ
یہی کہے ہے وہ سینے سے سرد بھر کر آہ

غضب ہے قہر ہے، یارو ستم جدائی کا
خدا کسی کو نہ دکھلائے غم جدائی کا

مجھے نہ کیوں کے مرے دل میں داد اور بے داد　　کہ تھے جو عیش و طرب، سب وہ ہو گئے برباد
نہ جی کو چین، نہ آنکھوں کو سکھ، نہ دل ہے شاد　　بھلا میں کس سے اب اِس ظلم کی کروں فریاد

غضب ہے، قہر ہے، یارو، ستم جُدائی کا
خدا کسی کو نہ دکھلائے غم جُدائی کا

کبھی تو یار کے آنے کی راہ تکتا ہوں　　گلی میں اُس کی کبھی جا کے سر پٹکتا ہوں
کبھی دِوانا ہو، جنگل میں جا بھٹکتا ہوں　　نکلتی جان نہیں اور پڑا سسکتا ہوں

غضب ہے، قہر ہے، یارو ستم جُدائی کا
خدا کسی کو نہ دکھلائے غم جُدائی کا

پھروں ہوں دشت و بیاباں میں رات دن غم ناک　　جلاتا آہ کے شعلے سے سب خس و خاشاک
خراب حال، جگر خستہ، اور گریباں چاک　　یہ جس پہ آن پڑے غم، وہ کیا جیے پھر خاک

غضب ہے، قہر ہے، یارو ستم جُدائی کا
خدا کسی کو نہ دکھلائے غم جدائی کا

مری جو چشم سے دن رات آنسو بہتے ہیں　　تو جان و دل مرے کیا کیا عذاب سہتے ہیں
جو آشنا ہیں مرے مجھ کو دیکھ رہتے ہیں　　سب اپنے حیف سے مل مل کے ہاتھ کہتے ہیں

غضب ہے، قہر ہے، یارو ستم جُدائی کا
خدا کسی کو نہ دکھلائے غم جُدائی کا

کبھی چمن کو جو گھبرا کے ہوں نکل جاتا　　تو واں بھی ہائے ذرا دل نہیں ہے ٹھہراتا
جدھر کو جاؤں، اُدھر غم جگر کو ہے کھاتا　　عجب خرابی ہے، کچھ ہائے بن نہیں آتا

غضب ہے، قہر ہے، یارو ستم، جُدائی کا
خدا کسی کو نہ دکھلائے غم جُدائی کا

جو کوئی ہجر میں روتا تھا عاشقِ محروم　　میں ہنس کے کہتا تھا دل میں، عبث یہ ہے مغموم

مچی جو مجھ پہ بھی آ کر فراق کی یہ دھوم — وہ اُس کا درد، مجھے ہائے اب ہوا معلوم

غضب ہے، قہر ہے، یار و ستم جُدائی کا
خدا کسی کو نہ دکھلائے غم جُدائی کا

جو کوئی پوچھے ہے، کیا تجھ پہ غم پڑا ایسا — کہ جس سبب سے تو پھرتا ہے اِس قدر شیدا
میں اُس کو جس گھڑی دیتا ہوں اپنا حال سنا — تو بھر کے آنکھوں میں آنسو یہی وہ ہے کہتا

غضب ہے، قہر ہے، یار و ستم جُدائی کا
خدا کسی کو نہ دکھلائے غم جُدائی کا

نہ بھوک لگتی ہے، نہ نیند مُنہ دکھاتی ہے — جو دن پیے ہے لہو رات مجھ کو کھاتی ہے
نہ دل لگی، نہ کوئی چیز مجھ کو بھاتی ہے — کلیجا ٹوٹے ہے اور چھاتی اُمڈی آتی ہے

غضب ہے، قہر ہے، یار و ستم جُدائی کا
خدا کسی کو نہ دکھلائے غم جُدائی کا

جو مجھ پہ آن پڑا دن سیاہ، مت پوچھو — ہوا ہوں ہجر میں ایسا تباہ، مت پوچھو
سوائے مرگ نہیں اب نباہ، مت پوچھو — جو ظلم مجھ پہ گزرتا ہے، آہ مت پوچھو

غضب ہے، قہر ہے، یار و ستم جُدائی کا
خدا کسی کو نہ دکھلائے غم جُدائی کا

جُدائی ہائے محبت کی، کیا بُری ہے شے — کہ دل نہ بزم میں بہلے، نہ خوش لگے ہے مے
نظیرؔ، ہجر کے اب غم میں روئیے تا کے — بہت بُرا ہے یہ عاشق کے حق میں دُکھ ہے ہے

غضب ہے، قہر ہے، یار و ستم جُدائی کا
خدا کسی کو نہ دکھلائے غم جُدائی کا

ملاقاتِ یار

اِدھر کو جس گھڑی اے ہم نشیں وہ یار آیا
ہمارے دل سے گئی بے کلی، قرار آیا
اُسے جو مہر سے ہے ذرّہ پروری منظور
تو پھر اِدھر کو جھمکتا وہ مہر وار آیا
مزاج اُس کا جو عاشق نواز ہے ہر دم
تو راہِ لطف پہ پھر وہ کرم شعار آیا
کسی نے دوڑ کے ہم سے کہا، مبارک ہو
تمھارے پاس ہی وہ نازنیں نگار آیا
کسی نے گل کی طرح ہنس کے یوں کہا آکر
بھلا ہوا کہ تمھارا بھی گل عذار آیا

خوشی یہ بولی "تمھاری میں گردِ خاطر ہوں"
اِدھر سے عیش پکارا کہ "میں بھی حاضر ہوں"

گیا ملال ہوئے شاد ہم زمانے سے
ہوا ملاپ، چھٹے ہجر کے ستانے سے
نشاط جی کو ہوئی ہر طرف کے ملنے سے
سرور دل کو ہوا ہنسنے اور ہنسانے سے
ہوئی نمود وہ ساعت بھی انبساط بھری
کہ جس میں شاد ہوئے ہم بھی دل لگانے سے
ہر اک طرف سے ہوئی سو طرح کی خوش وقتی
نویدیں آئیاں عشرت کے کارخانے سے
سماتے پھولے نہیں پیرہن میں اب ہرگز
ہم ایسے شاد ہیں اُس گُل بدن کے آنے سے

جہاں میں جس کو ملاقاتِ یار کہتے ہیں
عجب بہار ہے، اِس کو بہار کہتے ہیں

ہمارے دل میں جو فرقت کی بے قراری تھی
تو اُس کے ہاتھ سے صورت عجب ہماری تھی
کبھی خیال رخ و زلف کا سحر تا شام
کبھی تصوّرِ مژگاں سے دل فگاری تھی
نہ دل لگے تھا کسی شغل سے کوئی ساعت
نہ جاں کو جز الم ہجر، ہم کناری تھی

یہ اضطراب تھا ہر دم، یہ اپنی بے تابی — ہمارے حال پہ سیماب کی بھی زاری تھی
خدا کے فضل سے پھر اس میں خیر و خوبی سے — وہ دن بھی آیا کہ جس کی اُمیدواری تھی

جو دیکھی بھر کے نظر، گل عذار کی صورت
تو ہر طرف نظر آئی بہار کی صورت

عیاں جو سامنے آکر وہ گل عذار ہوا — تو عالم عیش کا پھر ایک سے ہزار ہوا
نگہ کو حُسن نے اس گل کے تازگی بخشی — خوشی قریب ہوئی، دور انتظار ہوا
جدا جو ہجر میں ہم سے قرار رہتا تھا — ہمارے دل سے وہ پھر آن کر دوچار ہوا
تسلّی دل کو ہوئی اُس صنم کے ملنے سے — رخ اس کا دیکھتے ہی، رفع اضطرار، ہوا
طلب تھی دل کے تئیں جس کی ایک مدّت سے — ہزار شکر، وہی عیش آشکار ہوا

نشاط و عیش کو خاطر سے ہم قرینی ہے
نیاز و ناز ہے اور لطفِ ہم نشینی ہے

ہم اپنے دل کی خوشی کا بیاں کریں کیا کیا — کہ ایک لحظہ یہ ٹھہرا ہے عیش کا نقشا
کبھی ہیں دیکھتے رخسارِ یار کو ہنس ہنس — کبھی خوشی سے ہیں چھو لیتے اُس کی زلفِ دوتا
کبھی ہیں یار کی چشم و نگاہ سے پیتے — خوشی سے عیش کے بھر بھر کے ساغرِ صہبا
کبھی ہیں اُس کے تکلّم سے دل کو خوش کرتے — کبھی ہیں اُس کے تبسّم پہ جی سے ہوتے فدا
جو دیکھتا ہے ہمیں اِس طرح کی عشرت میں — تو یہ سخن وہ رہِ منصفی سے ہے کہتا

نظیرؔ تم نے جو حاصل یہ شادمانی کی
یہی بہار ہے بستانِ زندگانی کی

حُسن و جمال کو غنیمت سمجھو

اپنے غم خواروں سے کوئی آن ہنس لے بول لے — درمندوں کا نکال ارمان، ہنس لے بول لے
پھر کہاں یہ دلبری یہ شان، ہنس لے بول لے — دم غنیمت ہے ارے نادان، ہنس لے بول لے

مان لے کہنا مرا اے جان ہنس لے بول لے
حسن یہ دو دن کا ہے مہمان، ہنس لے بول لے

آج تجھ کو حق نے دی ہے حسن و خوبی کی بہار — چاہنے والوں سے کرے کچھ سلوک و مہر و پیار
کوندنا بجلی کا اور جوبن کا مت گن اعتبار — کاٹھ کی ہانڈی نہیں چڑھتی ہے پیارے بار بار

مان لے کہنا مرا اے جان ہنس لے بول لے
حسن یہ دو دن کا ہے مہمان ہنس لے بول لے

اب تو مُنہ گُل ہے پیارے، پھر دھتورا آکھ ہے — آج یہ گلشن کھلا ہے، کل کو سو کھا ساکھ ہے
جو اٹھا شعلہ بھبوکا، آخرش کو راکھ ہے — چار دن کی چاندنی ہے پھر اندھیرا پاکھ ہے

مان لے کہنا مرا اے جان ہنس لے بول لے
حسن یہ دو دن کا ہے مہمان ہنس لے بول لے

اس قدر مت کر مری جاں اپنے جوبن پر گماں — یہ نہیں رہتا سدا کافر کسی کے پاس، ہاں
جب گرے دانت اور پڑیں چہرے کے اوپر جھرّیاں — پھر یہ ہنسنا بولنا اور پھر یہ اچپلیاں کہاں

مان لے کہنا مرا اے جان ہنس لے بول لے
حسن یہ دو دن کا ہے مہمان ہنس لے بول لے

ایسا کوئی حسن والا آہ تو ہم کو بتا　　جس کی خوبی کا ہمیشہ ایک سا عالم رہا
کیوں خفا ہوتا ہے ہم سے، یاد رکھ اے دل رُبا　　ہاتھ آتا ہے نہیں کافر یہ جب جوبن گیا

مان لے کہنا مرا اے جان ہنس لے بول لے
حسن یہ دو دن کا ہے مہمان ہنس لے بول لے

کیا ہمارا حالِ دل خوبی تجھے کہتی نہیں　　یا ہماری چاہ تیرے ناز کو سہتی نہیں
آہ کھیتی حسنِ کافر کی ہری رہتی نہیں　　ناؤ کاغذ کی ہے پیارے یہ سدا بہتی نہیں

مان لے کہنا مرا اے جان ہنس لے بول لے
حسن یہ دو دن کا ہے مہمان ہنس لے بول لے

کیسے کیسے خوب رو یاں ہو گئیں ہیں میری جان　　اپنے غم خواروں سے کیا کیا کر گئے ہیں خوبیاں
جو تو روٹھا روٹھا ہم سے رہتا ہے نامہرباں　　دیکھ پچھتاوے گا غافل حسن پر مت رکھ گماں

مان لے کہنا مرا اے جان ہنس لے بول لے
حسن یہ دو دن کا ہے مہمان ہنس لے بول لے

حسن کا عالم ستم گر ہر گھڑی ملتا نہیں　　گل بھی کھل اک بار اے جاں پھر کبھی کھلتا نہیں
مجھ سے تیرا روٹھنا ہر دم کا اب جھلتا نہیں　　دودھ اور دل جب پھٹا پیارے یہ پھر [illegible] نہیں

مان لے کہنا مرا اے جان ہنس لے بول لے
حسن یہ دو دن کا ہے مہمان ہنس لے بول لے

آج تو عاشق کا سر ہے جان، تیرا پانو ہے　　منتیں ہوتی ہیں اور تیرے نہیں کچھ بھانو ہے
اب یہ معشوقی کا سکہ آج تیرے نانو ہے　　بھول مت اس پر میاں یہ ڈھلتی پھرتی چھانو ہے

مان لے کہنا مرا اے جان ہنس لے بول لے
حسن یہ دو دن کا ہے مہمان ہنس لے بول لے

دل غریبوں کے جو پیارے تجھ سے اب کھپائیں گے　　لیک اک دن تجھ کو بھی خوباں یوں ہی کلپائیں گے

بات کو ہنسنے کو دے دے جھڑکیاں ترسائیں گے
پانڈے جی پچھتائیں گے وہی چنے کی کھائیں گے

مان لے کہنا مرا اے جان ہنس لے بول لے
حُسن یہ دو دن کا ہے مہمان ہنس لے بول لے

اپنے اپنے وقت میں کیا کیا پری رو بن رہے
چاند سے مکھڑے رہے اور گل سے اُن کے تن رہے
نہ کسی کا دھن رہے اور نہ سدا جوبن رہے
نہ سدا پھولے تُرئی اور نہ سدا ساون رہے

مان لے کہنا مرا اے جان ہنس لے بول لے
حسن یہ دو دن کا ہے مہمان ہنس لے بول لے

اب تو چہرے پر ہے تیرے حسن و خوبی کی جھلک
خواہ تو ہنس بول ہم سے، خواہ غصے ہو جھڑک
لیک جب جاتی رہے گی یہ چمک اور یہ چمک
پھر جو بولے گا تو ہر اک یوں کہے گا، چل، نہ بک

مان لے کہنا مرا اے جان ہنس لے بول لے
حسن یہ دو دن کا ہے مہمان ہنس لے بول لے

اب نظیرؔ آگے ترے رہتا ہے حاضر صبح شام
پیار سے ہنس بول پیارے، پی مےِ اُلفت کا جام
پھر کہاں یہ دل بری، یہ عیش کی باتیں مدام
کچھ نہ ہوئے گا، رہے گا آخرش اللہ کا نام

مان لے کہنا مرا اے جان ہنس لے بول لے
حسن یہ دو دن کا ہے مہمان ہنس لے بول لے

خواب کا طلسم

یارو، ذرا سنو، یہ عجب سیر ہے بڑی
صحنِ چمن میں ابر کی آ کر لگی جھڑی
پی کر شراب عیش کی ہر دم کڑی کڑی
کل بے خبر ہو رات کو سویا میں جس گھڑی
اُس خواب میں مجھے اک عمارت نظر پڑی

آئی نظر جو مجھ کو وہ نادر محل سرا — دل میں پری کے باغ کا مجھ کو یقیں ہوا
جب اُس مکاں کے پاس میں ڈرتا ہوا گیا — دیکھوں تو اُس کا ہے درِ دولت سرا کھلا
آیا یہ دل میں دیکھیے چل کر کوئی گھڑی

پہنچا یوں ہی میں اُس چمنِ زر فشان میں — جھمکے مکاں جو اُس کے مرے آن آن میں
عالم سنہرے پردوں میں اور سایبان میں — کیا دیکھتا ہوں جا کے میں ہر اک مکان میں
سونے کی کھان ہے کہ بہی پھرتی ہے پڑی

گلشن کہیں، چمن کہیں، شیشہ، صراحی، جام — فرشِ طلا بچھا، کہیں یکسر جڑت کا کام
تھی نقرئی زمیں تو سنہرے تمام بام — طاق و رواق اُس کے جھمکتے تھے یوں مدام
گویا کہ اینٹ جواہر کی ہے جڑی

دیکھی پھر اُس میں اک ستم ایجاد مہ لقا — اوپر نظر گئی جو مری سر سے تا بہ پا
صورت وہ قہر چاند کا ٹکڑا سا بے بہا — اور حسن کا بیان تو جاتا نہیں کہا
نقشا وہ جس کے پالو پہ لوٹے پری پڑی

خوں ریز ابرو، جان کی قاتل ہر اک نگاہ — مژگاں وہ برچھیوں کو لیے تل رہی سپاہ
مہندی سے انگلیوں نے کیے خونِ بے گناہ — آنکھوں میں کھنچ رہا تھا وہ کاجل غضب سیاہ
پڑ جائے جس سے دل میں فرشتوں کے ہڑبڑی

زلفیں وہ مشکِ ناب سی چہرہ وہ چاند سا — جگنو رہا گلے میں ستارہ سا جگمگا
گہنے کا وصف یا کہ بدن کی کہوں صفا — جاتا تھا سرخ جوڑے میں تن یوں جھمک دکھا
گویا شفق میں آن کے بجلی چمک پڑی

رکھتے تھی اُس گھڑی تو یہ عالم وہ مہ جبیں — شاید کہ اس طرح کی نہ ہوگی پری کہیں
حسرت سے آن کر مری آنکھوں نے واں جونہیں — دیکھی جو اس بہار کی کافر وہ نازنیں
دل لوٹ پوٹ ہو گیا، جاں غش میں جا پڑی

کیا کیا کہوں میں شوخ کے عالم بناؤ کا — تصویر بن رہی تھی لگا سر سے تا بہ پا
اُس دم بندھی تھی اُس کی غضب آن کر ہوا — کافر کھڑی ہوئی تھی عجب ڈھب سے بن بنا
اک ہاتھ میں لے آئنہ، اک ہاتھ میں چھڑی

دیکھی جو میں نے واں یہ طلسمات کی ہوا — عالم جواہرات کا ہر جا چمک رہا
اُس کی چمک جھمک کی بہاریں کہوں میں کیا — چمکا جو وہ مکاں مری آنکھوں میں نور سا
حیرت سے عقل آن کے چکر میں جا پڑی

ایسا مکاں تو میں نے نہ دیکھا تھا، نہ سنا — دیوانہ ہو میں چاروں طرف دیکھنے لگا
چاہا کہ دیکھوں کوٹھے کے اوپر نظر اٹھا — اتنے میں اک طرف سے جو پردہ سا اُٹھ گیا
بجلی سی کچھ چمک گئی آنکھوں میں اُس گھڑی

آ کر کھڑی ہوئی تھی جو واں ناگہاں وہ شوخ — لیتی تھی ہر نگاہ میں عاشق کی جاں وہ شوخ
کچھ چلبلی نگاہ تھی، کچھ انکھڑیاں وہ شوخ — کرتی تھی سیر چاروں طرف کی جو واں وہ شوخ
اِتنے میں پھرتی اُس کی نظر مجھ پہ آ پڑی

اُس کی نگہ کے آنے کا میں کیا کروں بیاں — بجلی تھی یا کہ تیر تھی، گولی تھی یا سناں
میری طرف کو دوڑ کے آتی تھی، ناگہاں — میری نظر بھی دوڑ کے اُس کی نظر سے واں
ایسی لڑی کہ خوب لڑی، خوب ہی لڑی

بارے نظر کے لڑتے ہی کچھ کم ہوا حجاب — الفت کی آ کے دونوں طرف سے کھنچی طناب
اتنے میں دیکھ دیکھ کے وہ رشکِ ماہتاب — اک بار کھل کھلا کے ہنسی اور اُتر شتاب
کافر وہ میرے پاس ہی آ کر ہوئی کھڑی

کہنے لگی کہ تو نے بلایا ہے کیوں مجھے — دے خواب کو دعا کہ نہ پاتا تو یوں مجھے
چاہت میں اپنی ڈوبا ہوا دیکھا جوں مجھے — ہنس کر لپٹ گلے سے لگی کہنے یوں مجھے
آ اس محل میں چل کے کریں عیش دو گھڑی

اُس گل بدن سے جب کہ ملی آ کے مجھ کو داد — مارے خوشی کے کچھ نہ رہی تن بدن کی یاد
کیوں کر بھلا نہ عیش و طرب دل کو ہو زیاد — میری تو اُس پری سے یہی عین تھی مراد
سنتے ہی دل کی کھل گئی ہر ایک گلجھڑی

پالا پڑا جو مجھ کو اُس آبِ حیات سے — جاں آ گئی بدن میں مرے اُس کی بات سے
آخر کو وے چڑھی مجھے کوٹھے پہ گھات سے — دو چار جام مجھ کو پلا اپنے ہات سے
سو ناز سے پلنگ پہ مرے پاس آ پڑی

آنے سے اُس کے دل کا مرے کھل گیا چمن — عیش و طرب کے ابر کی پڑنے لگی جھڑن
نازک کمر، وہ صاف شکم اور وہ نرم تن — گل سا ملا جو مجھ کو نیا گدگدا بدن
رگ رگ میں میری چھٹ گئی عشرت کی پھلجھڑی

لے کے بغل میں اُس کو لگایا جونہیں گلے — سو عشرتوں کے دل پہ مرے کھل گئے درے
حاضر ہوئے جب آن کے سب عیش اور مزے — سینے سے سینہ مل گیا اور لب سے لب ملے
لٹنے لگی بہار مزوں کی دھڑی دھڑی

ایدھر تو جوشِ عشق اُدھر حسن اور جنوں — ناز و ادا کی آ کے لگی ہونے دھپ ڈھوں
اِن عشرتوں میں آہ نصیبوں کو کیا کہوں — چاہا میں اُس پری سے جو کچھ اور کچھ کہوں
اتنے میں ہائے یار مری آنکھ کھل پڑی

یہ حادثہ جو مجھ پہ پڑا آ کے یک بہ یک — آنکھوں سے میری اُس گھڑی آنسو پڑے ٹپک
نیند اُڑ گئی، قرار گیا، جل گئی پلک — جاگا کیا نظیرؔ میں پھر آہ صبح تک
مل مل کے ہاتھ رات کی کاٹی گھڑی گھڑی

کورا برتن

کورے برتن، ہیں کیاری گلشن کی ۔۔۔ جن سے کھلتی ہے ہر کلی تن کی
بوند پانی کی اُن میں جب کھنکی ۔۔۔ کیا وہ پیاری صدا ہے سَن سَن کی
تازگی جی کی، اور تری تن کی
واہ، کیا بات کورے برتن کی

پانی کی آپ اب بڑی ہے ذات ۔۔۔ قطرہ قطرہ ہے جس کا آبِ حیات
کورے برتن میں جب کہ آیا بات ۔۔۔ پھر تو آبِ حیات بھی ہے مات
تازگی جی کی، اور تری تن کی
واہ کیا بات کورے برتن کی

کورے کوزوں کو دیکھ عالم میں ۔۔۔ کوزے مصری کے بھر گئے غم میں
یوں وہ رِستے ہیں آب کے نم میں ۔۔۔ جیسے ڈوبے ہوں پھول شبنم میں
تازگی جی کی، اور تری تن کی
واہ کیا بات کورے برتن کی

وہ جو کورا سفید جھجّر ہے ۔۔۔ جس کی جاگیر مُلکِ جھجّر ہے
بیل بوٹے سے اِس جھمک پر ہے ۔۔۔ تاش، کم خواب، یا مشجّر ہے
تازگی جی کی، اور تری تن کی
واہ کیا بات کورے برتن کی

جس صراحی میں سرد پانی ہے ۔۔۔ موتی کی آب، پانی پانی ہے

زندگی کی یہی نشانی ہے — دوستو، یہ بھی بات پانی ہے
تازگی جی کی، اور تری تن کی
واہ کیا بات کورے برتن کی

جتنے نذرو نیاز کرتے ہیں — اور جو پیروں سے اپنے ڈرتے ہیں
جب کہ لا پھول پان دھرتے ہیں — وہ بھی کوری ہی ٹھلیاں بھرتے ہیں
تازگی جی کی، اور تری تن کی
واہ کیا بات کورے برتن کی

خاک سے جب کہ اُن کو گڑھتے ہیں — بندگی سے یہ اپنی بڑھتے ہیں
کوروں پر پھول، ہار چڑھتے ہیں — حور و غلماں درود پڑھتے ہیں
تازگی جی کی، اور تری تن کی
واہ کیا بات کورے برتن کی

کوروں پر جو نظیرؔ، جو بن ہے — جو جرے میں کہاں وہ کھن کھن ہے
جس گھڑونچی پہ کورا باسن ہے — وہ گھڑونچی نہیں ہے، گلشن ہے
تازگی جی کی، اور تری تن کی
واہ کیا بات کورے برتن کی

پنکھا

کیا موسمِ گرمی میں نمودار ہے پنکھا — خوبوں کے پسینوں کا خریدار ہے پنکھا
گل رُو کا ہر اک جا پہ طلب گار ہے پنکھا — اب پاس مرے یار کے ہر بار ہے پنکھا
گرمی سے محبت کی بڑا یار ہے پنکھا

کیا کیا تجھے اُلفت کی جتاتا ہے وفائیں
دھوپ آوے، تو کرتا ہے پڑا ہاتھ سے چھائیں
بے تاب ہو، کر کر کے خوشامد کی ہوائیں
لیتا ہے ہر اک دم ترے مکھڑے کی بلائیں
ایسا تری الفت میں گرفتار ہے پنکھا

دل باغ ہوا جاتا ہے پھولوں کی بھبک سے
اور رُوح بسی جاتی ہے خوش بو کی مہک سے
کچھ خس سے، کچھ اُس پانی کی بوندوں کی ٹپک سے
نیند آتی ہے آنکھوں میں چلی جن کی جھپک سے
کیا یار کے جھلنے کا مزے دار ہے پنکھا

نرمی سے، صفائی سے، نزاکت سے، بھڑک سے
گوٹوں کی لگاوٹ سے، اور ابرک کی چمک سے
مُقیش کے جھڑتے ہیں پڑے تار جھپک سے
دریائی و گوٹے و کناری کی جھمک سے
کیا ہاتھ میں کافر کے جھمک دار ہے پنکھا

ہے یہ وہ ہوادار، جہاں اِس کا گزر ہو
پھر گرمی تو واں اپنے پسینے میں چلے رو
کرتا ہے خوشی رُوح کو، دیتا ہے عرق کھو
رکھتا ہے سدا اپنے وہ قبضے میں ہوا کو
سچ پوچھو تو کچھ صاحبِ اسرار ہے پنکھا

لے شام سے، گرمی میں سدا تا بہ سحر گاہ
رہتا ہے ہر اک وقت پری زادوں کے ہم راہ
عاشق کے تئیں اُس کی بھلا کیونکے نہ ہو چاہ
پھولوں کی گُندھاوٹ سے اب اُس گُل کا نظیر آہ
رشکِ چمن و حسرتِ گُل زار ہے پنکھا

منہدی

میاں یہ کس پری کے ہاتھ پر عاشق ہوئی منہدی
کہ باطن میں ہوئی ہے سرخ، ظاہر میں ہری منہدی

کٹی، کچلی گئی، ٹوٹی، چھنی، بھیگی، پسی مہندی
جب اِتنے دکھ سہے تب اُس کے ہاتھوں میں لگی مہندی

شفق میں ڈوب کر جوں پنجۂ خورشید ہو رنگیں
چمک میں، رنگ میں، سرخی میں، کچھ ایسی ہی تھی مہندی

جو گورے ہاتھ اور نرم و نازک پیارے پیارے ہوں
تو بس وہ جان ہیں مہندی کی اور اُن کا ہے جی مہندی

بھلا کیوں کر نہ ہوں یارو میں اُس کو دیکھ دیوانہ
کہ ہو ویں جس پری رو کے پری ہاتھ اور پری مہندی

نظیرؔ اُس گل بدن نے اور ہی مہندی لگائی ہے
مبارک باد، اچھا، واہ وا، خاصی رچی مہندی

حنا

کچھ دل فریب ہاتھ وہ، کچھ دل رُبا حنا
لگتی ہے اُس پری کی عجب خوش نما حنا

دیکھے ہیں دل نے جب سے حنا بستہ اُس کے ہاتھ
راتوں کو چونک پڑتا ہے کہہ کر، حنا حنا

ہے سرخ یاں تلک کہ جو چھلے ہیں نُقرئی
کرتی ہے اُس کے ہاتھوں میں اُن کو طلا، حنا

یہ فندقیں نہیں مرے قاتل کے ہاتھ میں
ہوتی ہے پور پور پہ اُس کے فدا حنا

خونِ شفق میں پنجۂ خورشید رشک سے
ڈوبا ہی تھا، اگر وہ نہ لیتا چھپا حنا

شب کے خلاف وعدے کا جب بن سکا نہ عذر
ناچار پھر تو ہنس دیا اور دی دکھا حنا

کل مجھ سے ہنس کے اُس گلِ خوبی نے یوں کہا
پاؤں میں تو ہی آج تو میرے رچا حنا

وہ چھوٹی پیاری انگلیاں، وہ گورے گورے ہاتھ
ہاتھوں میں اپنے لے، میں لگانے لگا حنا
اُس وقت جیسی نکلیں مری حسرتیں نظیرؔ
اُن لذّتوں کو دل ہی سمجھتا ہے، یا حنا

ککڑی

پہنچے نہ اس کو ہرگز کابل درے کی ککڑی
نے پورب اور نہ پچھم خوبی بھرے کی ککڑی
نے چین کے پرے کی اور نہ ورے کی ککڑی
نے دکھن اور نہ ہرگز اُس سے پرے کی ککڑی
کیا خوب نرم و نازک اِس آگرے کی ککڑی
اور جس میں خاص کافرا سکندرے کی ککڑی

کیا پیاری پیاری میٹھی اور پتلی پتلیاں ہیں
گنّے کی پوریاں ہیں ریشم کی تکلیاں ہیں
فرہاد کی نگاہیں، شیریں کی ہنسلیاں ہیں؟
مجنوں کی سرد آہیں، لیلیٰ کی انگلیاں ہیں
کیا خوب نرم و نازک اس آگرے کی ککڑی
اور جس میں خاص کافرا سکندرے کی ککڑی

کوئی ہے زرد ی مائل، کوئی ہری بھری ہے
پکھراج منفعل ہے، پنّے کو تھرتھری ہے
ٹیڑھی ہے، سو تو چوڑی وہ ہیر کی ہری ہے
سیدھی ہے، سو وہ یارو رانجھا کی بانسری ہے
کیا خوب نرم و نازک اس آگرے کی ککڑی
اور جس میں خاص کافرا سکندرے کی ککڑی

میٹھی ہے جس کو برفی کہیے، گلابی کہیے
یا حلقے دیکھ اس کے تازی جلیبی کہیے
تل شکریوں کی پھانکیں، یا اب امرتی کہیے
سچ پوچھیے تو اس کو دندانِ مصری کہیے

کیا خوب نرم و نازک اس آگرے کی ککڑی
اور جس میں خاص کافر اسکندرے کی ککڑی

چھونے میں برگِ گل ہے کھانے میں کرکری ہے　　گرمی کے مارنے کو اک تیر کی سری ہے
آنکھوں میں سکھ کلیجے ٹھنڈک ہری بھری ہے　　ککڑی نہ کہیے اس کو ککڑی نہیں پری ہے

کیا خوب نرم و نازک اس آگرے کی ککڑی
اور جس میں خاص کافر اسکندرے کی ککڑی

بیل اس کی ایسی نازک جوں زلف پیچ کھائی　　پیچ ایسے چھوٹے چھوٹے خشخاش یا کہ رائی
دیکھ اس کی ایسی نرمی، باریکی اور گلائی　　آتی ہے یاد ہم کو محبوب کی کلائی

کیا خوب نرم و نازک اس آگرے کی ککڑی
اور جس میں خاص کافر اسکندرے کی ککڑی

لیتے ہیں مول اس کو گل کی طرح سے کھل کے　　معشوق اور عاشق کھاتے ہیں دونوں مل کے
عاشق تو ہیں بجھاتے شعلوں کو اپنے دل کے　　معشوق ہیں لگاتے ماتھے پہ اپنے چھلکے

کیا خوب نرم و نازک اس آگرے کی ککڑی
اور جس میں خاص کافر اسکندرے کی ککڑی

مشہور جیسے ہر جا، یاں کی جمالیاں ہیں　　ویسی ہی ککڑی نے بھی دھومیں یہ ڈالیاں ہیں
میٹھی ہیں سو تو گویا شکر کی تھالیاں ہیں　　کڑوی ہیں سو بھی گویا خوباں کی گالیاں ہیں

کیا خوب نرم و نازک اس آگرے کی ککڑی
اور جس میں خاص کافر اسکندرے کی ککڑی

جو ایک بار یارو اس جا کی کھائے ککڑی　　پھر جا کہیں کی اس کو ہرگز نہ بھائے ککڑی
دل تو نظیرؔ غش ہے یعنی منگائے ککڑی　　ککڑی ہے یا قیامت، کیا کہیے ہائے ککڑی

کیا خوب نرم و نازک اس آگرے کی ککڑی
اور جس میں خاص کافر اسکندرے کی ککڑی

بالا

تم نے جس دن سے صنم، کان میں بالا ڈالا
ہو گیا چاند سے مکھڑے کا اُجالا بالا

کیوں نہ ہوں ہوش کا میں اُس کے دو لانہ یارو
جس پری زاد نے، بالی سے نکالا بالا

یہ بھی کیا آن غضب ہے، کہ دکھاتا ہر آن
کان کے پاس سے سرکا کے دوشالا، بالا

جیسے مہتاب پہ ہالے کا بندھے ہے کُنڈل
ہے ترے چاند سے رخسار کا ہالہء بالا

کیا غضب تھی وہ ادا آہ کہ چنچل نے شتاب
گو نج کُھلتے ہی جھجک کر جو سنبھالا بالا

جب ہلاتی ہے صراحی سی وہ گردن اپنی
نشہء حُسن کو کرتا ہے دو بالا بالا

پنکھیا

کیوں نہ جھجک کر کرے جلوہ گری پنکھیا
کچھ کفِ نازک پری، کچھ وہ پری پنکھیا

دیکھ چمن میں نسیم، اُس کی جبیں پر عرق
لائی اُدھر سے نسیم، عطر بھری پنکھیا

شاخ نے گُل کی اِدھر، برگ جو تھے سبز تر
اُن کی بنا کر جھلی اُس کو ہر؟) پنکھیا

بٹوا

دیکھ تیرا یہ جھمکتا ہوا اے جاں بٹوا
صبح نے پھینک دیا مہر کا رخشاں بٹوا
چاندنی میں ترے بٹوے کے مقابل ہونے
بن کے نکلا ہے فلک پر مہ تاباں، بٹوا
ہاتھ نازک ہیں ترے، اور وہ ہے نگیں، ورنہ
بن کے آجاوے ابھی لعلِ بدخشاں، بٹوا

ق

یوں کہا میں کہ یہ بٹوا ذرا ہم کو دیجے
ہم بھی بنوائیں گے ایسا ہی درخشاں بٹوا
سُن کے، بٹوے کو دکھا کر یہ کہا، واہ رے شعور
ارے بن سکتا ہے ایسا کوئی اب یاں بٹوا
جب کہا میں نے، سبب کیا، تو کہا ہنس کے نظیر
یہ تو لائی ہیں مرے واسطے پریاں، بٹوا

تاج گنج کا روضہ

یارو، جو تاج گنج یہاں آشکار ہے
مشہور اس کا نام بہ شہر و دیار ہے
خوبی میں سب طرح کا اِسے اعتبار ہے
روضہ جو اس مکان میں دریا کنار ہے
نقشے میں اپنے، یہ بھی عجب خوش نگار ہے

روے زمیں پہ یوں تو مکاں خوب ہیں یہاں
پر اس مکاں کی خوبیاں کیا کیا کروں بیاں
سنگِ سفید سے جو بنا ہے قمر نشاں
ایسا چمک رہا ہے تجلّی سے یہ مکاں
جس سے بلور کی بھی چمک شرمسار ہے

گنبد ہے اس کا زور بلندی سے بہرہ مند
گرد اس کے گمٹیاں بھی چمکتی ہوئی ہیں چند
اور وہ کلس جو ہے سرِ گنبد سے سربلند
ایسا ہلال اس میں سنہرا ہے دل پسند
ہر بار جس کے خم پہ مہِ نو نثار ہے

گنبد کے نیچے اور مکاں ہیں جو آس پاس
وہ بھی بہ رنگِ سیم چمکتے ہیں خوش اساس
برسوں تک اس میں رہیے تو ہووے نہ جی اداس
آتی ہے ہر طرف سے گلِ یاسمن کی باس
ہوتا ہے شاد اس میں جو کرتا گزار ہے

ہیں بیچ میں مکاں کے وہ دو مرقدیں جو یاں
گرد اُن کے ایک جالی مُحجّر ہے دُرفشاں
سنگیں گل جو اس میں بنائے ہیں تہ نشاں
پتّی، کلی، سہاگ، رگ و رنگ ہے عیاں
جو نقش اس میں ہے، وہ جواہر نگار ہے

دیواروں پر ہیں سنگ میں نازک عجب نگار
آئینے بھی لگے ہیں مُجلّیٰ و تاب دار
دروازے پر لکھا خطِ طغرا ہے طُرفہ کار
ہر گوشے پر کھڑے ہیں جو مینار اس کے چار
چاروں سے طُرفہ اوج کی خوبی دوچار ہے

پہلو میں ایک بُرج بسی کہتے ہیں اسے
آتے نظر ہیں اُس سے مکاں دور دور کے
مسجد ہے ایسی جس کی صفت کس سے ہو سکے
پھر اور بھی مکاں ہیں اِدھر اور اُدھر کھڑے
دروازۂ کلاں بھی بلند استوار ہے

جو صحن باغ کا ہے، وہ ہے دل کشا سوا
آتی ہے جس میں گلشنِ فردوس کی ہوا
ہر سو نسیم چلتی ہے اور ہر طرف ہوا
ہلتی ہیں ڈالیاں سبھی، ہر گل ہے جھولتا
کیا کیا روش روش پہ ہجومِ بہار ہے

سروِ سہی کھڑے ہیں، قرینے سے نسترن
کُو کُو کریں ہیں قمریاں، ہو کر شکر شکن
رابیل، سیوتی سے بھرے ہیں چمن چمن
گلنار و لالہ و گل و نسرین و نسترن
فوّارے چھٹ رہے ہیں، رواں جوئبار ہے

وہ تاج دار شاہِ جہاں، صاحبِ سریر
بنوایا ہے انھوں نے، لگا سیم و زر کثیر
جو دیکھتا ہے اُس کے یہ ہوتا ہے دل پذیر
تعریف اس مکاں کی میں کیا کیا کروں نظیرؔ
اس کی صفت تو مشتہرِ روزگار ہے

غزلیات

ہو کیوں نہ ترے کام میں حیران تماشا
یارب! تری قدرت میں ہے ہر آن تماشا

لے عرش سے تا فرش، نئے رنگ، نئے ڈھنگ
ہر شکل عجائب ہے، ہر اک شان تماشا

افلاک پہ تاروں کی جھمکتی ہے طلسمات
اور روے زمیں پر گل و ریحان تماشا

جب حسن کے جاتی ہے مرقع پہ نظر، آہ
کیا کیا نظر آتا ہے ہر اک آن تماشا

چوٹی کی گندھاوٹ کہیں دکھلاتی ہے لہریں
رکھتی ہے کہیں زلف پریشان تماشا

گر عشق کے کوچے میں گزر کیجے، تو واں بھی
ہر وقت نئی سیر ہے، ہر آن تماشا

منہ زرد، بدن خشک، جگر چاک، الم ناک
غل، شور، تپش، نالہ و افغان، تماشا

ہم پست نگاہوں کی نظر میں تو نظیر، آہ
سب ارض و سما کا ہے گلستان، تماشا

وہ رشکِ چمن، کل جو زیبِ چمن تھا
چمن، جنبشِ شاخ سے سینہ زن تھا

یہ غنچہ جو بے درد گل چیں نے توڑا
خدا جانے کس کا یہ نقشِ دہن تھا

تنِ مردہ کو کیا تکلف سے رکھنا
گیا وہ تو جس سے مزینِ یہ تن تھا

کئی بار ہم نے یہ دیکھا کہ جن کا
مشین بدن تھا، معطر کفن تھا ق

جو قبرِ کہن ان کی اکھڑی تو دیکھا
نہ عضوِ بدن تھا، نہ تارِ کفن تھا

نظیر، آگے ہم کو ہوس تھی کفن کی
جو سوچا، تو ناحق کا دیوانہ پن تھا

نہ گُل اپنا، نہ خار اپنا، نہ ظالم باغباں اپنا
بنایا، آہ، کس گلشن میں ہم نے آشیاں اپنا

اُس کا مکھڑا جو بے نقاب ہوا — حیرتِ چشمِ آفتاب ہوا
اُس کی آنکھوں کی دیکھ کیفیت — منفعل ساغرِ شراب ہوا
دل اُدھر سے خجل پھرا جو نظیرؔ — جی میں اندوہ بے حساب ہوا

گر ہم نے دل صنم کو دیا، پھر کسی کو کیا — اسلام چھوڑ، کُفر لیا، پھر کسی کو کیا
کیا جانے کس کے غم میں ہیں آنکھیں ہماری لال — اے ہم نے گو نشہ بھی پیا، پھر کسی کو کیا
آپی کیا ہے اپنے گریباں کو ہم نے چاک — آپی سیا سیا نہ سیا، پھر کسی کو کیا

رُخ تو وہ ماہ تاب سا دیکھا — تن بھی موتی کی آب سا دیکھا
کی نگہ چشم پر، تو اُس کو بھی — ساغرِ پُر شراب سا دیکھا
پیرہن، برگِ گُل پہ جوں شبنم — عرقِ تن، گُلاب سا دیکھا
تھے ابھی ہم جواں نظیرؔ، اور اب (ق) — رنگِ مُو، سیم ناب سا دیکھا
شام کی صبح ہو گئی دم میں — یہ تو کچھ ہم نے خواب سا دیکھا

وہ مجھ کو دیکھ، کچھ اِس ڈھب سے شرمسار ہوا
کہ میں حیا ہی پر اُس کی فقط نثار ہوا
ہمارے مرنے کو، ہاں، تم تو جھوٹ سمجھے تھے
کہا رقیب نے، لو اب تو اعتبار ہوا!

نہ جاؤں میں تو اُس کے پاس، لیکن کیا کروں یارو
یکایک کچھ جگر میں آکے لگ جاتا ہے نشتر سا
نظیؔر، اک دو گلے کرنے بہت ہوتے ہیں خوباں سے
چلو اب چپ رہو بس، کھول بیٹھے تم تو دفتر سا

تیشے کی کیا مجال تھی یہ کہ تراشے بے ستوں
تھا وہ تمام دل کا زور، جس نے پہاڑ ڈھا دیا

جس کام کو جہاں میں تو آیا تھا اے نظیؔر
خانہ خراب! تجھ سے وہی کام رہ گیا

گردوں نے ہم کو کیا نہ دیا، اور کیا دیا
سب کچھ دیا، اگر دلِ بے مدّعا دیا
شرمندۂ رفو نہیں عاشق کا چاکِ جیب
کس باغباں نے گُل کا گریباں سِلا دیا
چاہا کہ مجھ سے پھر وہ نہ بولے کبھی نظیؔر
لوگوں نے بارے منّتیں کر کے، مِلا دیا

جھمک دکھاتے ہی، اُس دل رُبا نے لوٹ لیا
ہمیں تو پہلے ہی اُس کی ادا نے لُوٹ لیا
لُٹے ہم اُس کی گلی میں، تو یوں پکارے لوگ
کہ اک فقیر کو اک بادشا نے لوٹ لیا
ابھی کہیں تو کسی کو نہ اعتبار آوے
کہ ہم کو راہ میں اک رہ نما نے لوٹ لیا
ہزاروں قافلے جس شوخ نے کیے غارت
نظیؔر کو بھی اُسی بے وفا نے لوٹ لیا

دل چھپا بیٹھا تو اُس زلفِ مسلسل سے نظیؔر
اے اسیرِ دامِ نافہمی، یہ تو نے کیا کیا!

دیا دل، تو پھر عہد و پیمان کیسا　　لیا جس نے، اُس کا ہے احسان کیسا
جہاں زلفِ کافر میں دل پھنس گیا ہے　　تو واں دین کیسا اور ایمان کیسا
ادا نے کیا دل کو پہلو میں بے کل　　کرے گی ستم دیکھیے آن کیسا
نظیرؔ اُس سے ہم نے چھپایا جو دل کو
تو ہنس کر کہا "ہیں یہ انسان کیسا؟"

نگہ کے سامنے اُس کا جوں ہی جمال ہوا
وہ دل ہی جانے ہے، اُس دم جو دل کا حال ہوا
اگر کہوں میں کہ چمکا وہ برق کے مانند
تو کب مثل ہے یہ اُس کی، جو بے مثال ہوا
قرار و ہوش کا جانا تو کس شمار میں ہے
غرض، پھر آپ میں آنا مجھے محال ہوا
اِدھر سے بھر دیا مَے نے نگاہ کا ساغر
اُدھر سے زلف کا حلقہ، گلے کا جال ہوا

ساقی! ظہورِ صبح و ترشّح ہے نور کا
دے مے، یہی تو وقت ہے نور و ظہور کا
کوچے میں اُس کے جس کو جگہ مل گئی، وہ پھر
مائل ہوا نہ صحنِ چمن کے سُرور کا
سیماب جس کو کہتے ہیں، سیماب یہ نہیں
دل آب ہو گیا ہے کسی ناصبور کا

نظر پڑا ایک بُتِ پری وَش، نرالی سج دھج، نئی ادا کا
نگہ سے ظاہر کمال شوخی، عیاں ادا سے اثر جفا کا
گلے لپٹنے میں یہ شتابی کہ جیسے بجلی کی اضطرابی
اِدھر جو چمکا چمک چمک کر، اُدھر جو لپکا تو پھر چھپا کا
یہ چُلبلاہٹ، یہ اَچپلاہٹ، خبر نہ سر کی، نہ تن کی سُدھ بُدھ
جو چیرا بکھرا، بلا سے بکھرا، نہ بند باندھا کبھی قبا کا
لڑاوے آنکھیں بہ بے حجابی، کہ پھر پلک سے پلک نہ مارے
جو نظریں نیچی کرے تو گویا کھُلا سراپا چمن حیا کا
یہ رم، یہ نفرت، یہ دور کھنچنا، یہ ننگ عاشق کے دیکھنے سے
جو پتّا کھڑکے ہوا سے لگ کر، تو سمجھے کھٹکا نگہ کے پا کا
جتاوے الفت، چڑھاوے ابرو، اِدھر لگاوٹ، اُدھر تغافل
کرے تبسّم، جھڑک دے ہر دم، رَوِش ہٹیلی، چلن دغا کا
نہ وہ سنبھالے کسی کے سنبھلے، نہ وہ منائے منے کسی سے
جو قتلِ عاشق پہ آ کے مچلے، تو غیر کا پھر، نہ آشنا کا
جو شکل دیکھو تو بھولی بھولی، جو باتیں سنیے تو میٹھی میٹھی
دل ایسا پتھر کہ سر اُڑا دے، جو نام لیجے کبھی وفا کا

بُتوں کی مجلس میں، شب کو مہ رُو، جو اور تک بھی قیام کرتا
کُنشت ویراں، صنم کو بندہ، برہمنوں کو غلام کرتا
بھلا ہوا جو نقاب تو نے اُٹھایا چہرے سے ہے پری رو
وگرنہ سینے سے دل تڑپ کر، نگہ میں آ کر مقام کرتا

نظیرؔ، تیری اشارتوں سے، یہ باتیں غیروں کی سُن رہا ہے
وگرنہ کس میں تھی تاب و طاقت، جو اُس سے آکر کلام کرتا

آج دیکھ اُس نے مری چاہ کی چتون، یارو
مُنہ سے گو کچھ نہ کہا، دل میں تو جانا ہوگا
پھر نظر دیکھیں گے اُس عہد شکن کی صورت
دیکھیے، کون سا یارب وہ زمانا ہوگا
دیکھ لے اِس چمنِ دہر کو جی بھر کے نظیرؔ
پھر ترا کاہے کو اِس باغ میں آنا ہوگا

بات کچھ کہتا ہے، اور نکلے ہے کچھ مُنہ سے، نظیرؔ!
یہ نشہ ایسا ہوا کس کی نگاہِ مست کا

مرا دل ہے مشتاق اُس گُل بدن کا
کہ یہ باغ اک گُل ہے جس کے چمن کا
عجب سیر دیکھی نظیرؔ، اِس چمن کی
ابھی وصل تھا نرگس و نسترن کا
ابھی یک دگر جمع تھے سُنبل و گُل
ابھی تھا بہم جوش سرو و سمن کا
ابھی چہچہے بُلبلوں کے عیاں تھے
ابھی شور تھا قمریِ نعرہ زن کا
گھڑی بھر کے ہی بعد، دیکھا یہ عالم
کہ نام و نشاں بھی نہ واں تھا چمن کا

پردہ اُٹھا کر رُخ کو عیاں، اُس شوخ نے جس ہنگام کیا
ہم تو رہے مشغول اُدھر، یاں عشق نے دل کا کام کیا
آگئے جب صیّاد کے بس میں، سوچ کیے پھر حاصل کیا
اب تو اُسی کی ٹھہری مرضی، جن نے اسیرِ دام کیا

چھوڑ دیا جب ہم نے صنم کے کوچے میں آنے جانے کو
پھر تو اُدھر اُس شوخ نے ہم سے شکوہ بھرا پیغام کیا
اور اِدھر سے چاہت بھی یوں ہنس کر بولی، واہ جی واہ
اُٹھیے، چلیے، یار سے ملیے، اب تو بہت آرام کیا

ایسا ہی جو وہ خفا رہے گا — تو چاہ میں کیا مزا رہے گا
مت ربط کر اُس سے، ورنہ اے دل — اپنے تو کیے کو پا رہے گا
دیکھیں گے ہم اک نگاہ اُس کو — کچھ ہوش اگر بجا رہے گا
خوباں پہ، میاں نظیرؔ اپنا — ایسا ہی جو دل فدا رہے گا
پہلو سے نکل کے آخر اک دن — کوچے میں بتوں کے جا رہے گا

کیا دن تھے وہ جو واں کرم دل برانہ تھا — اپنا بھی اُس طرف گذرِ عاشقانہ تھا
مل بیٹھنے کے واسطے آپس میں ہر گھڑی — تھا کچھ فریب واں، تو اِدھر کچھ بہانہ تھا
کیا کیا دِلوں میں ہوتی تھی بِن دیکھے بے کلی — ہے کل کی بات حیف کہ ایسا زمانہ تھا
اب اِس قدر ہوا وہ فراموش اے نظیرؔ
کیا جانے، وہ معاملہ کچھ تھا بھی یا نہ تھا

ترچھی نگاہ سے بھی جو دیکھا، تو وہ خدنگ
واں ہی لگا غرض، جہاں اُس کا نشانہ تھا
لیلیٰ ہی اُس کے ہوش سے واقف تھی، ورنہ یاں
اکثر یہ جانتے ہیں کہ مجنوں دوانہ تھا

رم پر اپنے آہوے دل کو عزہ نہایت تھا لیکن
چنچل آہو چشم نے اُس کو ایک نگہ میں رام کیا
سمجھے تھے یوں، ہم دل کو لگا کر، پاویں گے یاں آرام بہت
حیف، اِسی فہمید نے ہم کو کیا کیا بے آرام کیا

شبِ مہ میں دیکھ اُس کا وہ جھمک جھمک کے چلنا
کیا انتخاب مہ نے، یہ چمک چمک کے چلنا
رہِ شِ ستم میں آنا، تو قدم اُٹھانا جلدی
جو رہِ کرم میں آنا، تو ٹھٹھک ٹھٹھک کے چلنا
نہ دھڑک ہو جو نکلنا، تو سرِ خطر پہ ٹھو کر
جو نظر گزرے ڈرنا، تو جھجک جھجک کے چلنا
جو نوازشوں پہ آنا، تو رگڑ کے دوش جانا
جو سرِ عتاب ہونا، تو پھٹک پھٹک کے چلنا
ہے کھبا نظیر اب تو مرے جی میں اُس صنم کا
وہ اکڑ کے دھج دکھانا، وہ ہمک ہمک کے چلنا

کوہ میں لالہ نہیں، آہ یہ خونِ فرہاد
جوش میں آن کے، پتھر کے تئیں چیر، کھلا
محوِ تدبیر ہیں ہم • لیک خدا ہی جانے
کون سا گل ہے پسِ پردۂ تقدیر کھلا

منتظر اُس کے دلا، تا بہ کجا بیٹھنا
شام ہوئی اب چلو، صبح پھر آ بیٹھنا

ہوش رہا نے قرار، دین رہا اور نہ دل
پاس بُتوں کے ہمیں خوب نہ تھا بیٹھنا

لطف سے اے دل تجھے اس کے جو ابرو بٹھائے
بیٹھیو، لیکن بہت پاس نہ جا بیٹھنا

دل کی ہماری غرض، باندھے ہے کیا بند بند
شوخ کا وہ کھول کر بندِ قبا بیٹھنا

کوچے میں اُس شوخ کے جاتے تو ہو اے نظیرؔ
جُل میں کہیں اپنی چاہ تم نہ جتا بیٹھنا

آپ سے چاہوں تو اُٹھ جاؤں گا اِس بزم سے میں
اور اک "ہوں" بھی کرو گے، تو مچل جاؤں گا

بے کلی آج بھی واں لے گئی مجھ کو تو نظیرؔ
میں نے ہر چند یہ چاہا تھا کہ کل جاؤں گا

دل نہ لو، دل کا یہ لینا ہے، نہ اِخفا ہو گا
اِس کو دل کہتے ہیں، بس لیتے ہی چرچا ہو گا

تم کو ہر آن اُدھر ہووے گی حُسن آرائی
ہم کو ہر لحظہ اِدھر ذوقِ تماشا ہو گا

ہم بھی سَو چاہ سے دیکھیں گے تمھاری جانب
تم سے بھی ضبطِ تبسّم نہ پھر اصلا ہوگا
جوں ہی ہم دیکھیں گے، تم اور متبسّم ہوگے
چاہ کا غنچۂ سربستہ دہیں وا ہوگا
جب یہ تقریر سُنی اُس شہِ خوباں نے نظیرؔ
ہم سے دل لے لیا اور ہنس کے کہا، کیا ہوگا

بے جا ہے رہِ عشق میں اے دل، گلۂ پا
یہ اور ہی منزل ہے، نہیں مرحلۂ پا
ہنگامِ خرام اُس کے، ہجومِ دلِ عشّاق
غش کردہ ہیں ٹھوکر کے، بہ ہر فاصلۂ پا
دل سے رہِ دل بستگی کب طے ہو نظیرؔ، آہ
وہ زلفِ مسلسل جو نہ ہو سلسلۂ پا

اگر ہے منظور یہ کہ ہووے ہمارے سینے کا داغ ٹھنڈا
تو آ لپیٹے گلے سے اے جاں، جھمک سے کر، جھپ چراغ ٹھنڈا
لبوں سے لگتے ہی، ہوگئی تھی تمام سردی دل و جگر میں
دیا تھا ساقی نے رات ہم کو کچھ ایسی مے کا ایاغ ٹھنڈا
درخت بھیگے ہیں گل کے منہ سے، چمن چمن میں بھرا ہے پانی
جو سیر کیجے تو آج صاحب، عجب طرح کا ہے باغ ٹھنڈا
وہی ہے کامل نظیرؔ اس جا، وہی ہے روشن دل اے عزیزو
ہوا سے دُنیا کی جس کے دل کا نہ ہووے ہرگز چراغ ٹھنڈا

جب ہم نشیں! ہمارا بھی عہدِ شباب تھا
کیا کیا نشاط و عیش سے دل کام یاب تھا

حیرت ہے اُس کی زود دَروی، کیا کہیں ہم آہ — نقشِ طلسم تھا وہ کوئی یا حباب تھا
تھا جب وہ جلوہ گر، تو دل و جاں میں دم بدم — عشرت کی حد، نہ عیش و طرب کا حساب تھا
تھا باغِ زندگی کا اُسی سے ہی آب و رنگ — دیوانِ عمر کا بھی وہی انتخاب تھا
اپنے تو فہم میں وہی ہنگام اے نظیرؔ
مجموعۂ حیات کا لُبِّ لباب تھا

قاصد! صنم نے خط کو مرے دیکھ، کیا کہا — حرفِ عتاب، یا سخنِ دل کُشا کہا؟
تجھ کو قسم ہے، کچھ نہ پوشیدہ مجھ سے تو — کہیو وہی جو اُس نے مجھے بر ملا کہا
قاصد نے جب تو سُن کے کہا، کیا کہوں میں یار — پہلے مجھی کو اُس نے بہت ناسزا کہا
پھر تجھ کو سو عتاب سے جھنجلا کے دم بدم — کیا کیا کہوں میں تجھ سے کہ کیا کیا بُرا کہا
میری تو کچھ خطا نہیں، تو ہی سمجھ اسے — بے جا کہا یہ اُس نے مجھے یا بجا کہا
کہتا تھا میں تجھے کہ نہ بھیج اُس کو خط میاں
لیکن نظیرؔ! تو نے نہ مانا مرا کہا

آغوشِ تصوّر میں جب ہم نے اُسے مسکا
لب ہائے نزاکت سے اک شور تھا بس بس کا

اک پردۂ ہستی نہ رہا، جوں نظر آیا
وہ خانہ برانداز، ہمیں کیوں نظر آیا
اُس مہرِ پُر انوار سے شبنم کی طرح ہم
گُم ہوتے گئے، ہم کو وہ جوں جوں نظر آیا

سرسبز دلِ جلوں کو نہ ہرگز کرے فلک
دانہ کہیں اُگا ہے جو آتش میں بھُن گیا

ساقی! شراب ہے، تو غنیمت ہے اب کی اب
پھر بزم ہوگی جب، تو سمجھ لیجو جب کی جب
کم فرصتی سے عمر کی اپنی، ہزار حیف
جتنی تھیں خواہشیں، وہ رہیں دل میں سب کی سب

آہ و فغان و گریہ و اندوہ و درد و داغ
جو جنسِ عشق ہے، وہ مرے پاس سب ہے اب
آئینہ ایک دم نہیں رکھتا ہے ہاتھ سے
ایسا وہ اپنے رُخ کا تماشا طلب ہے اب

کمالِ عشق بھی خالی نہیں تمنا سے
جو ہے اک آہ، تو اُس کو بھی ہے اثر کی طلب

آرزو خوب ہے، موقع سے اگر ہو، ورنہ
اپنے مقصود کو کم پہنچے ہیں بسیار طلب
عذر عاصی کو نہیں چاہیے کچھ اُس سے نظیرؔ
جس خطا پوش کی رحمت، ہے گنہ گار طلب

کس کے لیے کیجیے جامۂ دیبا طلب
دل تو کرے ہے مدام دامنِ صحرا طلب
ایک تمنا ہو تو یار سے کہیے نظیرؔ
دل ہے پُر از آرزو، کیجیے کیا کیا طلب

رواروی میں لگے آنکھ کس طرح سے نظیرؔ
مسافروں کو کہاں ایسے اضطراب میں خواب

بحرِ ہستی میں صحبتِ احباب — یوں ہے جیسے بروئے آب، حباب
بادۂ ناب کیا ہے، خونِ جگر — زردیِ رنگ ہے شبِ مہتاب
جس کو رقص و سرود کہتے ہیں — وہ بھی ہے اک ہوائے خانہ خراب
عمر کہتے ہیں جس کو، وہ کیا ہے — مثلِ تحریرِ موج، نقش بر آب
جسم کیا، روح کی ہے جولاں گاہ — روح کیا، اک سوارِ پا بہ رکاب
زندگانی و مرگ بھی کیا ہیں — ایک مثلِ خیال و دیگر خواب
فرصتِ عمر، قطرۂ شبنم — وصلِ محبوب، گوہرِ نایاب
سب کتابوں کے کھل گئے معنی
جب سے دیکھی نظیرؔ دل کی کتاب

کب غیر نے یہ ستم سہے چپ — ایسے تھے ہمیں جو ہو رہے چپ
شکوہ تو کریں ہم اس سے اکثر
پر کیا کریں دل ہی جب کہے چپ

کھینچ کر اُس ماہ رو کو آج یاں لائی ہے رات
یہ خدا نے مدتوں میں ہم کو دکھلائی ہے رات
چاندنی ہے، رات ہے، خلوت ہے، صحنِ باغ ہے
جام بھر ساقی، کہ یہ قسمت سے ہاتھ آئی ہے رات

کیا مزہ ہو، ہاتھ میں زلفیں ہوں، اور یوں پوچھیے
اے مری جاں، سچ کہو تو، کتنی اب آئی ہے رات
جب نشے کی لہر میں، بال اُس پری کے کُھل گئے
صبح تک پھر تو چمن میں کیا ہی لہرائی ہے رات

صورت کبھی دکھلائی تو اس میں بھی لگاوٹ
باتوں کی جو ٹھہرائی تو اس میں بھی لگاوٹ
آتے نہیں اوّل تو کہیں، اور کہیں شاید
تشریف جو فرمائی تو اس میں بھی لگاوٹ
بوسے کا جو اقرار کیا وہ بھی فقط چُہل
اور ہنس کے قسم کھائی تو اس میں بھی لگاوٹ

اُس کے تشریف جو لانے کی خبر پائی آج
دل نے پھر کی ہوسِ انجمن آرائی آج

تھے ہم تو خود پسند بہت، لیکن عشق میں
ہے اب تو وہ پسند، جو ہو یار کو پسند

بندے کے قلم ہاتھ میں ہوتا، تو غضب تھا
صد شکر، کہ ہے کاتبِ تقدیر کوئی اور

کوچے میں اُس کے جاتے تھے سینہ سپر کیے
کل تو میاں نظیر بھی کھیلے تھے جان پر

نظیر، حضرتِ دل کا کُھلا نہ کچھ احوال
خدا ہی جانے، یہ ندرت مآب ہے کیا چیز

جو سخت ہووے تو ایسا کہ کوہ آہن کا　　　جو نرم ہووے تو برگِ گلاب ہے کیا چیز

مستی کے سوا، دور میں اُس چشم سیہ کے
کافر ہو، جو ہو گردشِ ایّام سے واقف
مر کر بھی تہِ خاک نہ آسودہ ہوئے، آہ
اے عشق! نہ تھے ہم ترے انجام سے واقف
صیاد کی اُلفت سے پھنسے آن کے، ورنہ
تھے کاہے کو ہم اِس قفس و دام سے واقف
کوئی نہیں کرتا، جو کیا تو نے نظیرؔ، آہ
دل اُس کو دیا، جس کے نہیں نام سے واقف

اے صفِ مژگاں، تکلّف برطرف　　　دیکھتی کیا ہے، اُلٹ دے صف کی صف
آگیا جب بزم میں وہ شعلہ رو　　　شمع تو بس ہو گئی جل کر تلف
ساقی بھی یوں جام لے کر رہ گیا
جس طرح تصویر ہو ساغر بہ کف

پردہ جو اُٹھا اُس رخِ تاباں سے، تو دیکھا
اک جوشِ تجلّی تھا عیاں حدِّ نظر تک

دکھا کر اک نظر، دل کو نہایت کر گیا بے کل
پری رُو، تند خو، سرکش، ہٹیلا، چُلبلا، چنچل

جو دل کو دیجے ، تو دل میں خوش ہو، کرے ہے کس کس طرح سے ہلچل
اگر نہ دیجے ، تو وہیں کیا کیا جتا دے خفگی ، عتاب ، اکڑ ، بل
جو اِس بہانے سے ہاتھ پکڑیں کہ دیکھ دل کی دھڑک ہمارے
تو ہاتھ جھپ سے چھڑا لے کہہ کر ، مجھے نہیں ہے کچھ اِس کی اٹکل
جو چھپ کے دیکھیں، تو تاڑ جاوے ، وگر صریحاً ، تو دیکھو پھرتی
کہ آتے آتے نگاہ رخ تک ، چھپا لے مُنہ کو اُلٹ کے آنچل
کرے جو وعدہ تو اس طرح کا کہ دل کو سنتے ہی ہو تسلی
جو سوچیے پھر تو کیسا وعدہ ، فقط بہانہ ، فریب اور چھل
نہ جُل میں آوے ، نہ بھڑ کے نکلے ، نہ پاس بیٹھے ، نظیرؔ اک دم
بڑا ہی پُرفن ، بڑا ہی سیانا ، بڑا ہی شوخ اور بڑا ہی چنچل

دور سے آئے تھے ساقی، سُن کے مے خانے کو ہم
بس ترستے ہی چلے ، افسوس، پیمانے کو ہم
مے بھی ہے، مینا بھی ہے، ساغر بھی ہے، ساقی نہیں
دل میں آتا ہے، لگا دیں آگ مے خانے کو ہم
ہم کو پھنسنا تھا قفس میں ، کیا گلہ صیّاد کا
بس ترستے ہی رہے ہیں آب اور دانے کو ہم
باغ میں لگتا نہیں ، صحرا سے گھبراتا ہے دل
اب کہاں لے جا کے بیٹھیں ایسے دیوانے کو ہم
کیا ہوئی تقصیر ہم سے ، تو بتا دے اے نظیرؔ
تاکہ شادی مرگ سمجھیں ایسے مر جانے کو ہم

اُس آئینہ رو کے ہے تصوّر میں، نظیرؔ، اب
حیرت زدہ نظارہ، پریشاں ہمہ تن چشم

مے کدے سے نہ نکالو ہمیں اے بادہ کشاں
لب محبوب سمجھتے ہیں، لبِ جام کو ہم
چھوٹ کر دام سے اُس کاکلِ مشکیں کے، نظیرؔ
یاد کرتے ہیں اسیری کے اب آرام کو ہم

آج تو ہم دم؛ عزم ہے یہ، کچھ ہم بھی رسمی کام کریں
کلک اُٹھا کر، یار کو اپنے نامۂ شوق ارقام کریں
خوبی سے القاب لکھیں، آداب بھی خوش آئینی سے
بعد اس کے تحریرِ مفصّل فرقت کے آلام کریں
یا وہ آوے آپ ادھر، یا جلد بلاوے ہم کو واں
اس مطلب کے لکھنے کو بھی خوب نیاز انجام کریں
حُسن زیادہ، آن موثر، نازکی، شوخی ہووہ چند
ایسے کتنے حرف لکھیں، اور نامے کو اِشمام کریں
اک ہم دم سن کر یوں بولا، یہ تو تمھیں ہے فکرِ عبث
عقل جنھیں ہے، وہ تو نہ ہرگز ایسا خیالِ خام کریں
اس میں بھلا کیا حاصل ہوگا، سوچ تو دیکھو میاں نظیرؔ
وہ تو خفا ہو پھینک دے خط، اور لوگ تمھیں بدنام کریں

کیا کبک کو دکھلاتے ہو اندازِ خرام، آہ
حسرت زدۂ شوخیِ رفتار تو ہم ہیں
دل دے کے، دل آزار کا کیا شکوۂ بیداد
گر سوچیے، اپنے لیے آزار تو ہم ہیں

گئے تھے ملنے کو، شاید جھڑک دیا اُس نے
میاں نظیرؔ تو کچھ شرمسار آتے ہیں

جدھر وہ دیکھے، اُدھر صف کی صف اُلٹ دے ہے
بھری ہے شوخ کے ایسی شراب آنکھوں میں
خدا کی بات، جنھیں بات بھی نہ آتی تھی
وہ اب کرے ہیں سوال و جواب آنکھوں میں

چھوٹا سا خال، اُس رخِ خورشید تاب میں
ذرہ سما گیا ہے دلِ آفتاب میں
ہر زخم پر ہے آہ کے بدلے، صدائے واہ
کیا پُردلی ہے اِس دلِ خانہ خراب میں
آپی تو دل کو لے گئے، آپی ہیں پوچھتے
کہیے میاں نظیرؔ، ہیں کس پیچ و تاب میں
قدرت کہاں جو اُس سے کہوں میں یہ بات، آہ
صاحب تمھی تو ڈال گئے ہو عذاب میں

کچھ بن نہیں آتا، کیا کیجے، کس طور سے ملیے اے ہم دم
وہ دیکھ ہمیں رُک جاتا ہے، اور ہم کو چین اک آن نہیں
تر دیکھ کے میری آنکھوں کو، یہ بات سناتا ہے ہنس کر
ہیں کہتے جس کو چاہ، میاں وہ مشکل ہے، آسان نہیں

چراغِ صبح یہ کہتا ہے آفتاب کو دیکھ
یہ بزم تم کو مبارک ہو، ہم تو چلتے ہیں

صفائی اُس کے جھلکتی ہے گورے سینے میں
چمک کہاں ہے یہ الماس کے نگینے میں

اِن سنگ دل بُتوں کا گلہ کیا کروں نظیؔر
میں آپ اپنے شیشۂ دل کی شکست ہوں

دل کی بے تابی نہیں ٹھہرنے دیتی ہے مجھے
دن کہیں، رات کہیں، صبح کہیں، شام کہیں

چمن میں جب سے لب اُس غنچہ لب نے کھولے ہیں
گلُوں کے پہلو میں غنچے نہیں، پھپھولے ہیں
وہ سنگ دل جو نہ بولا، تو کیا تعجّب ہے
میاں نظیؔر! کہیں بت بھی مُنہ سے بولے ہیں

طوفاں اُٹھا رہا ہے مرے دل میں سیلِ اشک
وہ دن خدا نہ لائے جو میں آب دیدہ ہوں

کل نظر آیا چمن میں اک عجب رشکِ چمن
گلُ رخ و گلُ گوں قبا و گلُ عذار و گلُ بدن
مہر طلعت، زہرہ پیکر، مشتری رُو، مہ جبیں
سیم بر، سیماب طبع و سیم ساق و سیم تن
نازنیں، ناز آفریں، نازک بدن، نازک مزاج
غنچہ لب، رنگیں ادا، شکّر دہاں، شیریں سخن
بے مروّت، بے وفا، بے درد، بے پرواخرام
جنگ جو، قتّال وضع و سر فراز و سر فگن

مبتلا ایسے ہی خوش وضعوں کے ہوتے ہیں نظیؔر
بے قرار و دل فگار و خستہ حال و بے وطن

وہ چاندنی میں جو ٹک سیر کو نکلتے ہیں
تو مہ کے تشت میں، گھی کے چراغ جلتے ہیں
ہجومِ آہ ہے، آنکھوں سے اشک ڈھلتے ہیں
بھرے ہیں چاو جو دل میں، سو یوں نکلتے ہیں
چراغِ صبح یہ کہتا ہے، آفتاب کو دیکھ
یہ بزم تم کو مبارک ہو، ہم تو چلتے ہیں
بہ رنگِ اشک، کبھی گر کے ہم نہ سنبھلے، آہ
یہی کہا کیے جی میں، کہ اب سنبھلتے ہیں

دل کو دے مُفت، ہنستے ہیں ہم یوں
جس طرح شو مسار ہنستے ہیں

کیا کاسۂ مے لیجیے اِس بزم میں اے ہم نشیں
دورِ فلک سے، کیا خبر، پہنچے گا لب تک یا نہیں
ہوا اعتماد اس کا کسے، ہے شیشہ بازی یاد اِسے
رکھتا ہے شاد اک دم جسے، کرتا ہے پھر اندوہ گیں

کھلے گُل، سبزہ نزہت بار ہے، کیا کیا بہاریں ہیں
صبا ہے، رنگ، و بو ہے، یار ہے، کیا کیا بہاریں ہیں

ہجومِ ابر ہے، چمکے ہے برق اور منہ برستا ہے
نشہ ہے، تازگی ہے، یار ہے، کیا کیا بہاریں ہیں

صنم کے لب میں پان، ہاتھوں میں مہندی، پیرہن رنگیں
کناری ہے، دھنک ہے، ہار ہے، کیا کیا بہاریں ہیں

نظیر اب عیش کی پیتا ہے مَے، ہر دم یہ کہہ کہہ کر
چمن ہے، گُل ہے، گُل رخسار ہے، کیا کیا بہاریں ہیں

ڈر ہم کو بناوٹ کی اداؤں کا نہیں ہے
وہ آن غضب ہے جو خداداد کوئی ہو
بیداد بھی کرتا ہے بہت وہ تو، نظیر، آہ
البتہ جو شایستہ بیداد کوئی ہو

گو آتشِ گل بھڑکی ہے، پر یہ نہیں توفیق
پھونکے جو اسیرانِ چمن کے قفسوں کو

ہم دم! چھپا دے کیا کوئی داں دل کی چاہ کو
شاہد جہاں سمجھتے ہوں پہلی نگاہ کو

ناصح! تو راست کہتا ہے، لیکن وہ کیا کرے
دے بیٹھے اپنا دل جو کسی کج کلاہ کو

جھڑکی سے، اُس نے ہم کو خفا دیکھ کر، کہا
کیا ناپسند گنتے ہو اِس رسم و راہ کو!

گر عار ہے کچھ اس میں تمھیں، تو میاں نظیرؔ
لے جاؤ اپنے اُس دلِ عزت پناہ کو

جُدا کسی سے، کسی کا غرض حبیب نہ ہو
یہ داغ وہ ہے کہ دشمن کو بھی نصیب نہ ہو

تا ابد آزاد ہیں دام و قفس کے جور سے
بلبلِ تصویر و طاؤسِ خیالِ آئنہ

آج تو وہ حُسن چمکا تھا کہ غش آتا اُسے
رکھ نہ دیتے ہم اگر جلدی سے آئینے پہ ہاتھ

جس کی آنکھوں نے کیا بزمِ دو عالم کو خراب
کوئی اُس فتنۂ دوراں سے کہو عشق اللہ

کہا یہ دل نے مجھے ایک دن کہ باغ کو دیکھ
ذرا تو چل کے گلستاں کو، شب چراغ کو دیکھ
جوں ہی گیا میں چمن میں تو دل ہوا خرّم
گلوں کے حُسن کو اور نازِ اور دماغ کو دیکھ
کہ اِس میں آیا نظر مجھ کو اک گلِ لالہ
میں شاد اُس کے ہوا عیشِ بافراغ کو دیکھ
یکایک اُس نے کہا، تو نگہ نہ کر مجھ پر
نہ میرے بادۂ شبنم سے پُر ایاغ کو دیکھ
نہ میری دیکھ تو سبزی، نہ رنگِ سرخ نظیرؔ
بے درد مند اگر تو، تو میرے داغ کو دیکھ

عشق پھر رنگ وہ لایا ہے کہ جی جانے ہے
دل کا یہ رنگ بنایا ہے کہ جی جانے ہے
ناز اُٹھانے میں، جفائیں تو اُٹھائیں، لیکن
لطف بھی ایسا اُٹھایا ہے کہ جی جانے ہے
زخم اُس تیغِ نگہ کا، مرے دل نے، ہنس کر
اِس مزے داری سے کھایا ہے کہ جی جانے ہے
بام پر چڑھ کے تماشے کو، ہمیں حُسن اپنا
اِس تماشے سے دکھایا ہے کہ جی جانے ہے
اُس کی فرقت میں ہمیں، چرخِ ستم گار نے آہ
یہ رُلایا، یہ رُلایا ہے، کہ جی جانے ہے
رنج ملنے کے، بہت دل نے سہے، لیک نظیرؔ
یار بھی ایسا ملایا ہے کہ جی جانے ہے

رہیں وہ شخص، جو بزم جہاں کی رونق ہیں — ہماری کیا ہے اگر ہم رہے رہے نہ رہے
بقا ہماری جو پوچھو تو جُوں چراغِ مزار — ہَوا کے بیچ کوئی دم رہے رہے نہ رہے
یہی ہے عزم کہ دل بھر کے آج رو لیجے — کہ کل یہ دیدۂ پرنم رہے رہے نہ رہے
نظیرؔ! آج ہی چل کر بتوں سے مل لیجے
پھر اشتیاق کا عالم رہے رہے نہ رہے

بے زری، فاقہ کشی، مُفلسی، بے اسبابی
ہم فقیروں کے بھی ہاں کچھ نہیں اور سب کچھ ہے

مُنہ زرد و آہِ سرد و لبِ خشک و چشمِ تر
سچّی جو دل لگی ہے تو کیا کیا گواہ ہے

جام نہ رکھ ساقیا، شب ہے پڑی اور بھی
پہر جہاں کٹ گئے، چار گھڑی اور بھی
پہلے ہی ساغر میں تھے ہم تو پڑے لوٹتے
اتنے میں ساقی نے دی اُس سے کڑی اور بھی
عشق! بھلا ہے تجھے زلفِ بُتاں کی قسم
ہجر کی شب سے کوئی شب ہے بڑی اور بھی؟

ہم نے تو اُسے دیکھ کے جانا کہ پری ہے
پریوں نے جو دیکھا تو انھیں حور کی سوجھی
دیکھا جو نہانے میں وہ گورا بدن اُس کا
بلّور کی چوکی پہ جھلک نور کی سوجھی

کل جو گلشن میں گیا میں کہ ذرا غم بھولے
واں بھی ہر گل نے مجھے یاد دلائی تیری

محفل میں جو دیکھا تو اِدھر تم ہو خفا، اور
ساقی کو بھی ہے حُجّت و تکرار ہمیں سے

غُرور نے تو ہمارے بہت ہی کھینچا سر
پر، اُس کو ہم بھی سدا خاک میں رلوٹے گئے
نظیرؔ، کیا ہی مزہ تھا کہ کل خوشی سے ہم
گئے تھے یار کو لینے، سو آپ ہی کھوئے گئے

طرفہ فسوں سرشت ہے چشمِ کرشمہ سنجِ یار
لیتی ہے اک نگاہ میں صبر بھی اور قرار بھی
کوچے میں اُس کے بیٹھنا، حُسن کو اُس کے دیکھنا
ہم تو اسی کو سمجھے ہیں باغ بھی اور بہار بھی

دیکھیے کیا ہو، بے طرح دل کی لگے ہیں گھات میں
عشوۂ پُر فریب بھی، غمزۂ سحر کار بھی
زلف کو بھی ہے دم بہ دم عزم کمند افگنی
دام لیے ہے مستعد طرّۂ تاب دار بھی

شوقِ دیدار ہے، یا جذبۂ الفت ہے، غرض
کوئی تو ہے کہ جو کھینچے لیے جاتا ہے مجھے

نہ برق میں ہے، نہ سیماب میں، نہ شعلے میں — الٰہی! دل کو کہاں کی یہ بے قراری ہے

دوری میں اُس قمر کی جب آتی ہے چاندنی — خوابیدہ حسرتوں کو جگاتی ہے چاندنی
مہ آسماں پہ ہوتا ہے دیکھ اُس کو شرمسار — روے زمیں پہ ٹھوکریں کھاتی ہے چاندنی
کیا یک دلی ہے، ہم نے جو کہ بھیجا اے نظیرؔ — ق — تم بِن ہمارے دل کو ستاتی ہے چاندنی
سُن کر، پیام بر سے کہا، جا کے تو یہ کہ — البتّہ اپنا جی بھی کڑھاتی ہے چاندنی
گر ہم بغیر، واں شبِ مہ سے ہو تم خفا
تو تم بغیر، یاں کسے بھاتی ہے چاندنی

پھر بہار آئی ہے اور موجِ ہوا لہرائے ہے
دیکھیے اپنے جنوں کو اب کے کیا لہر آئے ہے

بُتوں کے ناز کی تب شوخیاں نظر آئیں — میاں نظیرؔ سے، جب ہم فقط نظیر ہوئے

شبنم نے زیب جیسا پایا ہے گُل سے، ہم دم
لی پیرہن نے زینت ویسی ہی اُس کے تن سے
ہر چند مُنہ پہ اپنے لاتا نہیں، ولیکن
تہ تہ میں بے کلی ہے غنچے کو اُس دہن سے

جب ہم نے نظیرؔ، اُس سے کہا، آئیے ٹک یاں
سُن کر، عجب اک آن سے بولا، نہیں آتے

جو مے خانے میں جاکر، ایک جامِ مے پیا ہم نے
تو جس جا خشتِ پائے خُم تھی، واں سر رکھ دیا ہم نے
ملے، روٹھے، ہنسے، روئے، پھرے، بیٹھے، ڈرے، سنبھلے
نظیرؔ، اک دل لگا کر، واہ کیا کیا کچھ کیا ہم نے

مُنہ سے برقع نہ اُٹھے، صاحبِ من، یاد رہے
پھر قیامت ہی عیاں ہے، یہ سخن یاد رہے
مر بھی جادیں گے، تو جُز پیرہنِ عریانی
آپ سے ہم نہیں لینے کے کفن، یاد رہے
اب تو ہے ناز، یہ ٹھکرا کے سروں کو چلنا
لیکن، آخر نہیں اچھا یہ چلن، یاد رہے
سَو چمن، ایک فقط اُس کے ہیں مکھڑے میں نظیرؔ
جب یہ صورت ہو، تو پھر کس کو چمن یاد رہے

نہ سرخی غنچۂ گل میں ، ترے دہن کی سی
نہ یاسمن میں صفائی ، ترے بدن کی سی
میں کیوں نہ پھولوں ، کہ اُس گل بدن کے آنے سے
بہار آج مرے گھر میں ہے چمن کی سی
یہ برق ابر میں دیکھے سے ، یاد آتی ہے
جھلک کِسی کے دُپٹے میں نورتن کی سی
گُلوں کے رنگ کو کیا دیکھتے ہو اے خوباں
یہ رنگتیں ہیں تمھارے ہی پیرہن کی سی
میں ہنس کے اِس لیے مُنہ چومتا ہوں غنچے کا
کہ کچھ نشانی ہے اُس میں ترے دہن کی سی
کہاں تو ، اور کہاں وصل اُس پری کا ، نظیرؔ
میاں تو چھوڑ یہ باتیں دِوانے پن کی سی

وہ جلوہ گر ہو ، تو رہتی ہے جاں ، وگرنہ آج
دلِ نظارہ طلب سخت اضطراب میں

جو کہا تھا تم نے کہ بزم میں تمھیں پاس اپنے بٹھائیں گے
نہیں لائق اس کے تو ہم ، مگر جو کہا تو کر بھی دکھائیے

کر دیا پہلے ہی ساغر میں ہمیں مدہوش و مست
پھر وہ چشمِ مست اے دل مَیل کرتی ہے ادھر

ہم نشیں ! چشمِ بتاں کا بھی عجب مے خانہ ہے
یاد ہے اس کا نشہ کچھ ، یہ وہی پیمانہ ہے

محبوب کے رُتبے پہ نظر رکھیو نظیرؔ، آہ
ایسا نہ ہو جو یار کے دل سے تو اُتر جائے

ایام شباب اپنے بھی کیا عیش اثر تھے
کہتے ہیں جنھیں عیب، وہ اُس وقت ہنر تھے
دن رات وہ محبوب میسر تھے، کہ جن کی
زلفیں الم شام تھیں، رُخ رشکِ سحر تھے
ساقی کے اِدھر جام، اُدھر ناز و ادا سے
جادو نظراں، خوش نگہاں دست و کمر تھے
ہم راہ گُل اندا موں کے، ہو خرم و خنداں
باغ و چمن و گلشن و بُستاں میں گزر تھے
کیا شور تھے، کیا زور تھے، کیا عیش تھے، کیا لطف
کیا ولولے، کیا قہقہے بے خوف و خطر تھے
دکھلا کے جھمک، جاتے رہے دم میں نظیرؔ آہ
کیا جانے وہ دن برق تھے، یا مثلِ شرر تھے

کل جو گزرے تھے ہم اک کہنہ مزارستاں میں
واں عجب طور کی عبرت سے ہم آغوش ہوئے
یعنی، اک شخص یہ بولا کہ یہاں عظم دہن
سخت بوسیدہ، نگہ سے مری ہم دوش ہوئے
مجھ سے یوں کہنے لگے، ہم تھے بڑے صاحب عیش
کبھی گلشن میں پھرے، اور کبھی مے نوش ہوئے
گل عذارانِ سمن بر سے رہے شاد مدام
نازنینانِ جفا جو سے وفا کوش ہوئے
ایک دم چرخِ حسد پیشہ سے مانندِ چراغ
اک پلک بھر نہ کھنچی دیر، جو خاموش ہوئے

اب کوئی نام و نشاں سے نہیں اپنے آگاہ
ایسے ہم خاطرِ عالم سے فراموش ہوئے
جب سُنا میں نے یہ اُس شخص سے احوال، نظیر
رُوح تھرّا گئی، لرزاں خرد و ہوش ہوئے

ہو چرب زباں سے نہ پری رویوں کی تسخیر
یہ لوگ جو ملتے ہیں تو دل کی کششوں سے
ہے آج تو خوش، پر نہیں بلبل کو یہ معلوم
کل سر کو پٹکنا ہے چمن کی روِشوں سے
خوباں تو چلے ہم سے چلن ناز کے، لیکن
چھیڑا ہے انھیں ہم نے بھی کن کن روِشوں سے

یہ حسن ہے آہ یا قیامت، کہ اک بھبوکا بھبھک رہا ہے
فلک پہ سورج بھی تھرتھرا کر، مُنہ اُس کا حیرت سے تک رہا ہے
وہ ماتھا ایسا کہ چاند نکھرے، پھر اُس کے اوپر وہ بال بکھرے
دل اُس کے دیکھے سے کیوں نہ بکھرے، کہ مثلِ سورج چمک رہا ہے
وہ چینِ خودرو، کٹیلے ابرو، وہ چشم جادو، نگاہیں آہو
وہ پلکیں کج خو کہ جن کا ہر مو، جگر کے اندر کھٹک رہا ہے
غضب وہ چنچل کی شوخ بینی، پھر اُس پہ نتھنوں کی نکتہ چینی
پھر اُس پہ نتھ کی وہ ہم نشینی، پھر اُس پہ موتی پھڑک رہا ہے
لب و دہاں بھی وہ نرم و نازک، مسی و پاں بھی وہ قہر و آفت
سخن بھی کرنے کی وہ لطافت، کہ گویا موتی ٹپک رہا ہے

وہ کان خوبی میں چھک رہے ہیں، جواہروں میں جھمک رہے ہیں
اِدھر کو جُھمکے جھمک رہے ہیں، اُدھر کا بالا چمک رہا ہے
صراحی گردن وہ آبگینہ پھر آگے سینہ بھی جوں نگینہ
بھرا ہے جس میں تمام کینہ کہ جوں نگینہ دمک رہا ہے
وہ سرخ انگیا جو کس رہی ہے، وہ چس رہی ہے، اُکس رہی ہے
کچھ ایسے ڈھب سے وہ کس رہی ہے کہ اُس کا کسنا، کسک رہا ہے
فقط وہ چمپا کی اک کلی ہے، کچھ اک مُندی ہے، کچھ اک کُھلی ہے
سلاخ سونے کی اک ڈلی ہے کہ گویا کُندن دمک رہا ہے
وہ پیاری رانیں، وہ گول ساقیں، وہ کف ملائم، وہ نرم پہنچے
کڑی کڑی سے کھڑک رہی ہے، کڑا کڑی سے کھڑک رہا ہے
نظیرؔ، خوبی میں اُس پری کی، کہوں کہاں تک ثنا، بنا کر
صفت سراپا میں جس کے لکھّے، دل اب اُسی سے اٹک رہا ہے

گئی فلک تئیں، پر اُس کے دل میں راہ نہ کی
ہماری آہ نے پیدا یہ دست گاہ نہ کی
جگر کو دیکھیے میرے کہ یوں ہوا ہوں قتل
سپر تو کیا ہے، کہ ہاتھوں تلک پناہ نہ کی

کل شبِ وصل میں کیا جلد کٹی تھیں گھڑیاں
آج کیا مر گئے گھڑیاں بجانے والے
کل جو رستے میں ملاقات ہوئی، تو یہ کہا:
کہاں جاتے ہو، طرح دار جلانے والے!

نہ برق، نہ خورشید، نہ شعلہ، نہ بھبھوکا
کیوں صاحبو! یہ حُسن ہے یا اور ہی کچھ ہے
ہم کو تو نظیرؔ، اُن سے شکایت ہے جفا کی
اور اُن کا جو سینے تو گِلا اور ہی کچھ ہے

کل، سُنا ہم نے ، یہ کہتا تھا وہ اک ہم راز سے
دیکھتا تھا مجھ کو آج اک شخص عجب انداز سے
وہ نیاز و عجز تھا اُس کی نگہ سے آشکار
جس طرح سے تھک رہے طائر کہیں پرواز سے
تو جو واقف ہو تو جا اُس کو بُلا لا اِس گھڑی
میں تسلّی دوں اُسے کچھ شرم سے، کچھ ناز سے
ہے مرا ملنے کو اُس کے دل نہایت بے قرار
سُن کے، وہ ہم راز بولا اُس بُتِ طنّار سے
میں تو اُس کو جانتا ہوں، نام اُس کا ہے نظیرؔ
اور خبر ہے مجھ کو اُس کی چاہ کے آغاز سے
تم ہو سادہ، بہرِ دِل، اُس کو بکھیڑے یاد ہیں
اور سوا اِس کے، مرا ڈرتا ہے جی غمّاز سے
ہنس کے وہ گل رُو، لگا ہم راز سے کہنے، میاں
کچھ ہی ہو، ہم تو ملیں گے اُس بکھیڑے باز سے

یا حضرتِ دل! تم تو بڑے صاحبِ دل تھے
رکھتے تھے بہت اپنے کمالات کی گرمی
ایک نگہِ گرم سے بس ہو گئے تم سرد
اب کہیے، کہاں ہے وہ کرامات کی گرمی!

کیا کہیں دنیا میں ہم انسان یا حیوان تھے
خاک تھے، کیا تھے، غرض اک آن کے مہمان تھے
کر رکھا تھا اپنا قبضہ غیر کی املاک پر
چھن گئی جس وقت، تب سمجھے کہ ہم نادان تھے
غیر کی چیزیں چُرائی، ہم بڑی سمجھے تھے عقل
غور سے دیکھا تو ہم بھی سخت بے ایمان تھے
ناگہاں اک استخواں پر جا پڑا اپنا قدم
کیا کہیں غفلت میں اُس دم ہم کو کیا کیا دھیان تھے
پانو پڑتے ہی مرے، اُس استخواں نے آہ کی
اور کہا، غافل! کبھی ہم بھی تو صاحب جان تھے
دست و پا، زانو، سر و گردن، شکم، پشت و کمر
دیکھنے کو آنکھیں، اور سُننے کی خاطر کان تھے
ساعد و بینی، جبیں، نقش و نگار و خطّ و خال
لعل و مروارید سے بہتر لب و دندان تھے
رات کے سونے کو کیا کیا نرم و نازک تھے پلنگ
بیٹھنے کو دن کے کیا کیا طاق اور ایوان تھے
لگ رہے تھے قہقہے اور ہو رہے تھے چہچہے
ساغر و ساقی، صراحی، عطر، پھول اور پان تھے

لگ رہا تھا دل کہیں چنچل پری زادوں کے ساتھ / کچھ کسی سے عہد تھے اور کچھ کہیں پیمان تھے
گُل بدن اور گُل عذاروں کے کنار و بوس سے / کچھ نکالی تھی ہوس اور کچھ ابھی ارمان تھے
ایک ہی چکّر دیا ایسا اجل نے آن کر / نے تو وہ ہم ہی رہے، نے عیش کے سامان تھے

ایسی بے دردی سے ہم پر پانو مت رکھ اے نظیرؔ
او میاں! ہم بھی کبھی تیری طرح انسان تھے

یک بہ یک مُو کی سیاہی اِس قدر جاتی رہی / کیا کہیں گویا سیاہی یک سرِ مُو بھی نہ تھی
گو سفیدی مُو کی یوں روشن ہے، جوں آبِ حیات / لیکن اپنی تو اُسی ظلمات سے تھی زندگی
دم بہ دم بزمِ سرور و ہر گھڑی سیرِ چمن / عشرت و عیش و نشاط و خرمی و تازگی
خندۂ شادی سے ہرگز لب نہ ہوتے تھے بہم / ساغر و مینا، سرود و رقص و خوش طبعی ہنسی
جام دیتا تھا اِدھر ساقی بہ منت ہاتھ جوڑ / اس طرف کیا کیا لگاوٹ دل بروں کی تھی نئی
گُل بدن کرتے تھے کس کس طور اظہار اشتیاق / غنچہ لب ملتے تھے سو سو دل میں رکھ کر بے کلی
جس طرف تھے دیکھتے، عیش و طرب کا جوش تھا / مستی و رندی، ہوس بازیّ و بے اندیشگی
آن کر مو کی سفیدی نے یہ کیں بربادیاں / کھول دیں جتنی بندھی تھیں وہ ہوائیں عیش کی
قد میں خم، آنکھوں میں نم، چہرے پہ جھری، رنگ زرد / سر سے پا تک سخت ناخوش منظری، بدہیئتی

کیا تماشے انقلابِ چرخ کے کہیے نظیرؔ
دم میں وہ رونق تھی، اور اک دم میں یہ بے رونقی

خمسہ بر غزلِ سراجؔ

کھلی جب کہ چشمِ دلِ حزیں، تو وہ نم رہا، نہ تری رہی
ہوئی حیرت ایسی کچھ آنکھ پر کہ اثر کی بے اثری رہی
پڑی گوشِ جاں میں عجب ندا کہ جگر نہ بے جگری رہی
خبرِ تحیرِ عشق سُن، نہ جنوں رہا نہ پری رہی
نہ تو تُو رہا، نہ تو میں رہا، جو رہی سو بے خبری رہی

ہوئیں کیا ہی دل کو فراغتیں، گئی جب سے قید لباس کی
نہ ہوائے اطلس و گُل بدن، نہ تلاشِ بادلہ و زری
کوئی پہنو یا کہ نہ پہنو اب، غرض اِس کو جانے بلا مری
شہِ بے خودی نے عطا کیا، مجھے اب لباسِ برہنگی
نہ خِرد کی بخیہ گری رہی نہ جنوں کی پردہ دری رہی

کسی وقت مکتبِ عقل میں بہت علم ہم نے بھی تھا پڑھا
کہ ہر اک سے حجت و بحث تھی، سو اُس علم کا یہ کمال تھا
گیا جب کہ مدرسہ عشق میں، تو اب آگے یار کہوں میں کیا
وہ عجب گھڑی تھی کہ جب گھڑی لیا درس نسخہ عشق کا
کہ کتاب عقل کی طاق پر جو دھری تھی، وو ہیں دھری رہی

ترے مُنہ پہ اب تو ہے وہ جھلک کہ جہاں تو جا کے عیاں ہوا
اگر آفتاب جمال تھا، تجھے دیکھ وہ بھی نہاں ہوا

کوئی آگے تیرے نہ آسکا، وہ قمر کہ مہر نشاں ہوا
ترے جوشِ حیرتِ حُسن کا، اثر اِس قدر تو عیاں ہوا
کہ نہ آئنے میں جِلا رہی، نہ پری کی جلوہ گری رہی

عجب اتّفاق ہے، خود بہ خود مرے دل سے عیش نکل گیا
پڑی آگ غم کی وہ تن میں آ، کہ بہ رنگِ شمع پگھل گیا
اُدھر آہ شعلہ زناں ہوئی، اِدھر اشک آنکھوں سے ڈھل گیا
چلی سمتِ غیب سے اک ہوا کہ چمن سرور کا جل گیا
مگر ایک شاخِ نہالِ غم، جسے دل کہیں، سو ہری رہی

کرے عشق اب وہ جہان میں کہ سبھوں سے بیٹھے وہ ہاتھ دھو
نہ کسی کے ڈر سے چھپے کہیں، نہ کسی کے خوف سے دیوے رو
اُسے کچھ کسی کی خبر نہیں، ہوا اب تو مثلِ نظیرؔ وو
ترے دردِ عشق میں اے میاں! دلِ بے نوائے سراج کو
نہ خطر رہا، نہ حذر رہا، جو رہی سو بے خبری رہی

خمسہ بر غزلِ قدرت

آہ یہ کس شعلہ رُو سے طبع اب مایوس ہے ۔۔۔ جو سپند آسا جگر اس آگ کا مانوس ہے
اور تپِ غم کی تپش، چہرے اُپر محسوس ہے ۔۔۔ کس کی نیرنگی یہ برقِ شعلۂ فانوس ہے
جو شرر دل سے اُٹھا، سو جلوۂ طاؤس ہے

بزم میں تیری صنم جس دم بہ چشمِ تر گئے　　مر گئے، پھر جی اُٹھے، تڑپا کیے، دُکھ بھر گئے
دیکھ تیرے عشق میں کیا کیا ہوا، اے گھر گئے　　صبر اور تسکین یاں سے کوچ کب کے کر گئے
اب وداعِ ننگ ہے، اور رخصتِ ناموس ہے

ہم نشیں، احوال اپنا کوئی کیا تجھ سے کہے　　آدمیت سے گئے، سودا ہوا، رسوا ہوئے
خود بہ خود، بے خود یہ، دل میں اب خیال اُٹھنے لگے　　کل ہوس اِس طرح سے ترغیب دیتی تھی مجھے
کیا ہی ملکِ روم ہے اور سرزمینِ روس ہے

جائیے جب واں تو کس راحت سے کیجے زندگی　　مثلِ گل کے نزہت و فرحت سے کیجے زندگی
سب طرح سے خرمی، حشمت سے کیجے زندگی　　گر میسر ہو تو کس عشرت سے کیجے زندگی
اِس طرف آوازِ دہل، اودھر صدائے کوس ہے

یہ خیالِ خام اپنے دل میں بندھتے تھے پڑے　　کھل رہے تھے عیش و عشرت کے طبیعت پر درے
جب زبانِ دل سے باہم یہ سخن ہونے لگے　　سنتے ہی عبرت پکاری، اک تماشا میں تجھے
چل دکھاؤں تو جو حرص و آز کا محبوس ہے

میں نے جانا، لے چلے گی یہ گلستاں کی طرف　　یا کنارِ آب، یا خرم بیاباں کی طرف
نہ وہ صحرا لے گئی، نہ باغ و بستاں کی طرف　　لے گئی یک بارگی گورِ غریباں کی طرف
جس جگہ جانِ تمنا سو طرح مایوس ہے

میں جو واں آیا تو اُس جا ڈھیر دیکھے خاک کے　　کوئی بے سایہ، کہیں سایہ، کسی پر کیکرے
اِتنے میں عبرت پکڑ کر ہاتھ میرے خوف سے　　مرقدیں دو تین دکھلا کر، لگی کہنے مجھے
یہ سکندر ہے، یہ دارا ہے، یہ کیکاؤس ہے

یہ وہ ہے جس کو کہ ہفت اقلیم دیتے تھے خراج　　یہ وہ ہے جس کو کہ ہفت افلاک سے اُترا تھا تاج
یہ وہ ہے جس کا فرشتے سے نہ ملتا تھا مزاج　　پوچھ تو اِن سے کہ مال و حشمتِ دنیا سے آج
کچھ بھی اِن کے پاس غیر از حسرت و افسوس ہے

مخمس

یوں تو اکثر اِدھر آجاتے ہیں انسان کئی   چاک ہو جاتے ہیں اُن پر سے گریبان کئی
پر کہوں کیا کہ بنا حُسن کے سامان کئی   ڈیرے سے آج جو نکلے بتِ ذی شان کئی
لے گئے صبر کئی ، دل کئی، ایمان کئی

اپنے ہم چشم تو یاں خون گئے ہیں رو رو   میں بھی لایا ہوں پر اس کام کو اب اِس حد کو
ایک شمّہ تو مرے رونے کا یہ ہے سن لو   اتنا رویا ہوں کہ اب لختِ جگر کے یارو
ڈھیر ہیں چشم سے لے تا سرِ دامان کئی

آہ جو جو گئے تھے حسرتِ دیدار میں مر   سب تڑپتے تھے وہ بے تاب زمیں کے اندر
آخرش ہو کے پریشاں، ہمہ تن چشم و نظر   اب تو ٹک مُنہ کو دکھا یار کہ نرگس بن کر
نکلے ہیں خاکِ چمن سے ترے حیران کئی

آوے گر بادِ صبا اُس کی گلی سے تو ملوں   سو تمنّا ہے میں نقشِ قدم آغوش میں لوں
چشمِ حیرت زدہ کو کفش کے نعلوں سے ملوں   اس کے دامن سے لگوں، پانو پڑوں، ساتھ چلوں
خاک ہوں تو بھی مرے جی میں ہیں ارمان کئی

مان کہنا مرا اے شوخ، ہٹیلے، چنچل   گو کہ اب بلبل و قمری میں پڑی ہیں ہل چل
مُنہ دکھانے میں غریبوں کے بس اتنا نہ مچل   آخر آیا ہے تو گلشن میں بھی ٹک اب تو چل
یاں بھی رہتے ہیں ترے چاک گریبان کئی

پان کھانا ہے ترا قتل کے عالم کا نشان   اور خوباں کی طرح اپنے تو ہنسنے کو نہ جان
دیکھ کہتا ہوں ستم گر مری اس عرض کو مان   پان کھا کھا نہ ہنس اس درجہ تو اے دشمنِ جان
ابھی بھر جائیں گے خوں میں لب و دندان کئی

جب سے اس شوخ کی ابرو نے کیا تیغ کو مات — بے گناہوں کے سر اوپر ہے نہایت آفات
اب کہوں کیا میں بھلا اس ستم و ظلم کی بات — نظر آتے ہیں مجھے اس کی گلی میں دن رات
ٹکڑے ٹکڑے کئی، بسمل کئی، بے جان کئی

یہ وہ جا گہ ہے کہ اس جا میں تو بن ٹھن کے نہ آ — اور جو آوے تو رقیبوں کے تئیں ساتھ نہ لا
آہ جاگیں گے تو پھر حشر کریں گے برپا — جان کر گورِ غریباں میں قیامت نہ مچا
ابھی سوئے ہیں ترے بے سرو سامان کئی

جب سے اُس خسروِ خوباں نے کیا مجھ کو اسیر — جی بھی ہے شاد مرا دل بھی ہے سو عیش پذیر
کیوں کے اس خاک نشینی کو نہ سمجھوں میں سریر — بادشہ کو نہ لکھا رقعہ کبھی جس نے نظیر
اس شہِ حسن کے آئے مجھے فرمان کئی

خمسہ

تھا ہجر میں جیسا دلِ ویراں تہ و بالا — ویسا ہی بسا وصل کا ہوتے ہی اُجالا
ہو چاہ کا رتبہ نہ بھلا کیوں کے دو بالا — پھر آن کے منت سے ملا ہم سے وہ لالا
المنتہُ للّٰہِ تقدّس و تعالےٰ

کچھ غم نہیں گر تو نے لہو میرا بہایا — بسمل کی طرح خاک میں اور خوں میں نہایا
ارمان جو کچھ دل کا مرے تھا سو بر آیا — کر قتل، مجھے تو نے ہمیشہ کو جِلایا
ظالم، تجھے جیتا رکھے اللہ تعالےٰ

اس عالمِ لیلیٰ کی ہوئی جب سے مجھے چاہ — تن سوکھ کے کانٹا ہوا اور مثلِ پرِ کاہ
اس حال کو پہنچا ہوں غم و درد سے واللہ — دیکھ اب تو مجھے ہر کوئی کہتا ہے یہی آہ
پھر قبر سے اللہ نے مجنوں کو نکالا

آنکھوں میں دم آیا ہے مرا نزع سے اب تو
دنیا سے گزرتا ہوں میں حسرت زدہ رو رو
اکھڑا ہے دم اور نکلے ہے جی اب کوئی دم کو
مر مر مجھے کہتا تھا، سو مرتا ہوں میں یارو
اب لاؤ، کہاں ہے وہ مرا کوسنے والا

غنچوں کی طرح مل کے لہو اپنے دہن سے
زخموں کے نشاں سب وہ نمایاں ہیں بدن سے
حسرت زدہ گھبرا کے ہر اک اپنے کفن سے
بن تختۂ گل آخرش اس خاکِ چمن سے
نکلا مرے قاتل کے شہیدوں کا رسالا

مرتا ہوں، تڑپتا ہوں پڑا ہجر میں اُس بن
دن عمر کے بھرتا ہوں شب و روز میں گن گن
مل جاوے کہیں تجھ سے وہ کافر جو کسی دن
قاصد، تو مرا نام تو لیجیو نہ، و لیکن
کہنا، کوئی مرتا ہے ترا چاہنے والا

اب فصلِ بہار آئی ہے دھوموں سے زمن میں
فرقت کے غم و درد سے طاقت نہیں تن میں
اور غل ہیں پڑے بلبل و گل سرو و سمن میں
کیا خاک اڑانے کو چلیں آہ چمن میں
نہ یار، نہ ساقی، نہ صراحی، نہ پیالا

مدت میں کہیں ایک تو آنا ہوا اُس کا
اور آتے ہی قسمت نے مری اس کو اٹھایا
رہ رہ کے مجھے اب تو یہی حیف ہے آتا
جیسا کہ وہ ہو مجھ سے خفا روٹھ چلا تھا
اللہ نے کیوں جب ہی مجھے مار نہ ڈالا

یہ نور جو برسے ہے پڑا کوچہ و در سے
یارو، یہ تجلّی تو نہ ہو شمس و قمر سے
دل دھڑکے ہے، دیکھا نہیں جاتا ہے نظر سے
شاید وہی بن ٹھن کے چلا ہے کہیں گھر سے
ہے یہ تو اُسی چاند سی صورت کا اُجالا

اُس شوخ سی صورت کو ترس رہتی ہیں آنکھیں
دریا کی طرح رات اور دن بہتی ہیں آنکھیں
فرقت کا جو ازبس کہ ستم سہتی ہیں آنکھیں
لے لے کے بلائیں مجھے یہ کہتی ہیں آنکھیں
صدقے ترے، پھر ایک نظر اُس کو دِکھا لا

ہے اُس کے تو چہرے پہ عجب رنگ چمکتا
پر رنگ وہ ایسا ہے کہ سمجھا نہیں جاتا
نہ سبز نہ سرخ اور نہ سفید اور نہ سنہرا
دل جانے ہے اُس رنگ کو جو رنگ ہے اُس کا
یوں کچھ ہی کہو وہ تو نہ گورا ہے نہ کالا

کل ہم نے جو کی بادہ کشی صبح سے تا شام
اور پی کے چلے ساتھ ستم گر کے کئی جام
اس رِند کا بھلا کیوں نہ اُسے دیجیے الزام
اوروں کو جو گرتے ہوئے دیکھا تو لیا تھام
ہم گر بھی پڑے تو بھی نہ ظالم نے سنبھالا

کیا کیا نہ ستم تو نے سہے عشق میں جاں کاہ
آنکھوں میں دم آیا ترا، تن غم سے ہوا کاہ
اب جینے کا تیرے کوئی چارہ نہیں واللہ
ہم تجھ سے اِسی روز کو روتے تھے نظیرؔ آہ
کیوں تو نے پڑھا عشق و محبت کا رسالا

خمسہ

چمن میں دن کو جو اک دو قدم وہ چلتے ہیں
تو پھول آنکھوں سے تلوے اُنھوں کے ملتے ہیں
خوشی سے غنچے بھی ہر شاخ پر اُچھلتے ہیں
وہ چاندنی میں جو ٹک سیر کو نکلتے ہیں
تو مہ کے تشت میں گھی کے چراغ جلتے ہیں

سحر کے نورِ تجلّی کے انتخاب کو دیکھ
اور اپنے پھیکے سے چہرے کی آب و تاب کو دیکھ
ہزار رشک سے عشرت کے پیچ و تاب کو دیکھ
چراغِ صبح یہ کہتا ہے آفتاب کو دیکھ
یہ بزم تم کو مبارک ہو، ہم تو چلتے ہیں

یہاں تلک ہیں یہ بے درد خوب رو دل بر
سب اپنے چاہنے والوں کے کاٹتے ہیں سر
غرض یہ ظلم تو دیکھا کیے ہیں۔ ہم اکثر
فدا جو دل سے ہیں یاں شوخ سبز رنگوں پر
یہ کافراں کی بھی چھاتی پہ مونگ دلتے ہیں

گلی میں یار کی، اے آہ کس طرح جاؤں　　　نہیں ہے اتنی بھی طاقت جو اک قدم رکھوں
نہ تن میں خون ہے باقی نہ تاب رگوں میں خوں　　　ہوا ہوں خشک میں یاں تک کہ حضرتِ مجنوں
یہ مجھ سے کہتے ہیں اور اپنے ہاتھ ملتے ہیں
ہمارے تم تو ہو ہم رنگ ظاہر و باطن　　　اُٹھائے تم نے بھی غم روز عشق کے گن گن
یہ التجا ہے ہماری کہ خوش ہو آج کے دن　　　کوئی تو پگڑی بدلتا ہے یار سے لیکن
میاں نظیرؔ، ہم اب تم سے تن بدلتے ہیں

مخمّس

ہے دید فقط منظور جنھیں، وہ ہو کر جب بے کل نکلے
آ پہنچے اس کے کوچے میں، جو لے کر دل چنچل نکلے
کیا کام انھیں جو ہنس بولے یا شوخی میں اچپل نکلے
ہے مقصد جن کے دیکھے سے، وہ گھر سے جب اک پل نکلے
ٹک دیکھ لیا، دل شاد کیا، خوش وقت ہوئے اور چل نکلے

نے پوچھا اُن سے کون ہو تم، نہ اپنے جی کی بات کہی
نہ کرنا کچھ انکار پڑا، نہ کہنا ٹھہرا، یوں ہی سہی
جب چھوڑی خواہش بوسے کی پھر کاہے کو دشنام سہی
جب سمجھ ہو گئے، چنچل ہے، سب چھوڑ ہوس یہ بات کہی
ٹک دیکھ لیا، دل شاد کیا، خوش وقت ہوئے اور چل نکلے

بے چین ہوا دل سینے میں گر دیکھنے میں کچھ دیر ہوئی
گھبرا کے نکلے بے بس ہو اور شوق کی گھیرا گھیر ہوئی
بازار گلی اور کوچے میں ہر ساعت ہیرا پھیر ہوئی
تھی چاہ نظر بھر دیکھنے کی، جس جاگہ پر مٹ بھیڑ ہوئی
ٹک دیکھ لیا، دل شاد کیا، خوش وقت ہوئے اور چل نکلے

نہ خواہش پاس بٹھانے کی، نہ حاجت زلف کھلانے کی
نہ غرض مسی کے ملنے کی، نہ حجت پان چبانے کی
ہے جی میں چاہ بھری ایسی جوں شمع سے ہو پروانے کی
جس جاگہ پر مٹ بھیڑ ہوئی، ہے طرز یہی مل جانے کی
ٹک دیکھ لیا، دل شاد کیا، خوش وقت ہوئے اور چل نکلے

بے تابی دل کے بیچ رکھی، نہ خاطر رنج آیات رکھی
نہ کام رکھا مل بیٹھنے سے، نہ اور مطلب کی گھات رکھی
اک حرف نہ لائے ہونٹوں پر، دھن دیکھنے کی دن رات رکھی
جب سامنے آ گئے دل بر کے، منظور یہی اک بات رکھی
ٹک دیکھ لیا، دل شاد کیا، خوش وقت ہوئے اور چل نکلے

اک آن نہیں کل پڑتی ہے ہر آن کی چھینک لانے میں
نہ داخل جھڑکی کھانے میں، نہ شامل ناز اُٹھانے میں
نہ ایما نہ تصریح رہی، کچھ دل کا حال جتانے میں
بس ایک غرض یہ رکھتے ہیں اس تک آنے جانے میں
ٹک دیکھ لیا، دل شاد کیا، خوش وقت ہوئے اور چل نکلے

ہے حسن بھی اُس کا ناز بھرا اور آن ادا بھی پائی ہے

سر پانو سے لے اُس چنچل میں، سو زینت اور زیبائی ہے
جب گھر سے وہ دل بر نکلے ہے، دل دیکھنے کا شیدائی ہے
ہم کو تو نظیرؔ اِس اُلفت میں اب طرز یہی خوش آئی ہے
ٹک دیکھ لیا، دل شاد کیا، خوش وقت ہوئے اور چل نکلے

مخمّس

کیا تو نے حال اُس سے مرے درد کا کہا؟ اور میرے انتظار کا کیا ماجرا کہا؟
رنجِ فراق کچھ نہ کہا تو نے یا کہا؟ قاصد صنم نے خط کو مرے دیکھ کیا کہا؟
حرفِ عتاب یا سخنِ دل کُشا کہا

آتا ہے ہَول اب تو مرے دل میں ہو بہو صبر و قرار ہوتے ہیں خاطر سے ایک سو
جس جس طرح کی باتیں ہوئیں تیرے رو برو تجھ کو قسم ہے یکجو نہ پوشیدہ مجھ سے تو
کہیو وہی جو اُس نے مجھے برملا کہا

میں تو کمال ہجر میں ہوں اُس کے بے قرار دن رات اس کے آنے کا رکھتا ہوں انتظار
جلدی سنا مجھے جو ہوا تجھ پہ آشکار قاصد نے جب تو سُن کے کہا کیا کہوں میں یار
پہلے تو مجھ کو اُس نے بہت ناسزا کہا

ماتھا ہوا مرا عرقِ شرم میں ہم سنتا رہا میں جو جو کہا اُس نے بیش و کم
غصّے کی باتیں کہہ چکا جب مجھ سے وہ صنم پھر تجھ کو سو عتاب سے جھنجلا کے دم بہ دم
کیا کیا کہوں میں تجھ سے کہ کیا کیا بُرا کہا

سر نامہ خط کا دیکھتے ہی کھا کے پیچ و تاب نامے کو دور پھینک دیا ہو کے پُر عتاب

اور یوں کہا کہ جاؤ یہی خط کا ہے جواب ۔ اس کا مزہ چکھاؤں گا جا کر اُسے شتاب
رہ رہ اِسی سخن کے تئیں بار ہا کہا

میرے جو ہوش سنتے ہی اِس بات کے اُڑے ۔ گھبرا کے جلدی میں نے قدم راہ میں رکھے
آیا ہوں پر شتاب خبر کرنے کو تجھے ۔ میری تو کچھ خطا نہیں، تو ہی سمجھ اِسے
بے جا کہا یہ اس نے تجھے یا بجا کہا

تجھ پر تو اُس نگار کی خو تھی سب عیاں ۔ کیوں نامہ لکھ کے تو نے کیا دردِ دل بیاں
اب آن کر کرے گا وہ کیا کیا خرابیاں ۔ کہتا تھا میں تجھے کہ نہ بھیج اس کو خط میاں
لیکن نظیرؔ، تو نے نہ مانا مرا کہا

خمسہ بر غزلِ فغاںؔ

دل دیتا ہوں یارو، مجھے الزام نہ ہووے
اس کام کا آخر کو بد انجام نہ ہووے
یہ عشق مرا گوشزدِ عام نہ ہووے
ڈرتا ہوں محبت میں مرا نام نہ ہووے
دنیا میں الٰہی کوئی بدنام نہ ہووے

گر یار مرے قتل کو آیا ہے ترا دل
بہتر ہے، میں حاضر ہوں، ولے کچھ نہیں حاصل
گر یوں ہی ارادہ ہے، تو مت چھوڑ تو بسمل
شمشیر کوئی تیز سی لانا مرے قاتل
ایسی نہ لگانا کہ مرا کام نہ ہووے

پردہ جو ترے غم کا اگر دل سے اٹھاؤں
اِک آہ میں سو برق کے سینے کو جلاؤں
نالہ وہ کروں کوہ بھی جاگہ سے ہلاؤں
گر صبح کو چاک اپنے گریباں کا دکھاؤں
اے زندہ دلاں حشر تلک شام نہ ہووے

اپنا تو، نظیرؔ، ایک ستم گر ہے پری رو
پائی تھی صبا نے بھی نہ اُس گل کی کبھی بو
سو اُس کو بھی دل دے کے کیا ہم نے بہ یک سو
جی دیتا ہے بوسے کی توقع پہ فغاںؔ تو
ٹک دیکھیو سودا یہ ترا خام نہ ہووے

خمسہ بر غزلِ اصغرؔ

وہ رنگ کہیں لعلِ بدخشان میں آیا
نیلم میں کہیں، گوہرِ غلطان میں آیا
یاقوت میں، الماس میں، مرجان میں آیا
جب حسنِ ازل پردۂ امکان میں آیا
بے رنگ بہ ہر رنگ، ہر اک شان میں آیا

بُو ہو کے ہر اک پھول کی پتی میں بسا ہے — موتی میں ہوا آب ستاروں میں ضیا ہے
تنہا نہ ہمارے ہی وہ شہ رگ سے ملا ہے — نزدیک ہے وہ سب سے جہاں اس سے بھرا ہے
جب چشم کھلی دل کی تو پہچان میں آیا

کیا قمریِ دل سوختہ کیا بلبلِ نالاں — کیا باغ، چمن تختے کا، کیا زیرِ خیاباں
سب مل کے یہی بات پکاریں ہیں ہر اک آں — گل بھی وہی، سنبل وہی، نرگس، وہی ریحاں
اپنے ہی تماشے کو گلستان میں آیا

کیا ارض و سما، حور و ملک، دیو، پری، جن — کیا وحشی و طائر، نہیں اک دم کوئی اُس بن
ہر رات یہی بات، یہی ذکر ہے ہر چھن — اول وہی، آخر وہی، ظاہر وہی، باطن
مذکور یہی آیتِ قرآن میں آیا

آ کر کہیں دیتا ہے وہ سینے میں لگا آگ — اور حال کہیں کرتا ہے لا منہ کے اُپر جھاگ
جو اُس کے شناسا ہیں یہی کہتے ہیں بے لاگ — مطرب، وہی آواز، وہی ساز، وہی راگ
ہر راگ میں بولا وہ ہر اک تان میں آیا

کیا چمپئی، کیا پستئی، کیا اخضر و احمر — کیا سوسنی، کیا کشمشی، کیا ابیض و اصفر
اب مثلِ نظیرؔ، اس چمنِ دہر کے اندر — بے رنگ کے رنگوں کو ذرا دیکھ لے اصغر
سو طرح کے عالم کے خیابان میں آیا

خمسہ بر غزلِ مولانا سعدیؒ

کل ہم جو گئے باغ میں ٹک لطف اُٹھانے — اور دل کو لگے سیر گلستاں کی دکھانے
اتنے میں کہوں کیا تجھے، اے یارِ یگانے — بر بود دلم در چمنے سرو روانے
زریں کمرے، سیم برے، موے میانے

وہ شوخ کہ عالم میں نہ دیکھا ہو کسی نے
وہ حُسن کہ نے حور نے پایا نہ پری نے
کیا تجھ سے کہوں اس کی میں خوبی کے قرینے
خورشید رخے، ماہ وشے، زہرہ جبینے
یاقوت لبے، سنگ دلے، تنگ دہانے

گل فام، مگی اندام، دل آرام، نکوئے
دل دار، دل آزار، جفاکار، دو روئے
آہو صفتے، کبک تگے، عنبریں موئے
بے داد گرے، کج کلہے، عربدہ جوئے
شکّر شکنے، تیر قدے، سخت کمانے

ابرو، خمِ طاقِ حرم و زلف، کنشتے
قد، رنجِ دلِ طوبیٰ و رخ رشکِ بہشتے
تِل، نقشِ سویدائے دل اور خط، لبِ کشتے
جادو نظرے، عشوہ گرے، حُسن سرشتے
آسیب دلے، رنج تنے، آفتِ جانے

وہ رُخ کہ ہر اک شوخ پری زاد کو شہ دے
وہ زلف کہ سنبل جسے بے تاب ہو کہ دے
گر حور بھی دیکھے تو اُسے جان میں رہ دے
عیسیٰ نفسے، خضر رہے، یوسفِ عہدے
جم مرتبہ، تاجورے، شاہ جہانے

کیا اُس کی میں تعریف کہوں حُسن و ادا کی
ہے ختم دو عالم کی اُسی شوخ پہ خوبی
پھر مثلِ نظیر اُس بتِ رعنا سے لگا جی
بے زلف و رُخ و لعلِ لبِ او شدہ سعدی
آہے و بخارے و غبارے و دخانے

خمسہ بر غزلِ امیر خسرو

کب لالہ و گل کر سکیں، عارض سے تیرے ہمسری
قد سے خجل سروِ سہی، رفتار سے کبکِ دری
محبوب تجھ سے سیکھ لیں، ناز و ادا و دل بری
اے چہرۂ زیبا ہے تو، رشکِ بتانِ آذری
ہر چند وصفت می کنم، در حُسن زاں زیبا تری

ہے شور تیرے حسن کا، لے کر زمیں سے چرخ تک — دن رات صورت کو تری شمس و قمر رہتے ہیں تک
دیکھے ہے جو تیرے تئیں، کہتا یہی ہے یک بہ یک — تا نقش می بندد فلک، کس را نہ دیدست ایں تک
حوری نہ دانم یا ملک، فرزندِ آدم یا پری"

تیرا رخ اے رعنا صنم، بھر کر نظر دیکھے ہے جو — کھودے ہے وہ ایمان کو، باندھے ہے وہ زنار کو
دیوانے تیرے عشق میں، دل سے نہیں کچھ ایک دو — عالم ہمہ یغمائے تو، خلقِ جہاں شیدائے تو
ایں نرگسِ رعنائے تو، آوردہ رسمِ کافری

ہے خلق و خوبی میں بھرا، اس طور سے وہ نازنیں — بہزاد و مانی دیکھتے، تو ہوتے وہ حیرت قریں
گر اس بیاں کی راست کا ہے کچھ نہیں تجھ کو یقیں — صورت گرِ زیبائے چیں، رو صورتِ یارم ببیں
یا صورتے کش ایں چنیں یا ترک کن صورت گری

ہیں خلق میں ہر سو عیاں، رنگیں ادا زیبا صنم — گل گوں قبا نازک بدن، سو زیب و زینت سے بہم
کی غور تو سچ ہے یہی، مجھ کو محبت کی قسم — آفاقہا گردیدہ ام، مہرِ بتاں ورزیدہ ام
بسیار خوباں دیدہ ام، لیکن تو چیزے دیگری

آیا نظر جس روز سے، تجھ سا شکر لب، مہ لقا — ابرو کماں، جادو نظر، شیریں سخن ور عشوہ زا
اپنے وطن کو چھوڑ کر، مثلِ نظیرِ مبتلا — خسرو غریب است و گدا، افتادہ در شہرِ شما
باشد کہ از بہرِ خدا، سوئے غریباں بنگری

خمسہ بر غزلِ حافظ رح

تھا جو از بس کہ میں عصیاں میں خراب آلودہ — طاعتِ مکر سے رہتا تھا حجاب، آلودہ
اہلِ تقوا کا سمجھ دانہ و آب آلودہ — دوش رفتم بہ درِ میکدہ خواب آلودہ
خرقہ تر دامن و سجادہ شراب آلودہ

لے گیا شوق جو واں سب کو اُٹھا دوش بہ دوش
جاتے ہی در پہ گرا پیرِ مغاں کے مدہوش
دیکھ کر مجھ کو پڑا خواب میں غفلت کے خموش
آمد افسوس کناں مغبچۂ بادہ فروش

گفت بیدار شوائے رہرو خواب آلودہ

جب میں جاگا تو کہا اُس نے بہ شیریں سخنی
یعنی ہے جان تری عشقِ مجازی کی بنی
دور کر دل سے یہ غفلت جو ہے خوباں کی جُنی
درہوائے لبِ شیریں دہناں چند کنی

جوہر روح بہ یاقوتِ مُذاب آلودہ

اے ہوسناک یہ ہے مےکدۂ قدس مقام
بیٹھے مستانِ ازل کرتے ہیں یاں شُربِ مدام
تو بھی وہ مے جو پیا چاہے تو اے نیک انجام
شست وشوئے کن وانگہ بخرابات خرام

تا نگردد ز تو ایں دیرِ خراب آلودہ

گر تجھے عشقِ حقیقی نے ہے کچھ دی توفیق
تو تو سیکھ آن کے یاں اہلِ طریقت کا طریق
ایک ادنا سا یہ اُس عشق کا نکتہ ہے دقیق
آشنایانِ رہِ عشق دریں بحرِ عمیق

غرق گشتند و نہ گشتند بہ آب آلودہ

یہ وہ دریا نہیں تو جس میں کرے آکے شنا
یہ تو ہے معدنِ انوار و یقیں صدق و صفا
گر تو چاہے کہ یہاں آوے تو اے غرقِ ریا
پاک وصافی شو واز چاہِ طبیعت بدر آ

کہ صفائے ندہد آبِ تراب آلودہ

ہم تو پھرتے ہیں، نظیرؔ عشق میں اب خانہ بدوش
کل عجب طرح کا اک نکتہ ہوا گوہر گوش
کچھ جو حافظؔ نے کہا یار سے ہو دوش بہ دوش
گفت حافظؔ بردایں نکتہ بیاراں مفروش

آہ! ازیں لطفِ بانواعِ عتاب آلودہ

فرہنگ

(الف)

آبی: آب + ہی۔
یہ مٹکے میں آبی ہے : مٹکے میں پانی نہیں۔

آت گھات: اس میں آت، گھات کا تابعِ مہمل ہے۔
گھات: موقع، فریب، دھوکا، چال۔

آسا: طرح۔ مانند۔

آکھ: مدار کا درخت۔

آنند: خوشی۔

آہنگ: آواز، نغمہ، ارادہ، انداز۔

اَبجد: حروفِ تہجّی، ا۔ب۔ت۔ وغیرہ۔
حروفِ تہجّی سے بنائے گئے آٹھ لفظ، جن میں ہر حرف کے عدد مقرر ہیں۔

اَبجد داں: حروفِ ابجد یا طریقۂ ابجد کو جاننے والا۔ الف بے جاننے والا، بہت معمولی پڑھا ہوا۔

اَبدال: اولیاء اللہ کا ایک خاص گروہ۔ صوفیوں کا قول ہے کہ ہر زمانے میں ستّر اَبدال ہوتے ہیں۔ چالیس اَبدال ملکِ شام میں رہتے ہیں۔ اور باقی اور مقامات پر، جہاں کا انتظام اُن سے متعلق ہوتا ہے۔

اَبرَن : زیور ۔ ہندستان میں بارہ ابرن سولہ سنگھار مشہور ہیں جو پورا بناؤ سنگار
سمجھا جاتا ہے ۔ بارہ ابرن : بارہ جگہ پہننے کے زیور ۔

اَتیت : ہوا و ہوس سے بے نیاز ۔ ایک طرح کے سادھو جو بھیک مانگتے پھرتے ہیں ۔

اَٹاری : چھایا ہوا اوپر کا کمرہ ۔ کوٹھا ۔ بالاخانہ ۔

اَٹّے : اوپر کی منزل ۔ اٹاری ۔

اَچپَل : شوخ ، چلبلا ۔

اَدھار : خوراک ۔ اِتنی غذا جس سے بھوک تو جاتی رہے مگر سیری نہ ہو ۔

اَدَھر : وہ چیز جو کسی پر ٹِکی ہوئی نہ ہو ۔ زمین سے الگ ، بے سہارے ۔

اَدھن : وہ پانی جو دال ، کھچڑی وغیرہ پکانے کے لیے پہلے جوش کیا جاتا ہے ۔
مجازاً : گرم پانی ۔

اَرداس : عرضداشت کی بدلی ہوئی شکل ۔ درخواست ، گزارش ۔

اَرض وسما : زمین آسمان ۔

اَزرق : نیلا ۔

اُسارا : سایبان ، چھپّر ، برآمدہ ۔

اَستھَل : فقیروں کے رہنے کی جگہ ۔ ہندو فقیروں کی خانقاہ ۔

اَظلَم : بہت زیادہ ظالم ۔

اَفسر : تاج ۔

اِکسیر : کیمیا ۔ وہ چیز جس سے تانبے کو سونا اور رانگے کو چاندی بنایا جا سکے ۔
کسی مرض کے لیے نہایت مفید اور فوراً اثر کرنے والی دوا ۔

الکھ : جو دیکھنے میں نہ آئے ۔

الکھ رُوپ : جس کا روپ ظاہر نہ ہو ۔

اَنبوہ : بھیڑ۔ ہجوم۔
اَنُت : انجام، آخر، نتیجہ۔
اِنُسیاں : انسان،
اِنُصرام : انتظام، بندوبست۔
اَوتار : کسی دیوتا کا انسانی پیکر میں ظہور۔

(ب)

بادلا : سونے اور چاندی کے چپٹے تار، جو گوٹا بُننے اور کلابتون بٹنے کے کام آتے ہیں۔ زری کا کپڑا جو ریشم اور چاندی کے تاروں سے بُنا جاتا ہے۔
بارانیاں : بارانی کی جمع : برساتی۔ وہ کپڑا جو بارش میں پانی کا بچاؤ کرے۔
باری : خدا کا نام۔ پیدا کرنے والا۔
باڑی : رہنے کی جگہ۔ باغیچہ۔ چھوٹا سا چمن جو مکان کے اندر لگاتے ہیں، پائیں باغ۔
باقرخانی : ایک قسم کی روغنی [illegible] میدے کی روٹی جو شکر اور دودھ ملا کر، تنور میں پکائی جاتی ہے۔ یہ شیرمال کی ایک قسم ہوتی ہے۔
بالکا : لڑکا۔ مجازاً : چیلا۔
باو : ہوا۔
باوَر : یقین۔
بَٹا : زیور رکھنے کا ڈبا، ڈبیا یا صندوق۔
بَٹ مار : لٹیرا۔ ڈکیت۔
بَٹیا : کلابتون بٹنے والا۔
بجرا : ایک قسم کی کشتی کا نام۔
بخشی : فوج کی تنخواہ تقسیم کرنے اور حساب کتاب رکھنے والا۔

بَدّھی : پھولوں کا ہار ۔

بُرج : آسمانی دائرے کا بارھواں حصّہ ۔ علمِ ہیئت والوں نے، ستاروں کی چال اور اُن کے مقامات کو سمجھنے کے لیے، آسمان کے بارہ حصّے کیے ہیں اور ہر حصّے میں جو ستارے واقع ہیں، اُن کی کوئی شکل فرضی قائم کر کے، اُس حصّے کا وہی نام رکھ لیا ہے ۔

بُرجِ اَسَد : (اسد : شیر) آسمان کا وہ حصّہ جس میں چند ستارے مل کر شیر کی شکل میں واقع ہیں ۔

برجیس : ستارے کا نام جو چھٹے آسمان پر ہے۔ اس کو مُشتری اور قاضیِ فلک بھی کہتے ہیں ۔

بِرچھ : درخت ۔

بُرد : شطرنج میں جب کوئی مُہرہ کسی بادشاہ کے ساتھ نہیں رہتا اور صرف بادشاہ ہی رہ جاتا ہے، تو وہ بازی بُرد کہلاتی ہے اور آدھی مات سمجھی جاتی ہے ۔

بَرَن : رنگ ۔ بھیس، روپ، لباس ۔

بِرَہ : جُدائی ۔ فراق ۔

بِرہَن : فراق کی ماری ہوئی عورت ۔ برہ کی ماری ۔

برہنوں : برِہن کی جمع ۔

بُستاں : بوستاں کا مخفف ۔ باغ ۔

بَسیکھا : خاصیت،

بُقچہ : کپڑے رکھنے کی گٹھری ۔

بکتر : زرہ، لوہے کی کڑیوں کا بنا ہوا جامہ جسے لڑائی میں پہنتے تھے ۔

بَنَت : کپڑے کی لمبی پٹ پر سونے چاندی کے یا سنہرے روپہرے تاروں کا کام ۔

بَند : قید، جادو۔
بَنگڑی : کانچ کی بل دار چوڑی۔
بوچا : ہوادار : امیروں کی ایک سواری، جسے کہار اُٹھاتے ہیں۔
بھانڈا : مٹی کا بڑا برتن، گھڑا، مٹکا۔
بھالو : بھالویں : اثر، خیال، توجہ۔
بھبھوکا : شعلہ، نہایت سرخ، لال انگارا، سرخ لباس پہنے ہوئے۔ دہکتا ہوا،
بے حد گورا چٹا۔ بہت چمکدار۔
بھَرن : بہت زور کی بارش۔
بھگت : بھگوان کے بھجن میں لگا رہنے والا۔
بھگتی : عابد و زاہد، پرستش کرنے والا۔
بھَوَیّا : ناچنے والا۔ بھاو بتا بتا کر ناچنے والا۔
بَید : ویدک طریقے سے علاج کرنے والا۔ وید۔
بیل : (یائے مجہول) نچھاور (کی رقم)، جو شادی کی محفل میں دولھا دلھن کے سرے
اُتار کے مبارک باد گانے والوں کو دی جاتی ہے۔
مجازاً : آل اولاد۔ نسل۔ ناو کھینے کا بانس۔
بین : ستار کی قسم کا ایک باجا ہے، جس کے دونوں طرف تونبے ہوتے ہیں۔
بینی : ناک۔

(پ)

پال : چھوٹا سا خیمہ جس میں اکثر سپاہی رہتے ہیں۔
پت : آبرو۔
پتّا توڑ کے بھاگنا : جلدی بھاگنا، فوراً چل دینا۔

پُھٹکل : تنہا، جُدا۔

پدرِّی : پدّی، پھُدکی۔ ایک چھوٹی سی چڑیا، جسے بچّے اکثر پالتے ہیں۔

پُرا : محلّہ۔

پُران: ہندوؤں کی وہ اٹھارہ مقدس منظوم کتابیں، جن میں دیوتاؤں کی کتھائیں، قدیم مذہبی واقعات، تخلیقِ کائنات، فنا، اور دوسرے بہت سے موضوعات مذکور ہیں۔

پَرتل: سوار کا سامانِ سفر جو بَیل یا ٹٹّو پر چلتا ہے۔ ایسے ٹٹّو کو، پَرتل کا ٹٹّو کہتے ہیں۔

پرنمک : وہ حُسن جس میں ملاحت ہو، سانولے رنگ کا۔

پَرِیکھا : پرکھ، آزمایش، امتحان۔ تجربہ، افسوس۔ سوچ بچار۔

پِشواز: لہنگے کی وضع کی پوشاک، خاص طو سے ناچنے کے وقت کی گھیر دار پوشاک، جو عموماً طوائفیں پہنا کرتی ہیں۔

پکھیرو : پرندہ۔

پَیکا : وہ رسّی جو بَیل کے گلے یا پانو میں ڈالی جاتی ہے، پچھاڑی۔

پَلّا : ٹاٹ کا بڑا تھیلا (بورا) جس میں غلّہ وغیرہ رکھتے ہیں۔

پَن : عُمر، زمانہ۔

پنجتن پاک : رسول اللہؐ، حضرت فاطمہؓ، حضرت علیؓ، حضرت حسنؓ، حضرت حسینؓ۔

پوتھ : کانچ کے سوراخ دار چھوٹے چھوٹے دانے جو موتیوں کی طرح ہوتے ہیں۔

پوتھی: کتاب۔ مذہبی کتاب۔

پُولا (واوِ مجہول): گھاس کا مُٹھّا۔ کانس یا چھپّر کے پھوس کا گدّا۔

پُولے تلے گزارا کرنا : مفلسوں کی طرح تنگی سے زندگی بسر کرنا۔

پھر مانگو: سائل سے اُس وقت کہتے ہیں جب کچھ دینا منظور نہیں ہوتا۔

پھُل جھڑی: جس سے پھول جھڑیں، یہاں غالباً مراد ہے پھولدار کپڑے سے (نظم: شب برات)

پھول : مسلمان مُردوں کے تیسرے دن کا فاتحہ، تیجا، سوم۔
ہندوؤں کے مُردوں کی ہڈیاں، جو جل جانے کے بعد چُن کر، گنگا جی میں بہانے کے واسطے بھیجی جاتی ہیں۔

پیپڑ بلی : بلی کے معنی ہیں بہادر۔ غالباً یہاں مراد ہے بہت بڑے تناور درخت سے۔

پیش قبض : خنجر، چھُرا،

پیک : قاصد۔ ڈاک لے جانے والا ہرکارہ۔

پینٹھ : گانو کا بازار۔ آٹھویں دن کا بازار جو قصبات میں لگا کرتا ہے۔

(ت)

تاش : ایک قسم کا زری کا کپڑا، جس کا تانا ریشم کا، اور بانا زری کا ہوتا ہے۔ زربفت۔

تال : مَنجیرے کی جوڑی، دو پیتل کی چھوٹی کٹوریاں جو طبلے یا ڈھولک کے ساتھ بجاتے ہیں۔

تجرید : تنہائی، علاحدگی۔ مجازاً ترکِ دنیا۔

تحیّر : حیرت، تعجب۔

ترسول : تین شاخوں والا بھالا، بھگوان شِو کا خاص ہتھیار۔

تکثیر : کثرت، زیادتی۔

تکلیاں : تکلی کی جمع، وہ لکڑی جس پر ریشم چڑھاتے ہیں، ریشم کی رِیل۔

تِل : ذرّہ، بہت کم مقدار۔

تِل میں : اک ذرا دیر میں، پل بھر میں۔

تنگ : گھوڑے کی زین کسنے کا تسمہ۔

تنگری : خدا۔

تونبڑی : چھوٹا کشکول جو فقیروں کے پاس ہوتا ہے ۔
تھانگ : پتا ۔ سُراغ ۔ کھوج ۔ سازش ۔ چوروں کی گھات ۔
تِھیوا : تانبے یا پیتل کا ٹکڑا ، جس پر مُہر کھودی جائے ۔ انگوٹھی کا گھر جس میں نگینہ یا مُہر جڑی جائے ۔
تین کانے : وہ تین نقطے جو چوسر کے تین پانسوں میں ایک ایک ہوتا ہے ۔ جب پانسے پھینکنے سے داؤں میں یہ تینوں صفر آن کر پڑتے ہیں تو وہ داؤں گھٹ کا خیال کیا جاتا ہے ۔ اسی وجہ سے ناکامیابی اور نامرادی کے موقع پر اس کا استعمال ہوتا ہے ۔

(ٹ)

ٹک : ذرا ، کچھ
ٹکور : نوبت یا نقّارے کی آواز ۔
ٹکیا : تمباکو کی گول ٹکیا جو چلم میں رکھتے ہیں ، سلفے کے خلاف ۔ یہاں مراد ہے چرس ، گانجے وغیرہ سے ۔ (ہولی کی بہاریں)
ٹونٹا : بانس کا ٹکڑا ، ایک قسم کی آتش بازی ۔
ٹھاٹھ : بانس کا چوکھٹا ، ڈھانچا ، ڈھنگ ، انداز ، شان و شوکت ، آرایش ۔
ٹھٹھ : مجمع ، بھیڑ ۔
ٹھٹیرے : جوار باجرے کی ٹکڑیاں ۔

ج

جاضرور : پاخانہ ۔
جَد : جب ۔
جَدوَل : وہ خط (لکیر) جو صفحے کے آخر پر سرخ یا سیاہ کھینچا جائے ۔ صفحے کے چاروں طرف

کے خطوط۔

جَس : وصف، ذاتی جوہر، تاثیر، برکت۔

جُگ : چوسر کے کھیل میں دو گوٹوں کا ایک ہی خانے میں اکٹھا بیٹھنا (چوسر کے قاعدے کے مطابق جب تک دو گوٹیں ایک خانے میں رہتی ہیں، اُن کو مار نہیں سکتے۔)

جُگنو : گلے کا ایک زیور۔ اودھ میں جگنو، پنجاب میں دگدگی (دھکدھکی) اور بعض مقامات میں اُربسی اور چوکی کہتے ہیں۔ شکل میں ستارے کی وضع کا اور وسعت میں ڈیڑھ دو انچ قطر کا۔ عام طور سے جڑاو بنایا جاتا ہے اور اس میں ایسے شوخ رنگ اور چمک دار نگینے لگائے جاتے ہیں، جو اندھیرے میں روشنی پڑنے سے جگمگائیں۔

جِلَو : لگام۔ وہ خالی گھوڑا جو سواری کے ساتھ صرف زینت کے لیے سجا کر لے جاتے ہیں۔ سواری کے ساتھ کا ٹھاٹھ، باجا گاجا، بھیڑ بھاڑ۔

جَم دَھر : ایک قسم کا خنجر۔ چھُری۔

جَنگم : شِو کو ماننے والے ایک فرقے کے گروؤں کا لقب۔ اِس فرقے کو لِنگایَت کہا جاتا ہے۔

جَنوائی : (نون غنہ) داماد۔

جُوجرا : استعمال کیا ہوا برتن۔

جوگی : یوگی: حقیقتِ مطلق تک پہنچنے کے لیے جسمانی اور روحانی ریاضتیں کرنے والا۔ جو دُنیا سے مُنہ موڑ کر، بھگوان کی یاد میں ڈوب جائے۔

ناتھ فرقے میں، جنگم نام کا شِو کو ماننے والا سادھو۔ اِس فرقے کے اکثر گرہستی لوگ، جو سارنگی پر بھجن گا کر بھیک مانگتے ہیں۔

جھاڑ : بھیڑ۔

جھانکی : سوانگ، تماشا۔ جھروکا۔ دریچہ۔

جھَپّان : ایک طرح کی عماری نما پالکی، جس کا سرد پہاڑوں پر رواج ہے۔

جھجّر : بڑی صُراحی۔ مٹی کا صُراحی نما ظرف۔

جھنجھاڑ : جھجھ : بڑی گھنی داڑی۔ جھجھاڑ : لمبی گھنی داڑھی والا۔ داڑھی کی طرح گنجان، گھنا۔

جھرنا : تاج گنج سے ٹونڈے تک تیر کر جاتے ہوئے، درمیان میں ایک مقام پڑتا ہے جس کو جھرنا کہتے ہیں، وہاں ایک پُل بنا ہوا ہے۔ جسے جھرنے کا پُل کہتے ہیں (روحِ نظیر

جُھگا : لباس، اوپر پہننے کا کپڑا، کفنی۔ (تگا : تاگا اور اس سے مراد وہ ڈورا ہے جسے نفیر گلے میں پہنتے ہیں اور جسے سیلی کہتے ہیں؛

جھگا تگا : فقیری لباس مع کفنی و سیلی۔

جھمک : جھلک، چمک، رونق۔

جھنکائی : جھنکاری۔ کوڑی پھینکی۔

مکاں لیپ کے، ٹھلیا جو کوری رکھوائی
جلا چراغ کو، کوڑی وہ جلد جھنکائی

جِھینکنا : پچھتانا۔ اپنی مصیبت کو بیان کرنا۔ ماتم کرنا۔

(چ)

چار بند : چاروں سمتیں۔ ہر ایک جوڑ، ہر ایک عضو۔

چار بند کی فصد لینا : وہ فصد لینا جس میں اُن رگوں سے خون نکلتا ہے جو پُشت کے چاروں طرف ہیں۔

چاہِ زنخداں : ٹھڈی کا گڑھا۔

چتّرا : چالاک، ہوشیار، عیّار، تجربہ کار، سمجھ دار۔ ہنر مند، باسلیقہ۔

چٹپٹے : چٹّا، چاٹ سے ماخوذ ہے۔ وہ غذا جو معمولی غذا کے علاوہ تبدیلِ ذائقہ کے لیے پکاتے ہیں جیسے فیرنی (شہباز)

چلّا : چالیس دن کا جاڑا، جو پوس کے مہینے سے شروع ہو کر، سوا مہینے تک خوب زور

سے پڑتا ہے۔

چِلّا : کمان کی تانت کے اُس سرے پر جو کمان سے بندھا نہیں ہوتا، ایک چھلّا چمڑے یا لکڑی کا لگا ہوتا ہے، جسے کمان کے گوشے پر چڑھا لیتے ہیں۔

چِلّہ : چالیس دن کا عرصہ۔ چالیس دن تک گوشے میں بیٹھ کر وظیفہ پڑھنا۔

چَلَپک : پوری۔

چِلَک : چمک دمک، روشنی،

چِلکا : چاندی کا سکّہ۔

چِلکنا : چمکنا، روشن ہونا۔

چَمَتکار : معجزہ، کرشمہ۔

چَنڈول : ڈولا۔

چُنّی : سُرخ چھوٹا سانگ جو اکثر نتھ کے موتیوں کے درمیان ڈالتے ہیں۔ لالڑی۔ ریزۂ یاقوت۔

چَوبارہ : مکان کے اوپر کا کمرہ جس کے چار دروازے یا چاروں طرف کھڑکیاں ہوتی ہیں۔ گرمی میں رہنے کا گھر۔

چَوپَڑ : چوسر، دیکھیے نرد۔

چَوپہلا : ایک طرح کا ڈولا۔

چُونی : وہ موٹا موٹا آٹا جو دال کو دلنے سے نکلتا ہے۔

چھتّا : پٹا ہوا راستہ۔ دور تک کا پٹا ہوا راستہ۔

چھَل : دیوار کا کوئی ٹکڑا جو گر گیا ہو۔ دیوار کی چند گری ہوئی اینٹیں۔

چیرا : ایک طرح کی رنگین اور منقش پگڑی۔

(ح)

حاذِق: ماہر، کامل۔
حد افسوس: بہت افسوس۔
حرفِ سَرنَوِشتی: تقدیر کا لکھا۔
حِفظ آوَری: حفاظت کرنا۔
حَقّا: قسم خدا کی، حق ہے، درست ہے۔
حَکّاک: نگینے پر حرف کھودنے والا۔ نگینہ ساز۔
حَنظَل: اندرائن کا پھل۔ ایک کڑوا پھل، جو خربوزے کی طرح ہوتا ہے۔

(خ)

خاربند: کانٹوں کی باڑھ جو کھیت یا باغ کے چاروں طرف، حفاظت کے خیال سے لگا دیتے ہیں۔
خالصے لگنا: ضبط ہونا۔ بے وارث قرار پاکر، سرکاری ملکیت میں داخل ہو جانا۔ برباد ہونا۔
خَرابات: شراب خانہ۔ جوئے خانہ۔
خُردِیا: تھوک فروش کا متضاد، پُھٹکل بیچنے والا۔ پھیری پھر کر بیچنے والا۔
خُرسَند: خوش۔
خُلق: عادت، خصلت، مروّت، ملنساری۔
خَندی: بے حیا، بے غیرت، فاحشہ عورت۔ بے ہودہ ہنسنے والی عورت۔
خوبوں: معشوق۔
خود مُنڈا: بے اُستادا، بے پیرا۔ وہ شخص جو کسی پیر کا مرید یا کسی اُستاد کا شاگرد نہ ہو۔

(د)

دارائی : ایک سرخ رنگ کا ریشمی کپڑا ۔
داکھ : کشمش ۔
دام : جال ۔ دمڑی، چھدام ۔ پیسے کا پچیس یا چوبیسواں حصہ ۔ قیمت، مول ۔ نقد روپیا ۔
دانت بندھوانا : ہلتے ہوئے دانتوں کو تار سے بندھوانا ۔
دائرہ : حلقہ ۔ دف ۔ گول چوبی گھیرے پر ایک طرف کھال سے منڈھا ہوا باجا ۔
دائم : ہمیشہ
دَدا : وہ عورت جو بچوں کی پرورش کے واسطے نوکر ہو ۔ کھلائی ۔
دُرج : صندوقچہ، ڈبا، جس میں زیور و جواہرات رکھے جائیں ۔
دَرے : دروازے، [درا : دروازہ ۔ دَرّہ]
دست رس : قابو ۔
دُشٹ : بے رحم، ظالم، بُرا ۔
دُلدُل : وہ سفید، سیاہی مائل مادہ خچر، جو حاکمِ اسکندریہ نے رسول اللہؐ کو بہ طورِ
نذر پیش کی تھی، اور آپ نے حضرت علیؓ کو عطا فرمائی ۔
دَندانِ مصری : ایک قسم کی ولایتی مٹھائی، جس کی شاخیں سی بنی ہوتی ہیں ۔
دُوال : چمڑے کا موٹا تسمہ ۔
دُوال بند : سپاہی ۔ وہ سپاہی جس کی کمر میں چمڑے کا تسمہ یا چمڑے کی پیٹی بندھی ہوئی ہو ۔
دوگانہ : نماز کی دو رکعتیں ۔
دُہرا : دوہا ۔ دو مصرعوں کا ہندی شعر ۔
دَھرم دَھکّا : بے کار کی پریشانی ۔
دَھڑی : پانچ سیر کا باٹ ۔ دھڑیاں لُٹ رہی ہیں : بہت زیادہ عیش و عشرت ہے ۔

دَھنترا : دھن دولت والا۔ طاقت ور آدمی۔
دَھون : بیس سیر کا وزن۔
دَھونسا : بڑا نقارہ۔
دِھی : لڑکی۔

(ڈ)

دَڈل : نقدی۔
ڈَمرو : ڈُگڈُگی۔
ڈھمڈِھمی : چھوٹا دف۔ ڈفلی۔

(ر)

راس : اگلے زمانے میں گواوں کی ایک تفریح، جس میں وہ سب گھیرا باندھ کر ناچا کرتے تھے۔ کہتے ہیں کہ اس کی ابتدا، سری کرشن نے کاتک کی چودھویں تاریخ کی آدھی رات کو کی تھی۔ بعد میں اس میں کئی طرح کے پوجن ملا دیے گئے اور اب یہ باعثِ نجات ملنے جانے لگے۔
کھیل، ناچ، تماشا، جیسا سری کرشن نے گوپیوں کے ساتھ کیا تھا، جسے راس لیلا بھی کہتے ہیں اور اب تک کاتک اور پھاگن میں راس دھاری (وہ ناچنے والے لڑکے جو کرشن جی اور اُن کی گوپیوں کے کھیل کی نقل کرتے ہیں) اس کھیل کی نقل کیا کرتے ہیں۔
راس منڈل : وہ جگہ جہاں سری کرشن کا راس دکھایا جائے۔
راس منڈل بھجن : وہ بھجن جو راس میں جشن کے ساتھ گائے جاتے ہیں۔ خوشی کے بھجن۔
رَباب : ایک قسم کی سارنگی۔

رَچنا : پیدا کرنا ، ڈول ڈالنا ۔ روغن چڑھانا ، نقش کرنا ۔ رنگت دینا ۔
رِضوان : بہشت کے داروغہ کا نام ۔ رضامندی ، خوشنودی ۔
رَمَل : وہ علم جس میں کچھ ہندسے اور لکیریں کھینچ کر ، غیب کی باتیں معلوم کی جاتی ہیں۔
رَمَل ، عربی میں ریت کو کہتے ہیں ۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت جبریلؑ نے ریت پر کچھ نقطے بنا کر ، حضرت دانیالؑ کو یہ علم سکھایا تھا ۔
رَمّال : علمِ رَمَل کا جاننے والا ۔ جوتشی ۔
رِواق : مکان کا چھجّا ، سایبان ۔ محل ، ایوان ۔
رُوگ دھوگ : جھگڑا ، مصیبتیں ۔
رَہکلا : چھوٹی توپ ۔ توپ رکھنے کی گاڑی ۔
رَے : رونق ، کیفیت ۔
رَیحان : ایک خوش بودار پودے کا نام ، جسے "نازبو" کہتے ہیں ۔
ہر ایک خوش بودار گھاس ۔ گلاب کے سوا ہر ایک پھول ۔
رَین : رات ۔

(ز)

زِشتی : بُرائی ۔
زُنّار : سوت کے دھاگے کی وہ تہری لٹ جو اونچی ذات کے ہندو ، خصوصاً برہمن بدّھی کی طرح پہنے رہتے ہیں ۔ جنیو ۔
زَنَخداں : ٹھُڈّی ۔
زَنگ : گھنٹی ۔ گھنگھرو ۔
زُور (واو معروف) : مکر ۔
زور طرح کی : عجیب طرح کی ۔

زیرک : عقل مند - ہوشیار - چالاک -

(س)

ساعِد : کلائی -

ساکے : وہ داستانیں جو عام طور سے ہندو حضرات ایک جگہ بیٹھ کر، اپنے نام ور بہادروں کے متعلق، دل بہلانے کے لیے، گا گا کر بیان کرتے ہیں مثلاً آلا اودل کی لڑائی -

سالِک : راہ چلنے والا - صوفیوں کی اصلاح میں وہ شخص جو خدا سے قربت کا طالب ہو اور عقلِ معاش بھی رکھتا ہو - پابندِ شریعت درویش -

سَبَد : سادھو، سنتوں کے ایسے بھجن جن میں معبودِ مطلق کا ذکر ہو، جیسے کبیر کے سَبَد -

سَحاب : بادل -

سر بھارا : ایک طرح کا تھیلا، جس کو سر سے اٹکا کر، پیٹھ پر لاد لیتے ہیں، اور آگے کو جُھک کر چلتے ہیں -

سرِ دفترِ مسلماں : مسلمانوں کے سردار -

سُرنا : وہ نفیری جو روشن چوکی کے ساتھ بیاہ شادی، جشن اور خوشی کے موقع پر بجائی جاتی ہے -

سِری : تیر کے گز کو کہتے ہیں، جو پیکانِ تیر کے لوہے کے خول میں دستے کی طرح پیوست ہوتا ہے -

سِڑا : پاگل - احمق -

سِفال گر : کمھار -

سِلاح : ہتھیار -

سُلفا : بُھر بُھرا کر کے تمباکو بھرنے کو سُلفا کہتے ہیں - نیز ایک دفعہ بھرنے کے تمباکو کی

مقدار کو بھی کہتے ہیں، جیسے ایک سُلفا تمباکو، یعنی : ایک چلم تمباکو۔
سُلفا پینا : کنایتہً : چرس پینا۔ چرس کو تمباکو میں ملاکر، چلم میں بھر کر پینا۔
سَلونو : رکھشا بندھن کا تہوار۔
سُمِرن : مالا، تسبیح، وِرد وظیفہ۔
سُمِرنا : خدا کا نام لینا۔ مالا پھیرنا۔ تسبیح پڑھنا۔
سَنگر : دیوار جو لڑائی کے موقع پر بنالیتے ہیں۔ کانٹوں کی باڑھ جو باغ، کھیت کے آس پاس حفاظت کے لیے لگاتے ہیں۔ مورچہ، خندق۔
سَنمکھ : سامنے، مقابل۔
سَوسنی : نیلا آسمانی۔
سیاہ گوش : چیتے کی قسم کا ایک چھوٹا درندہ، جسے امیر لوگ شکار کے واسطے رکھتے ہیں۔ یہ کتے سے چھوٹا اور بلی سے بڑا ہوتا ہے۔ دونوں کان سیاہ اور نوکدار ہوتے ہیں۔
سِیس : سر۔
سیس نوا : سر جھکاکر۔
سِیلی : وہ بالوں کی ڈوری یا سیاہ ریشم یا تاگوں کی لڑی، جو اکثر جوگی یا معشوق گلے میں پہنتے ہیں۔
سَین : آنکھ کا اشارہ۔ علامت، نشان۔
سیوڑا : جین سادھوؤں کی ایک قسم
سیوک : خادم۔

(ش)

شَجرہ : نسب نامہ۔ وہ کاغذ جس میں پیر، اپنے پیروں کا نام اور سلسلہ لکھ کر مُرید کو دیتے ہیں۔
شجرہ کلاہ : پیروں کا شجرہ اور ٹوپی جو تبرک کے طور پر مریدوں کو دی جاتی ہے۔

شَرَف : بزرگی ، فوقیت ، عزّت ۔ فخر ۔
شَرَفِ بیتُ اللہ : خانۂ کعبہ کے لیے باعثِ فخر ۔ حضرت علیؓ کی صفت (حضرت علیؓ کی ولادت خانۂ کعبہ کے اندر ہوئی تھی ۔)
شکاربند : وہ تسمہ جو گھوڑے کی دُم کے قریب ، زین میں ، شکار لٹکانے کے لیے بندھا ہوتا ہے ۔
شکیب : صبر ۔
شکیب بَر : صبر کھو دینے والا ۔

(ص)

صبح خیزیا : وہ چور جو مسافروں سے پہلے اُٹھ کر ، اُن کا مال اسباب چُرا لے جاتا ہے ۔
صَبیح : گورا چِٹّا ۔
صَحّاف : کتاب کی جِلد بنانے والا ، جلد ساز ۔
صد برگ : گیندے کا پھول ۔
صَفیر : سیٹی کی آواز ۔ آواز ۔ پرندوں کی آواز ۔ بلبل کی آواز کے لیے مخصوص ہے ۔
صَوت : آواز ۔
صُورت گری : تصویر بنایا ۔

(ض)

ضَیف : مہمان

(ط)

طاق : محراب ۔
طَبل : بڑا ڈھول ۔
طَبلک : (طبلق) کاغذوں کا بنڈل ۔

طَرّاحی : نقاشی۔

طَرب فزائی : خوشی بڑھنا۔ خوشی بڑھانا۔

طُرفہ : انوکھا، عجیب۔ نادر۔ عمدہ۔

طَناب: خیمے کی رسّی۔

(ع)

عراقی : عربی گھوڑا۔

عَرصہ : میدان، صحن، زمانہ، وقفہ۔

عِرفان : خدا کو پہچاننا۔

عَرَق : پسینا۔

عِشقَ اللہ : آزاد فقیروں کا سلام۔

عَماری : ہاتھی کا ہودا، جو اُس کی پیٹھ پر بیٹھنے کے واسطے رکھتے ہیں۔

(غ)

غلمان : غُلام کی جمع، نوعُمر لڑکے۔ وہ مخلوق جو نوعمر لڑکوں کی شکل میں اہلِ جنّت کی خدمت کے واسطے ہوگی۔

غَوث : فریاد کو پہنچنے والا۔

مسلمانوں میں ولایت کے ایک درجے کا نام، اِن کے متعلق یہ بھی خیال ہے کہ عبادت کے وقت، ہاتھ، پانو، سر، بلکہ ان کے تمام اعضا جسم سے الگ ہو کر یادِ خدا میں مصروف رہتے ہیں۔

(ف)

فرّاش : فرش بچھانے والا۔ وہ شخص جس کے سپرد فرش، روشنی وغیرہ کی خدمت ہو۔

فَرد : تنہا۔ بیت ، ایک شعر ۔ وہ کاغذ جس پر مُحرّر حساب کتاب درج کرتے ہیں ۔ یکتا ، بے مثل۔

فَرق : سر۔

فَطیر : تازہ گُندھا ہوا آٹا ، جس کا خمیر نہ کیا ہو۔

فطیری روٹی : چپاتی ، پُھلکا۔

فَنَد : مکر ، فریب۔

فِنْدَق : ایک ولایتی میوہ جو نہایت سرخ اور چھوٹے بیر کے برابر ہوتا ہے۔

کنایتہً : منہدی لگی ہوئی انگلیوں کا سرا۔

(ق)

قاضیِ حاجات : حاجت روا کرنے والا۔

قال مَقال : قیل قال ، تکرار ، بحث۔

قائم : شطرنج میں جب دونوں حریفوں کے دو دو مُہرے رہ جاتے ہیں ، اُس وقت کہتے ہیں کہ بازی قائم ہو گئی۔

قائم اُٹھنا : شطرنج کا برابر اُٹھنا۔

قُطُب : قوم کا سردار۔ افضل ، برگزیدہ ۔ صوفیوں کی اصطلاح میں وہ ولی ، جس پر دنیا کے انتظام اور نگہ بانی کا مدار ہو۔

قلم : پھلجھڑی

قَنبر : حضرت علیؓ کے غلام کا نام۔

قُوت : خوراک

(ک)

کابل درہ : درۂ کابل۔

کاج : کام، مطلب، مقصد۔
کالنجر : بُندیل کھنڈ کا نہایت مضبوط قلعہ، جس کے محاصرے میں شیر شاہ سوری کی
جان گئی تھی۔ (شہباز)
کاوا : گھوڑے کو اِس طرح چکّر دینا کہ اُس کے قدموں کے نشانوں سے زمین پر ایک دائرہ
پیدا ہو جائے۔
کاوا دینا : گھوڑے کو حلقہ باندھ کر چکّر دینا۔
کَٹّا : مضبوط ہاتھ پانو کا آدمی، اس کا استعمال اب عموماً ہٹّے کے ساتھ ہوتا ہے؛ ہٹّا کٹّا۔
کُٹَک : لشکر۔
کُٹُم : گھرانا، خاندان، رشتے داری۔
کُٹّن : پاجی، مُفسد، حرام زادہ۔ دیّوث۔
کَد : کب۔
کرّار : بار بار حملہ کرنے والا۔ حضرت علیؓ کا لقب۔
کرامَت : وہ خلافِ عادت بات، جو کسی ولی سے ظاہر ہو۔ بزرگی، عظمت،
تعجّب انگیز بات۔
کَرتار : بنانے والا، پیدا کرنے والا۔
کڑاکا : فاقہ۔
کِسوَت : لباس۔
کشف : ظاہر کرنا، کھولنا۔ صوفیوں کی اصطلاح میں وہ درجہ، جس پر پہنچ کر غیب کے اسرار
ظاہر ہو جائیں۔
کشفُ القُبور : صوفیوں کا وہ درجہ، جس میں اُن کو مُردے کی قبر کے حالات معلوم ہو جاتے ہیں۔
کشفُ القُلوب : دلوں کے حالات کا معلوم ہو جانا۔

کشور کُشا : ملک فتح کرنے والا ۔
کَفش : جوتا ۔
گَگَڑ : پینے کا بنا ہوا تمبا کو جو گیلے اور سوکھے تمباکو کو ملا کر، جلد سُلگ جانے کی غرض سے بُھر بُھرا بنایا جاتا ہے ۔
ایک قسم کا لمبے نیچے کا حقّہ ۔ مٹّی کا بڑا حقّہ ۔
کَلاوَنت : وہ شخص جس کا پیشہ گانا بجانا ہو ۔
کَلپانا : تکلیف پہنچانا ۔ ستانا ۔ دُکھ دینا ۔
کُلچہ : میدے کی چھوٹی خمیری روٹی، جو تنور میں پکائی جاتی ہے ۔
کُلَنگ : مٹیالے رنگ کا ایک آبی پرندہ، جس کی گردن لمبی اور لک لک سے بڑا ہوتا ہے ۔ قاز ۔
کماں گر : کمان بنانے والا ۔
کُندن : سونا ۔
کنگنی : ایک قسم کا چکنا اور چھوٹا اناج، جسے اکثر پِدّیوں اور لالوں کو بھی کھلاتے ہیں اور اس کے لڈّو بھی بناتے ہیں ۔
کوٹ : قلعہ ۔
کَولا : چھوٹا سنترا ۔ ایک قسم کی بہت میٹھی نارنگی ۔
کھانڈا : ایک قسم کی سیدھی دو دھاری تلوار ۔
کھٹّا : لیموں کی ایک قسم جو بہت ترش ہوتا ہے ۔ بعض کھانوں میں تُرشی کے واسطے لیموں کے بجائے ڈالا جاتا ہے ۔ بچے اُس کی پھانکیں بنا کر بیچتے اور شوق سے کھاتے ہیں ۔
کھچّم کھچّا : خوب بھرا ہونا ۔ بہت سی چیزوں کا ایک جگہ جمع ہونا ۔

کھڑکھڑیا : ایک قسم کی گاڑی، جس میں بگھی کے گھوڑوں کو سدھاتے ہیں۔ اس کی آواز کھڑکھڑ ہوتی ہے۔

کھڑوا : ہاتھ کا ایک زیور۔

کھنڈ : کتاب کا حصّہ، باب۔ طویل نظم کی ایک فصل، ایک ٹکڑا۔

اصطلاحِ شعر میں جس کو بند کہتے ہیں، اُسی کو ہندی میں کھنڈ کہتے ہیں۔ ہر کھنڈ کے بعد، دُہرا بہ طورِ ٹیپ کے آتا ہے۔ (شہباز)

کھُوئی : کپڑے یا کمل کو گوشہ نما بنا کر اوڑھنا۔

بوریے کی کھوئی : بوریے کو، کمل کی طرح پانی سے بچنے کے لیے، گوشہ نما بنا کر اوڑھنا۔

کیڑا : سانپ۔ (نظم : برسات کی بہاریں)

کیسر : زعفران۔

کیف : نشہ۔ سرور۔

(گ)

گال توڑنا : رخسار پر چٹکی لینا۔ زور سے بوسہ لینا کہ گال کٹ جائے۔

گاہنا : ملنا، مسلنا، روندنا۔

اناج پر بیلوں کو پھرانا تاکہ دانہ اور بھُس الگ الگ ہو جائے۔

گَت : چال، حالت۔ لَے، سُر۔ ساز کے بجانے کے مقررہ الفاظ جو پردوں کے ذریعے سے نکالے جاتے ہیں۔ ناچنے کا ٹھاٹھ۔ نرت کا انداز۔

گَت بھرنا۔ ناچنے کا ٹھاٹھ بنانا، ناچنے کا کوئی ٹھاٹھ دکھانا، مثلاً چھاتی کی گت، کمر کی گت، جھُرمٹ کی گت، مور کی گت وغیرہ کا روپ دکھانا۔

گُر : گرو۔

گِردہ : ہر گول چیز۔ چھوٹی روٹی جو موٹی نہ ہو۔ حلقہ، دائرہ۔

گِرَو : رہن۔

گَڑوا : پانی رکھنے کا برتن۔

گُلابی : چھوٹی رنگین بوتل جس میں شراب اور گلاب رکھتے ہیں۔ چھوٹا سا شراب کا شیشہ۔

گُل بُن : گلاب کا درخت۔ کنایتہً : پھلواری۔

گُلجھڑی : گُتھی، گرہ۔

گُل گُل شگفتہ : بہت زیادہ خوش۔

گُل گوں : سُرخ۔

گُلنار : سرخ، شوخ رنگ رکھنے والا۔

گُون : بیلوں وغیرہ پر لادنے کی بوری، جو دورخی ہوتی ہے۔

گھالنا : برباد کرنا۔

گھَر گیا : خانہ خراب، اُجڑا، خانماں برباد۔

گھَڑیالی : گھنٹا بجانے والا۔

گَہنا : پکڑنا۔

(ہاتھ گہتے ہیں : ہاتھ پکڑتے ہیں۔ مدد کرتے ہیں۔)

گھَن چکّر : آتش بازی کا چکّر، جو آگ دینے سے خوب گھومتا ہے۔

ل

لاریب وگماں : گمان اور شک کے بغیر۔

لاَلَن : معشوقِ حقیقی۔

لالوں لال : مالامال۔ نہایت سُرخ۔

لاہی : ایک طرح کا ریشمی کپڑا۔ سُرخ رنگ جس میں سیاہی غالب ہو۔

لکڑ بھونتا: وہ لڑکا جو سب کو بھائے۔ (شہباز)

لنڈورا: وہ پرندہ جس کی دُم نہ ہو۔

کنایتہً: بے کس، بے یار و مددگار۔

لیکھا: حساب کتاب۔ لین دین۔

لیکھا ڈیوڑھا برابر کرنا: حساب چُکا دینا۔ ادا کر دینا۔

لیلا: کرشمہ، کارنامہ، کرامات۔ شانِ ظہور۔

لیوا: ہانڈی، خاص طور سے مٹّی کی ہانڈی کے پیندے پر جو مٹی کی تہ چڑھائی جاتی ہے۔

(م)

مار: سانپ۔

مارو: جنگ جو، لڑاکا۔ گیتوں میں معشوق کو اِس لفظ سے خطاب کیا جاتا ہے۔ (شہباز)

مال: وہ ڈور جو چرخے میں تکلے کو متحرک کرنے کے واسطے لگی رہتی ہے۔

مالا: ہندوؤں کی تسبیح، جس کے دانوں کو منکا کہتے ہیں۔ تُلسی کی لکڑی، یا ردراکش (ایک درخت) کے بیجوں یا صندل کی لکڑی کے دانے ہوتے ہیں۔

مال پُوا: گھی میں تلی ہوئی ایک طرح کی میٹھی پوری۔

ماہی مراتب: وہ اعزازی نشان جو بادشاہوں کی سواری کے آگے آگے ہاتھیوں پر چلا کرتے تھے۔ اصل میں یہ سات شکلیں، سات ستاروں کے اعتبار سے بہ تفصیلِ ذیل ہوا کرتی تھیں: ہیکلِ آفتاب یعنی سورج کا نشان۔ نشانِ پنجہ، نشانِ میزان، اژدہا پیکر، سورج مکھی، مچھلی، گولا یا گُرہ۔

مُرتاض: ریاضت کرنے والا۔ عبادت میں مشقّت کرنے والا۔

مِردنگ: پکھاوج کی قسم کی، مگر اُس سے زیادہ لمبی اور پتلی پرانی وضع کی ڈھولک، جو طبلے کی طرح بجائی جاتی ہے۔

مِسر : برہمنوں کی ایک اعلا ذات ۔
مُشتری : خریدار ۔ ایک ستارے کا نام جو چھٹے آسمان پر ہے ، نجومی اس کو سعدِ اکبر (بہت نیک) کہتے ہیں ۔ اس کو قاضیِ فلک بھی کہتے ہیں ۔
مُشجّر : وہ کپڑا جس پر بیل بوٹے بنے ہوئے ہوں ۔ پھول دار کپڑا ۔
مَشروع : ایک قسم کا ریشمی سوتی عمدہ کپڑا ، جو شرعاً مرد کو بھی پہننا جائز ہے ۔ عورتیں اس کے پاجامے بناتی تھیں ۔
مُشَیَّن : شان دار ، رعب دار ۔
مُعانقہ : گلے سے لگانا ، بغل گیر ہونا ۔
مَعجون : وہ قوام جو بھنگ اور شکر (کھانڈ) سے تیار کر کے بنایا جائے ۔
مُقیش : سونے چاندی کے تار ۔ سونے چاندی کے تاروں کا بنا ہوا کپڑا ۔
مَلاریں : مَلار کی جمع ۔ ملار : برسات کے موسم کا گیت ۔
ملاریں گانا : خوشی منانا ۔
مُلمّچی : مُلمّع کا کام کرنے والا ۔
مَنّت بڑھانا : مُراد پوری ہونے پر نذر نیاز کرنا ۔ منّت پوری ہونے پر تعویذ ، گنڈا وغیرہ اُتارنا ۔
مُنہ چنگ (مُرچَنگ) سہ شاخہ برچھے کی شکل کا ، تار والا ، چھوٹا سا ایک سُر اقدیم باجا اس کی آواز بہت سریلی ہوتی ہے ۔
ایک باجے کا نام جسے مُنہ میں پکڑ کر ، انگلیوں سے بجاتے ہیں ۔ فارسی میں بلبان یا چنگِ دہن کہتے ہیں ۔
موہن بھوگ : ایک قسم کی مٹھائی ۔ حلوا ۔
آم کی ایک قسم ۔

مہاوَٹ : وہ بارش جو ماگھ کے مہینے میں ہوتی ہے ۔ وہ بارش ، جو جاڑوں کے موسم میں ہو ۔

مُہَندِس : وہ شخص جو علمِ ہندسہ (جامیٹری) جانتا ہو ۔ نجومی ۔ جوتشی ۔

رمیانا : ایک قسم کی زنانی سواری ، پالکی ، ڈولا ۔

رمیانہ : چھوٹے قد کا گھوڑا ، خواہ ٹٹو ۔ لڑی یا مالا کے بیچ کا سب سے بڑا دانہ ۔

رمیری (یائے معروف) سرداری ۔ امیری ۔

رمیگ ڈَمبَر : ہاتھی کی کمر پر باندھنے کا چھتری دار ہودہ ، جس کی چھتری بُرجی نما ہوتی ہے ۔ رتھ نما شاہانہ عماری ، جو ہاتھی کے اوپر رکھی جاتی تھی اور اُس کی دُو برجیاں آگے پیچھے ہوتی تھیں ، جس میں بادشاہ یا راجا بیٹھتا تھا ۔

رمینا : رنگ برنگ کا شیشہ ۔ شراب کی بوتل ۔ وہ سبز کام جو شیشے اور چاندی سونے کے برتنوں پر بناتے ہیں ۔

رمینا ساز : مینا بنانے والا ۔

رمینا کار : جڑاؤ کام کرنے والا ۔ سونے چاندی پر مرصّع کا کام کرنے والا ۔ نگینے جڑنے والا ۔

(ن)

نالکی : لمبی آرام کرسی کی طرز کی ، تام جھام کی قسم کی سواری ، جسے کہار کندھے پر اٹھاتے ہیں ۔ اس میں ایک آدمی پھیل کر لیٹ سکتا ہے ۔

نالو : نام

نایک : قافلے کا سردار ۔ سردار ۔ فنِ موسیقی کا کامل ماہر ۔

رنت : ہمیشہ ۔

نَٹ کھٹ : نکھٹّو جو کماؤ نہ ہو ۔ عیّار ، دغا باز ۔ فریبی ، شرارت پیشہ ۔

نجابت : شرافت، اصالت۔
نچنت : بے پروا، مطمئن۔
ندان : آخر کار۔
نر باہ : نباہ۔
نَرد : ایک کھیل، چوسر، پچیسی۔ اِس میں ۱۶ مُہرے ہوتے ہیں چھالیا کی شکل کے، چار رنگ کے۔ انھیں نَرد یا گوٹ کہتے ہیں۔ چوسر، پانسے سے کھیلی جاتی ہے اور پچیسی، کوڑیوں سے۔
نر دھاری : جس کا کوئی رُوپ نہ ہو۔ جو اپنے رُوپ کے ظاہر کرنے کے لیے کسی مقام کا محتاج نہ ہو۔
نر کال : چھپا ہوا۔
نر، ناری : مرد، عورت،
نَرمہ : کان کی لو۔
نرنجَن : خواہش اور غضب سے پاک۔ بے عیب۔
نُک پلک : غالباً نوک پلک کا مخفف ہے۔ تناسبِ اعضا، موزونیت۔ دل کش وضع۔
نکوسرِشتی (نکو : نیک۔ سرِشت : مزاج، طبیعت) اچھی طبیعت۔ نیک مزاجی۔ نکوسرِشتی کا جمع : اچھائیوں کا مجمع۔
نِگار : محبوب۔ نقش۔
نَمَن : طرح۔ مانند۔
نوگرھی : پہنچی، ہاتھوں کا ایک زیور۔
نہالی : روئی دار بستر، توشک۔
نَے : بانسری۔

رنیارِیا : خاک دھول میں سے چاندی سونا نکال کر الگ کرنے والا۔ مٹّی دھوکر، سونے چاندی کے ذرّے نکالنے والا۔

نیمہ : ایک قسم کا اونچا جامہ۔

نیمہ آستین : آدھی آستین کی مرزئی نما صدری، جو انگر کھے کے اوپر پہنی جاتی تھی۔

(و)

وِثاق : معاہدہ کرنا، عہد باندھنا۔

محبوبِ وثاقی : وہ محبوب جس نے وفاداری کا عہد باندھا ہو۔

وِچ : میں، بیچ۔

وُحُش : وحشی کی جمع۔ جنگلی چوپایے۔

وِید : ہندوؤں کی چار مقدّس ترین کتابیں۔

(ہ)

ہاتھ اُوٹنا : ہاتھ پھیلانا۔

ہانڈا : پھرنے والا۔ آوارہ گرد۔

ہَٹ، ہٹّا : بازار۔ میلا۔

ہر زماں : ہر وقت، ہر گھڑی، دن رات۔

ہَرنا : پکڑنا، چھین لینا۔

(من کی چنتا ہَرتے ہیں : دل کی پریشانیاں دور کر دیتے ہیں۔)

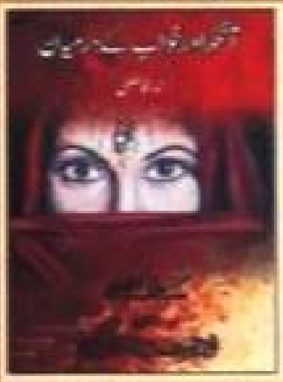
ہَزار : بُلبُل۔

ہک نہ دَھک : بے سان گمان ۔ اچانک ۔
ہنڈی وال : ساہوکار ۔
ہَوا : خواہش ، لالچ ، تمنّا ، شوق ۔
ہَوائی : ایک قسم کی آتش بازی جسے خَتنگا یا خدنگ بھی کہتے ہیں ۔
ہو حق ہو جانا : مٹ مٹا جانا ۔ نیست نابود ہو جانا ۔

(ی)

یاوَری : مدد ۔
یزداں : خدا ۔ اَہرمن کا متضاد ۔ قدیم ایرانی عقیدے کے مطابق یزداں اچھائیوں کا کرنے والا ہے اور اہرمن ، بدی کا ۔

آنکھ اور خواب کے درمیان

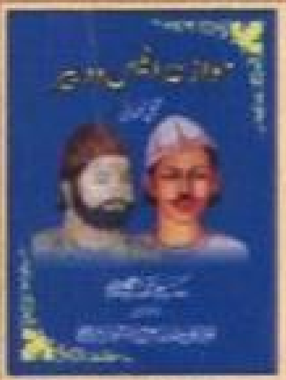


مصنف : ندا فاضلی

صفحات : 96

قیمت : -/50 روپے

موازنۂ انیس و دبیر



مصنف : شبلی نعمانی

صفحات : 304

قیمت : -/81 روپے

شاہ ولی اللہ اور ان کا خاندان

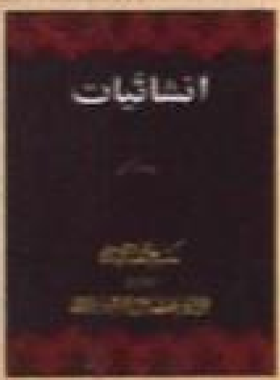


تالیف : محمود احمد برکاتی

صفحات : 152

قیمت : -/63 روپے

انشائیات

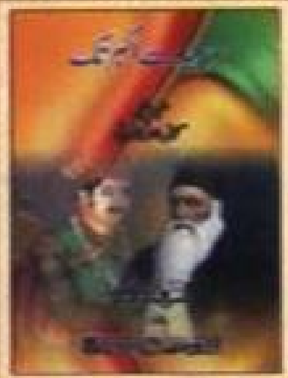


مصنف : سید عابد حسین

صفحات : 240

قیمت : -/84 روپے

سرسید سے اکبر تک



مرتبین : شمیم حنفی
سہیل احمد فاروقی

صفحات : 192

قیمت : -/72 روپے

انتخابِ ذوق

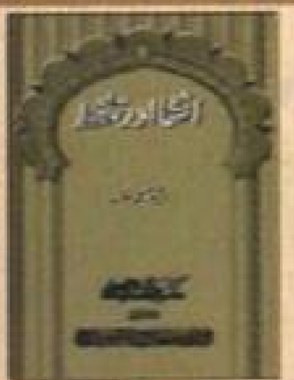


مصنف : تنویر احمد علوی

صفحات : 176

قیمت : -/58 روپے

انشا اور تلفظ

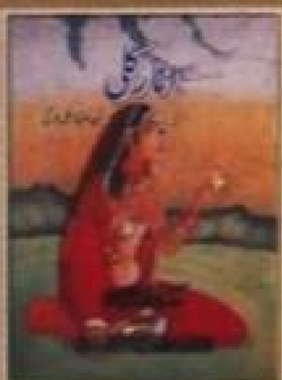


مصنف : رشید حسن خاں

صفحات : 72

قیمت : -/45 روپے

انارکلی



مصنف : امتیاز علی تاج

صفحات : 184

قیمت : -/60 روپے

ISBN: 978-81-7587-552-4
9 788175 875524

₹ 77/-